مکاتیبِ

مُشفق خواجہ

بنام

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

مکاتیبِ مشفق خواجہ

بنام

رفیع الدین ہاشمی

(مرتب)

ادارہ مطبوعات سلیمانی

رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ فون: ۷۲۳۲۷۸۸

E-mail: idarasulemani@yahoo.com

Makaateeb-e-Mushfiq Khawaja Ba-nam Rafiud Din Hashmi

(Letters of Mushfiq Khawaja to Rafiud Din Hashmi)

کتاب کا نام	:	مکاتیب مشفق خواجہ بنام رفیع الدین ہاشمی
ناشر	:	حکیم عروہ وحید سلیمانی
مطبع	:	آر۔آر۔ پرنٹرز
طبع اوّل	:	فروری ۲۰۰۸ء
تعداد	:	۵۰۰
قیمت	:	-/۲۲۵ روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ مطبوعات سلیمانی

ہیڈ آفس

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

: 042-7232788, 042-8414546

E-mail: idarasulemani@yahoo.com

لاہور: ۳۔بی نیاز ویو کیم عقب خان بابا ریسٹورنٹ چوک چوبرجی لاہور۔

: 042-7312848,8401105

راولپنڈی: دکان نمبر 12، اقبال مارکیٹ، کمیٹی چوک اقبال روڈ، راولپنڈی 051-5551742 :

ملتان: دواخانہ سلیمانی، بالمقابل محمد بن قاسم بلائنڈ سینٹر کمہاراں والا چوک، ملتان 061-4042627 :

کراچی: جہانگیر بک ڈپو، نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-2765086

انتساب

آمنہ مشفق

کے نام

ترتیب

اظہارِ تشکر

اس کتاب کی تیاری و ترتیب اور اسے اشاعت کے مرحلے تک پہنچانے میں مرتب کو بہت سے احباب، عزیزوں اور شاگردوں کا تعاون حاصل رہا۔

- قاسم کمپوزنگ سنٹر کے راشد مرتضیٰ صاحب نے مسودّے کو مہارت سے کمپوز کیا۔
- شاگردِ عزیز، شبیر احمد نے بعض حواشی کے املا اور نقل نویسی، بعد ازاں پروف خوانی میں مدد کی [یہ الگ بات ہے کہ عزیزی نے مشفق خواجہ صاحب کی 'محبت' میں بعض الفاظ کے املا پر اس قدر تدبّر اور تامّل کیا کہ کہیں کہیں صحیح کو بھی غلط بنا دیا۔ (محبت میں سب کچھ جائز ہے) مزید برآں وقتاً فوقتاً ان کی 'پوچھ گچھ' نے راقم کو اس مجموعے کی تیاری کے لیے آمادۂ کار رکھا۔]
- میرے عزیز دوست، ملک حق نواز خاں صاحب نے بڑے ذوق وشوق سے آخری پروف کا مطالعہ کر کے متعدد غلطیوں کی تصحیح کے علاوہ، حواشی کے ضمن میں بھی مفید مشورے دیے۔
- شاگرد اور دوستِ عزیز، ڈاکٹر خالد ندیم کی دِل چسپی نے کئی ماہ سے تعطّل کے شکار، زیرِ نظر مجموعۂ مکاتیب کو 'ہوتا ہے جادہ پیما، پھر کارواں ہمارا' کی پٹڑی پر گامزن کر دیا۔ آخری تصحیحات کے علاوہ، انھوں نے بڑی ہنر مندی سے مکاتیب پر حواشی کو پاورق میں شیرازہ بند کر دیا۔ اگر وہ اتنی توجہ اور استقلال سے میری مدد کو نہ آتے تو شاید اس مجموعے کو مزید کچھ عرصے تک اشاعت کا منھ دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ آخر میں انھوں نے اشاریہ بھی تیار کر کے شاملِ کتاب کر دیا، جس سے اس مجموعۂ مکاتیب کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔
- دونوں بیٹوں: حسن عمیر احمد اور محمد قاسم عزیر نے دیباچے اور مقدمے کی مشینی کتابت (کمپوزنگ) کی۔ مَیں نے اس حصّے کے پروفوں میں بار بار ترامیم اور اضافے کیے، جن کی تصحیح عزیزان کے لیے ایک بیزار کن مشق تھی، بایں ہمہ اس مشق کو انجام دینے میں انھوں نے بڑی سعادت مندی سے تعاون کیا۔

مَیں ان سب کے تعاون، بلکہ ایثار کا ممنون اور ان کے لیے دُعا گو ہوں۔

ر۔ ہاشمی

حرفِ اوّل

یہ مجموعہ مشفق خواجہ (۱۹/دسمبر ۱۹۳۵ء-۲۱/فروری ۲۰۰۵ء) کو یاد کرنے اور ان کی یاد کو تازہ رکھنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش ہے، بقول فیض:

تمھاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں
کسی بہانے تمھیں یاد کرنے لگتے ہیں

ابھی ۲۱ فروری ۲۰۰۵ء کو زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ استاذی ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے مخزن ۹ کے لیے مشفق خواجہ پر مضمون طلب کیا۔ فوری طور پر مضمون نہ بن پڑا[۱]، اس لیے میں نے اپنے نام مشفق خواجہ کے نو خطوط حواشی و تعلیقات کے ساتھ تیار کر کے استاذِ محترم کو پیش کر دیے جو اگست ۲۰۰۵ء میں مخزن ۹ میں چھپ گئے۔ اخبار اُردو اسلام آباد نے ستمبر ۲۰۰۵ء کے شمارے میں انھی خطوط کو مکرر شائع کیا۔ متعدد احباب نے انھیں دل چسپ پایا۔ برادر پروفیسر سلیم منصور خالد صاحب نے تجویز دی، بلکہ اصرار کیا کہ باقی خطوط بھی اسی طرح شائع کر دیے جائیں۔

اپریل ۲۰۰۵ء میں کراچی جانا ہوا۔ مکالمہ کے دفتر میں مبین مرزا صاحب سے پہلی بار ملاقات ہوئی۔ خواجہ صاحب کا تذکرہ ناگزیر تھا، انھوں نے مکالمہ کے لیے مشفق خواجہ پر کچھ لکھنے کی فرمایش کی۔ طے ہوا کہ مَیں چند خطوط مرتب کر کے دے دوں گا۔ ۳۸ خطوط مع مختصر حواشی و تعلیقات ارسال کیے گئے، جو (سوا سال کے انتظار کے بعد) اگست ۲۰۰۶ء میں مکالمہ ۱۵ کے ذریعے منظرِ عام پر آئے۔ ان کی تمہید میں مَیں نے لکھا تھا: 'راقم کے پاس مرحوم کے ڈیڑھ سو خط محفوظ رہ گئے۔ یہ سارے کے سارے تو شائع کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ ان میں سے چند ایک رسمی نوعیت کے ہیں۔ مزید کچھ خطوط آیندہ کسی موقعے پر شائع کرنے کا ارادہ ہے۔'

۱۔ وفات کے تین چار روز بعد، مَیں نے شعبۂ اردو اورینٹل کالج کے تعزیتی اجلاس میں ایک مختصر سا تاثراتی مضمون پڑھا تھا، مگر یہ ناتمام تھا اور اسے شائع کرانے میں مجھے تامل تھا۔

زیرِ نظر مجموعہ اسی ارادے کو روبہ عمل لانے کی کوشش ہے۔ اُس وقت تو مَیں نے لکھ دیا کہ سارے کے سارے [خطوط] شائع کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن بعدازاں مجھے احساس ہوا (اور مَیں ذہناً یکسو ہو گیا) کہ سارے کے سارے خطوں کو شائع کر دینا ضروری ہے۔ بے شک ان میں سے بہت سے خطوں کی نوعیت رسمی ہی ہے مگر یہ رسمی خط بھی مشفق خواجہ کی یادگار کی حیثیت رکھتے ہیں' اور اُن جیسے باکمال شخص کی ہر یادگار کو محفوظ کر لینا ضروری ہے۔ بالیقین تاریخ ادب کے حوالے سے بھی یہ ایک مفید اور بامعنی عمل ہوگا۔

اس مجموعے میں ۱۴۳ خطوط پیش کیے جا رہے ہیں۔ ایک خط (مرقومہ مورخہ ۸ جنوری ۲۰۰۲ء) نجی اور شخصی موضوع پر ہے، اس لیے اُسے شامل نہیں کیا جا رہا۔ اس طرح راقم کے نام مشفق خواجہ کے دستیاب خطوں کی تعداد ۱۴۴ بنتی ہے۔ ضمیمے میں ٦ ایسے خطوط شامل ہیں، جو اپنی جگہ اہم ہیں یا معنوی اعتبار سے ان کا ربط اس مجموعے سے بنتا ہے۔

حواشی و تعلیقات سے خطوں کا متن واضح اور روشن تر ہوتا ہے اور کہیں کہیں تو حواشی دینا ناگزیر ہوتا ہے۔ زیرِ نظر خطوں کے حواشی و تعلیقات میں ممکنہ حد تک اختصار برتنے کی کوشش کی گئی ہے۔ خواجہ صاحب کے ایسے قریبی احباب کا تعارف صفحہ نمبر ۴۱ اور ۴۲ پر دیا گیا ہے، جن کا ذکر خطوں میں کئی جگہ آیا ہے۔

متونِ خطوط کو اصل کے مطابق نقل کیا گیا ہے۔ بعض حصوں سے چند الفاظ یا جملے اور تین چار مقامات پر پورے پورے پیراگراف حذف کر دیے گئے ہیں۔ خواجہ صاحب اپنے بے تکلف اور قریبی دوستوں کو بعض امور و مسائل کے بارے میں اپنی بے لاگ رائے لکھ دیا کرتے تھے۔ اب ان کی وفات کے بعد، ایسے 'آف دی ریکارڈ' جملوں یا حصوں کی اشاعت روا نہیں۔ ممکن ہے، اسے 'اصولِ تحقیق و تدوین' یا دیانت کے خلاف سمجھا جائے، لیکن جہاں کسی کی دل آزاری یا فسادِ خلق کا اندیشہ ہو یا خود مکتوب نویس کی رسوائی کا خدشہ، وہاں 'راستیِ فتنہ انگیز' سے اجتناب بہتر ہے۔

مشفق خواجہ محقق تھے اور اصولِ املا میں اپنا ایک نقطۂ نظر رکھتے تھے۔ ابتدائی زمانے میں، اُن کے ہاں املا کا شعور اس قدر واضح نہ تھا، چنانچہ وہ 'تمغا' کو 'تمغہ' لکھتے تھے اور 'لیے' کو 'لئے'۔ ابتدائی زمانے میں وہ ہر جگہ املے کا اہتمام بھی نہیں کرتے تھے۔ زیرِ نظر مکاتیب کی کتابت انھی کے املا میں کی گئی ہے۔ دو تین مقامات پر وہ جلدی میں اپنے ہی اصولِ املا کی خلاف ورزی کر گئے، مثلاً انھوں نے 'مل گیا' کو ایک جگہ اس طرح لکھ دیا: 'ملگیا'، ایک جگہ 'لیے' کو 'لئے' لکھ دیا، ایک خط

میں 'جوں ہی' کے بجائے 'جونہی' لکھ دیا۔ خطوں میں خواجہ صاحب کی ایسی نادانستہ غلط املا کو درست صورت میں لکھا گیا ہے۔

ایک موقع پر خواجہ صاحب نے مجھے املا کے سات اصول ایک کاغذ پر لکھ کر بھیجے تھے۔ کتاب 'ہٰذا میں خط نمبر۱۶۱ سے ملحق اس کا عکس دیا جا رہا ہے۔ یہ ساتوں اصول رشید حسن خاں کی سفارشات کے عین مطابق ہیں، تاہم بعض الفاظ کے املا میں خواجہ صاحب کو رشید حسن خاں سے اختلاف تھا، اس لیے انھوں نے کہیں کہیں خاں صاحب کی املا کو قبول نہیں کیا، مثلاً وہ رشید حسن خاں کے 'گذشتہ'، 'اڈیشن'، 'اوارڈ'...... کے برعکس 'گزشتہ'، 'ایڈیشن'، 'ایوارڈ' لکھتے ہیں، لیکن املا کے زیادہ تر اصولوں اور قاعدوں میں وہ خاں صاحب اور ترقی اردو بیورو، دہلی کی املائی سفارشات کے قائل تھے۔ ان کے اور رشید حسن خاں کے املا میں اختلافات نسبتاً کم اور مماثلتیں کہیں زیادہ ہیں۔

یہ خواجہ صاحب کا انکسار تھا یا نفیِ ذات کی ایک صورت کہ وہ رائٹنگ پیڈ پر اپنا نام کبھی نہیں چھپواتے تھے، صرف مکان کا پتا چھپا ہوتا تھا۔ کبھی کبھار خط مطبوعہ پیڈ کے بجائے سادہ کاغذ پر لکھنا پڑتا تو اوپر دائیں طرف اپنے قلم سے مکان کا پتا لکھ دیتے۔ زیرِ نظر ۱۴۳ خطوں میں ایسا فقط چند ایک خطوں میں ہوا ہے، چنانچہ ایسے خطوط کی پیشانی پر پتا بھی کتابت کرایا گیا ہے کہ یہ ان کی دست نوشت تحریر میں ہے، لیکن جن خطوں میں پتا چھپا ہوا ہے تو وہ متنِ خط کا حصّہ نہیں، اس لیے ایسے خطوط میں پیشانی پر پتا کتابت نہیں کیا گیا۔

خواجہ صاحب خط کے آخر میں دستخط کر کے اور تاریخ لکھ کر دائیں جانب مکتوب الیہ کا نام اور شہر کا نام لکھ دیتے تھے۔ ان کی وضع داری دیکھیے کہ اجنبیوں، طلبہ اور خُردوں کے نام کے ساتھ بھی 'بخدمتِ گرامی' کا لاحقہ استعمال کرتے۔ وضع داری کی بات آئی تو بتاتا چلوں کہ ابتدائی برسوں میں راقم کے نام ان کے خطوط 'محترمی ومکرمی' سے شروع ہوتے اور 'آپ کا خیر اندیش' پر ختم ہوتے تھے، لیکن جوں جوں باہمی تعلقات میں اضافہ ہوتا گیا تو 'محترمی ومکرمی' کے بجائے وہ 'برادرِ عزیز ومکرم' لکھنے لگے اور آخر میں کبھی 'خیر اندیش' اور کبھی صرف 'آپ کا' لکھنے پر اکتفا کرتے تھے۔

نمونے کے طور پر مشفق خواجہ کے دست نوشت چند ایک مکاتیب کے عکس بھی متون کے ساتھ شائع کیے جا رہے ہیں۔ راقم نے خواجہ صاحب کے نام اپنے ۴ خطوں کے عکس بھی شاملِ کتاب کر دیے ہیں اور یہ بھی جناب عبدالرحمٰن طارق کی فرمائش اور اصرار پر...... جب انھیں معلوم ہوا کہ مَیں خواجہ مرحوم کے خطوط یکجا شائع کر رہا ہوں (وہ مخزن ۹ میں شائع شدہ نو خطوط

دیکھ چکے تھے) تو انھوں نے مشفق خواجہ کے ذخیرۂ مکاتیب سے میرے جملہ خطوط کے عکس بنوا کر بھجوا دیے اور یہ فرمایش کی کہ اُن خطوط کو بھی خواجہ صاحب کے خطوں کے ساتھ شائع کیا جائے، اس طرح بیشتر مقامات پر حواشی کی ضرورت بھی نہیں رہے گی۔ خواجہ طارق صاحب نے بعدازاں بذریعہ ٹیلی فون اور پھر ملاقات پر بھی اس پر اصرار کیا، مگر مَیں ان کی اس فرمایش کی تعمیل نہیں کرسکا، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ میں اپنے خطوط کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ مشفق خواجہ کے مکاتیب کے ساتھ شائع کروں۔ دوسرے یہ خودنمائی کی ایک صورت بنتی ہے۔

یہ معلوم ہے کہ خواجہ صاحب خط لکھنے اور جواب دینے میں مستعد اور فعال تھے اور سیکڑوں لوگوں سے ان کی خط کتابت تھی۔ وہ اپنے نام آمدہ خطوط کو نمبر شمار لگے ہوئے، الگ الگ بڑے لفافوں میں محفوظ رکھتے تھے۔ (راقم کے خطوط لفافہ نمبر ۱۴۴۱ میں رکھے جاتے تھے)۔ خطوط کے نجی ذخیروں میں مشفق خواجہ کے ذخیرۂ مکاتیب جیسا بڑا، قیمتی اور متنوع ذخیرہ کہیں بھی نہیں ملے گا۔

خطوط کسی شخص کو سمجھنے کے لیے کلیدی حیثیت رکھتے ہیں، اسی لیے مشفق خواجہ سے قربت و محبت اور 'باما آشنا بود' کا دعویٰ رکھنے والے احباب اور دوستوں سے میری گزارش ہے کہ مرحوم سے ہماری محبت اور تعلق خاطر کا ادنیٰ تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے اپنے نام ان کے مکاتیب شائع کردیں، مگر خطوں پر مختصر توضیحات ضروری ہیں۔ خواجہ صاحب کے بعض نیازمندوں نے خطوط بلاحواشی شائع کرا دیے ہیں، شاید ان کی مصروفیت آڑے آئی (یا سہولت پسندی؟)، تاہم بلاحواشی، خطوں کی اشاعت بھی فائدے سے خالی نہیں۔

باری تعالیٰ مشفق خواجہ کی خدمات (= نیکیوں) کو قبول کرے اور اُن کی کوتاہیوں اور لغزشوں سے صرف نظر کرتے ہوئے انھیں اپنے ان 'عاشقانِ پاک طینت' میں شامل کرے، جو اس کی رحمت کے مستحق ہوتے ہیں۔ یقیناً وہ اُنھی لوگوں میں سے تھے، جن کے بارے میں میر تقی میر کہہ گئے ہیں:

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

رفیع الدین ہاشمی
rdhashmi@yahoo.com

۳۰ر دسمبر ۲۰۰۷ء
۹ر ذوالحج ۱۴۲۸ء

مقدمہ

مشفق خواجہ سے میری پہلی ملاقات ۱۹۶۷ء کے موسم گرما میں ہوئی۔ ملاقات کیا تھی، بس زیارت ہی سمجھیے۔ وہ اُس وقت انجمن ترقی اُردو پاکستان میں مددگار معتمد تھے، اور انجمن کے دفتر (واقع بابائے اُردو روڈ) کی بالائی منزل میں بیٹھا کرتے تھے۔

اُس وقت تک میں ان کی شخصیت بلکہ نام تک سے واقف نہ تھا۔ تقریبِ ملاقات یہ تھی کہ چند ماہ قبل، جنوری ۱۹۶۷ء میں، میرا ایم اے اُردو کا نتیجہ آیا تھا۔ بالکل غیر متوقع طور پر تقریباً ایک ہزار طلبہ میں میری پہلی پوزیشن تھی اور اس سال درجۂ اول (فرسٹ ڈویژن) صرف ایک ہی طالب علم (راقم آثم) حاصل کر سکا تھا۔ انجمن ترقی اُردو نے غالباً اسی سال سے طے کیا تھا کہ ایم اے اردو میں اوّل آنے والے ہر طالب علم کو انجمن کی طرف سے تمغائے بابائے اُردو (مع پانچ سو روپے) دیا جائے گا۔

مئی ۱۹۶۷ء میں پہلی بار کراچی جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں میں اپنے عزیز دوست ممتاز احمد[۱] کے پاس ناظم آباد میں ٹھہرا ہوا تھا۔ کراچی پہلی بار گیا تھا، اس لیے روزانہ ہی کہیں نہ کہیں گھومنے چلا جاتا تھا، کبھی اکیلے اور کبھی ممتاز احمد کے ساتھ۔ اسی دورے میں ممتاز نے سلیم احمد مرحوم سے ملاقات کرائی جو اُن سے میری پہلی اور آخری ملاقات تھی۔

ایک روز انجمن ترقی اُردو کے دفتر (واقع بابائے اُردو روڈ) چلا گیا۔ بابائے اُردو کی قبر پر فاتحہ پڑھی۔ کچھ وقت انجمن کے کتب خانے میں گزارا۔ پھر خیال آیا کہ تمغے کے بارے میں معلوم کیا جائے، کب ملے گا؟ اور کیسے؟ دفتر والوں نے کہا: اس سلسلے میں مشفق خواجہ صاحب ہی کچھ بتا سکیں گے، وہ اوپر بیٹھتے ہیں۔ زینہ طے کر کے اوپر پہنچا۔ ایک چھوٹے سے کمرے میں (جسے ڈاکٹر اسلم فرخی نے 'پہلی منزل والی چھوٹی سی کوٹھی' کا نام دیا ہے۔[۲]) ایک خوش شکل اور صحت مند

۱۔　وہ آج کل امریکہ کی ہمپٹن یونی ورسٹی میں علمِ سیاسیات کے پروفیسر ہیں۔ بی بی سی ریڈیو کے اردو پروگراموں میں 'ماہرِ امورِ شرقِ اوسط' کی حیثیت سے وقتاً فوقتاً حالاتِ حاضرہ پر تبصرے اور تجزیے نشر کرتے ہیں۔

۲۔　قومی زبان کراچی، فروری ۲۰۰۶ء، ص ۵۵۔

جوانِ رعنا کسی سے مصروفِ گفتگو تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ میری طرف متوجہ ہوئے۔ میں نے اپنا تعارف کرایا اور مدّعا بیان کیا۔ کہنے لگے: 'تمغا اسی سال سے جاری کیا جا رہا ہے، مگر اس کے روبہ عمل آنے میں کچھ وقت لگے گا۔'

اس پہلی ملاقات میں مَیں نے مشفقِ خواجہ کی شخصیت کا فقط یہی تاثر لیا کہ وہ ایک مہذب، سنجیدہ و متین اور نستعلیق قسم کے نوجوان ہیں۔ وہ شگفتگی جو بعدازاں دوستوں سے ملاقات کے وقت، بالعموم اُن کے چہرے پر کھیلتی رہتی تھی، اس پہلی ملاقات میں کہیں نظر نہیں آئی۔

واپس سرگودھا پہنچ کر غالباً جولائی میں مَیں نے انھیں یاددہانی کا خط لکھا، جس کے جواب میں بحیثیت مددگار معتمدِ انجمن، ان کا پہلا خط موصول ہوا۔ اس کی حیثیت دفتری نوعیت کے مراسلے کی تھی۔ اسی ضمن میں چند ماہ بعد دوسرا دفتری مراسلہ بھی ملا۔

تعلقات کا آغاز تقریباً ۱۲ برس بعد اس وقت ہوا جب میں ان کی مختلف تحریروں کے حوالے سے اُن کے نام اور کسی حد تک ان کے تحقیقی کام سے بھی واقف ہو چکا تھا۔ ۱۹۷۹ء کے اوائل میں، مَیں نے اپنی کتاب کتابیاتِ اقبال ہدیتاً بھجوائی۔ اس سے پہلے خطوطِ اقبال (۱۹۷۶ء) ان کی نظر سے گزر چکی تھی۔ سلسلۂ مکاتبت چل نکلا۔ مختصر خطوں کا تبادلہ ہوتا رہا۔ ۱۹۷۹ء میں مجھے ان کے ۵ خطوط موصول ہوئے۔ اس سال میں نے بھی انھیں کم از کم اتنے ہی خط لکھے ہوں گے۔ آیندہ برس یعنی ۱۹۸۰ء کا صرف ایک خط محفوظ ہے۔ ممکن ہے بعض خطوط مجھ سے ضائع ہو گئے ہوں۔ ۱۹۸۱ء کے تین اور ۱۹۸۲ء کا صرف ایک خط موجود ہے۔ یہ سب مختصر خطوط ہیں۔

خواجہ صاحب سے پہلی ملاقات ۱۹۸۳ء میں ڈاکٹر وحید قریشی صاحب (صدر شعبۂ اُردو، اورینٹل کالج) کے دفتر میں ہوئی۔[۳] (۱۹۶۷ء میں کراچی کی ملاقات کو، میں 'پہلی ملاقات' اس لیے نہیں کہتا کہ وہ 'مشفق خواجہ' سے نہیں، بلکہ انجمن کے 'مددگار معتمد' سے ہوئی تھی۔) وہ میرا پی ایچ ڈی کا مقالہ مطبوعہ صورت میں دیکھ چکے تھے، اس لیے زیادہ تر اسی حوالے سے گفتگو ہوتی رہی۔ ایک جگہ مَیں نے علامہ اقبال کے ابتدائی شعری مجموعوں (پیام مشرق، اسرار و رموز یکجا۔ بانگِ درا) کے سنینِ اشاعت کا تعین کرنے کی کوشش کی ہے، اس ضمن میں کریمی پریس کے مالک میر امیر بخش اور میر قدرت اللہ کا ذکر آتا ہے۔ خواجہ صاحب نے ان کے بارے میں بعض نئی معلومات فراہم کیں۔ بتایا کہ میر امیر بخش ان کے نانا تھے اور میر قدرت اللہ ان کے ماموں، جو میر امیر بخش کی وفات (۱۹۲۳ء) کے بعد کریمی پریس کے مہتمم ہوئے۔

۳۔ نومبر ۱۹۸۰ء میں راقم کا تبادلہ سرگودھا سے گورنمنٹ کالج لاہور ہو گیا، اور ستمبر ۱۹۸۲ء میں بطور استاذ شعبۂ اردو، اورینٹل کالج لاہور سے وابستہ ہو گیا۔

خواجہ صاحب، اس کے بعد، جب بھی لاہور آتے، (سال بھر میں بالعموم دو تین بار تو آتے ہی تھے،) لازماً ملاقات ہوتی تھی۔ کبھی مجلس ترقی ادب کی مجلسِ حاکمہ کے اجلاس اور کبھی اقبال اوارڈ کمیٹی میں شرکت کے لیے اور کبھی کسی عزیز یا عزیزہ کی شادی میں شمولیت کے لیے۔ بعض اوقات اسلام آباد سے واپسی پر وہ چند یوم کے لیے محض دوستوں سے ملاقات کے لیے لاہور رک جاتے۔ وہ پہلے سے اپنا پروگرام لکھ دیتے اور چاہتے کہ ہم جیسے ان کے نیازمند زیادہ سے زیادہ وقت ان کے ساتھ گزاریں۔ یوں محسوس ہوتا جیسے ان کی اصل غایتِ سفر دوستوں، عزیزوں اور بزرگوں سے ملاقات ہے چنانچہ 'سرکاری' کام نمٹا کر، وہ باقاعدہ ایک طے شدہ پروگرام کے تحت ملاقاتیں کرتے۔

لاہور میں ان کے سب سے پرانے اور قریبی دوست تو ڈاکٹر وحید قریشی صاحب تھے۔ ڈاکٹر صاحب جب جب لاہور میں رہے، خواجہ صاحب، ملاقات کے متمنی اپنے 'عقیدت مندوں' کو ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کے دفتر ہی میں ملاقات کا وقت دیتے۔ کبھی اورینٹل کالج، کبھی بزمِ اقبال، کبھی مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی (سمن آباد) اور کبھی اقبال اکادمی۔ اس کے لیے وہ اپنے دورۂ لاہور میں بالعموم ایک یا دو روز مقرر کرلیتے۔ یہ ایک طرح کی 'کھلی کچہری' ہوتی، جس میں خواجہ صاحب سے ہر ادیب، شاعر بلا روک ٹوک مل سکتا تھا۔ اس طرح قیامِ لاہور کے دوران عام ملاقاتیوں سے ملنے کے بعد، باقی وقت وہ اپنے قریبی دوستوں اور عزیزوں کے ساتھ گزارنا پسند کرتے۔ عموماً ان کا قیام کسی نہ کسی ہوٹل میں ہوتا تھا تاہم کبھی کبھی اپنے عزیزوں کے ہاں اور کبھی کسی قریبی دوست (مثلاً ڈاکٹر وحید قریشی یا اورنگ زیب عالمگیر) کے ہاں بھی مقیم ہوتے تھے۔

جس زمانے میں ڈاکٹر وحید قریشی صاحب لاہور میں موجود نہ ہوتے، جائے ملاقات اورینٹل کالج میں راقم اور تحسین فراقی کا کمرہ ہوتی تھی۔ (یہاں اب شعبۂ اُردو کا دفتر واقع ہے۔) میں نے خواجہ صاحب کے لیے ایک راکھ دان (ash tray) فراہم کرلیا تھا جو ان دنوں میں ان کے زیرِ استعمال رہتا تھا۔ وہ بلا کے سگریٹ نوش (chain smoker) تھے، اس لیے جہاں بیٹھتے، وہاں راکھ دان کا موجود ہونا ضروری ہوتا۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کی صدارتِ شعبہ کے زمانے میں کبھی کبھی ان کے کمرے میں محفل جماتے۔

یہ خواجہ صاحب کی عنایت تھی کہ انھوں نے اپنی لاہور کی 'تثلیثِ محبت' میں ڈاکٹر وحید قریشی اور تحسین فراقی کے ساتھ راقم کو بھی شامل کرلیا تھا۔ (دیکھیے: خط نمبر ۹۰) بعد ازاں اس 'تثلیث' میں انھوں نے اورنگ زیب عالمگیر اور پھر جعفر بلوچ کو بھی شریک کرلیا اور یوں یہ 'تثلیث'، 'مخمس' میں

تبدیل ہوگئی۔

لاہور کے بعض بزرگوں سے ملاقاتوں میں وہ ہمیں بھی ساتھ لے جاتے۔ شیخ منظور الٰہی صاحب کے ہاں انھی کی وساطت سے کئی بار حاضری کا موقع ملا۔ پروفیسر محمد اسلم مرحوم (سابق صدرِ شعبہ تاریخ، پنجاب یونی ورسٹی)، محمد سعید (مدیر: علامت) اور معروف سکالر محمد عالم مختار حق صاحب سے بھی خواجہ صاحب ہی کے ذریعے تعلقات قائم ہوئے۔ ایک روز انھوں نے انیس ناگی صاحب کو ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کے گھر ملاقات کا وقت دیا۔ ہمیں بھی وہیں بلالیا۔ اس موقع پر راقم کے ساتھ تحسین فراقی اور عالمگیر صاحب نے بھی خواجہ صاحب کی خوش گفتاری کا لطف اٹھایا۔ ایک بار جلیل قدوائی مرحوم سے ملوانے کے لیے خواجہ صاحب نے ہمیں ایجوکیشن ٹاؤن بلوایا، جہاں قدوائی مرحوم اپنی بیٹی اور داماد کے ہاں چند دنوں کے لیے ٹھہرے ہوئے تھے۔ خواجہ صاحب، اپنے بقول 'بڈھوں' سے ملاقاتوں کو ترجیح دیتے اور ہمیں تاکید کرتے کہ کبھی کبھی بزرگوں سے ملا کریں۔ ایک بار وہ ہمیں نعیم صدیقی مرحوم کے ہاں لے گئے۔ ایک روز بشیر موجد کے ہاں مرزا ادیب سے ملاقات کا اہتمام کیا۔ وہ خود تقریباً ہر دَورے میں محمد سلیم الرحمٰن، انتظار حسین، احمد ندیم قاسمی اور مظفر علی سیّد سے ملاقات کی کوشش کرتے۔ ایسے میں بعض اوقات وہ رفاقت علی شاہد کو ساتھ لے جاتے۔ ۱۹۹۷ء کے موسمِ گرما میں خواجہ صاحب کو مرزا ادیب کی علالت کی خبر ملی تو تحسین فراقی صاحب کو لکھا: 'کبھی کبھار ان سے ملنے چلے جایا کیجیے۔ اب ایسے لوگ دنیا میں نہیں آئیں گے'۔ (۸؍۷؍۱۹۹۷ء، مکالمہ ۱۵، ص ۳۹۲)

خواجہ صاحب کے قیامِ لاہور کے دنوں میں ان کے احباب میں سے کوئی نہ کوئی ان کے اعزاز میں دعوتِ طعام کا اہتمام ضرور کرتا تھا۔ مختلف اوقات میں ڈاکٹر وحید قریشی صاحب، خورشید رضوی صاحب، شیخ منظور الٰہی صاحب، اورنگ زیب عالمگیر صاحب، تحسین فراقی صاحب اور صدیق جاوید صاحب کے ہاں ملاقات و طعام کی نشستوں میں راقم کو بھی شریک ہونے کا موقع مِلا۔ صاحبِ خانہ بالعموم خواجہ صاحب کے مشورے ہی سے مدعوّین کا انتخاب کرتا تھا۔ عالمگیر صاحب کے ہاں ایک دعوت میں اعجاز بٹالوی مرحوم اور انتظار حسین صاحب بھی شریک تھے۔ فراقی صاحب کے ہاں ایک بار ڈاکٹر وحید قریشی صاحب اور سہیل عمر صاحب بھی موجود تھے۔ ایسی محفلوں کا ماحول شگفتہ اور بے تکلفانہ ہوتا اور گفتگو بہت دلچسپ، تاہم مہمانوں کے مرتبے اور حیثیت کے مطابق 'بے تکلفی' کی نوعیت بھی مختلف ہوتی تھی۔

میرے لیے تو یہ نشستیں بے حد معلومات افزا ہوتی تھیں۔ خواجہ صاحب کی دل چسپ گفتگو

ہمیشہ علم، معلومات اوران کے مخصوص خوش گوار طنز و مزاح کا امتزاج ہوتی تھی۔ وہ شیخ منظور الٰہی صاحب کا بہت احترام کرتے اوران کی موجودگی میں اپنی بے تکلفانہ گفتگو میں قدرے محتاط رہتے تھے، لیکن 'بزرگوں' کی غیر موجودگی میں 'وہ کہیں اور سنا کرے کوئی' کا سماں باندھ دیتے۔ اگر محفل میں کہیں اکرام چغتائی بھی موجود ہوتے تو خواجہ صاحب کی رگِ ظرافت کچھ زیادہ ہی پھڑک اُٹھتی۔ ایک بار خواجہ صاحب کی لاہور آمد کے موقع پر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار صاحب نے اورینٹل کالج میں ان کے اعزاز میں دعوتِ طعام کا اہتمام کیا۔ کالج کے بیشتر اساتذہ مدعو تھے، مگر ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کو نہیں بلایا گیا تھا، وجہ یہ تھی کہ ان دنوں ڈاکٹر وحید قریشی اور ڈاکٹر ذوالفقار کے باہمی تعلقات کشیدگی کی حدود سے تجاوز کر کے سلسلۂ کلام کے انقطاع تک پہنچ چکے تھے۔

ڈاکٹر وحید قریشی صاحب ان دنوں صدر شعبۂ اردو اور اورینٹل کالج کے پرنسپل بھی تھے، مگر اس سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ وہ خواجہ صاحب کے عزیز ترین دوست تھے، انھیں نظرانداز کر کے، خواجہ صاحب کے لیے دعوتِ طعام میں جانا بے حد مشکل تھا، چنانچہ انھوں نے مذاکرات کے ذریعے دونوں حضرات کو تعلقات کی بحالی پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ قریشی صاحب تو رضامند ہو گئے، مگر ڈاکٹر غلام حسین صاحب کچھ متأمل تھے۔ جو لوگ ڈاکٹر غلام حسین صاحب کو جانتے ہیں، انھیں بخوبی اندازہ ہے کہ ان کے مزاج میں لچک کم ہی دیکھنے میں آتی تھی۔ خواجہ صاحب ان سے گفت و شنید کرتے رہے اور بالآخر انھیں رام کر لیا۔ غالباً یہ کہا تھا کہ جب تک آپ ڈاکٹر وحید قریشی سے صلح نہیں کریں گے، میرے لیے دعوت قبول کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ ڈاکٹر غلام حسین صاحب ایک تو خواجہ صاحب کا بہت لحاظ کرتے تھے، دوسرے اب انھیں دعوت کی ناکامی کا خدشہ ہوا، چنانچہ وہ رضامند ہو گئے۔ انھوں نے خواجہ صاحب کے حسب خواہش ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کو بھی دعوتِ طعام میں مدعو کر لیا۔ دوپہر کے وقت اس دعوت کا اہتمام کالج کے ایوانِ اساتذہ میں کیا گیا تھا۔ تمام اساتذہ جمع ہوئے تو خواجہ صاحب نے 'صلح' کی علامت کے طور پر دونوں اصحاب کے درمیان معانقہ و مصافحہ کرایا۔ دعوت نہایت خوش گوار ماحول انجام پذیر ہوئی۔ غالباً یہ ۱۹۸۳ء کے ابتدائی مہینوں کی بات ہے۔

ایک بار ہم نے خواجہ صاحب کی معیت میں قبرستان میانی صاحب کی سیر کی۔ راقم، تحسین فراقی، عالمگیر اور جعفر بلوچ ان کے ہم رکاب تھے۔ ہمارے راہ نما پروفیسر محمد اسلم قبرستان کے چپے چپے سے واقف تھے۔ میانی صاحب کے مختلف حصوں میں وہ آگے آگے چلتے ہوئے مختلف مشاہیر کی قبروں کی نشان دہی کرتے اور ساتھ ہی بعض قبروں کے منفرد (unique) اور تاریخی کتبوں کی

اہمیت پر رواں تبصرہ بھی کرتے جاتے۔ایک بار خواجہ صاحب اور بعض دوستوں نے پروفیسر محمد اسلم کی راہ نمائی میں لاہور کی تاریخی عمارات اور مقبروں کی سیر کی۔(بدقسمتی سے میں کسی وجہ سے، ان کے ساتھ نہ جاسکا) لیکن ایک اور موقع پر خواجہ صاحب کے بغیر، بلکہ انھی کی تجویز پر، ہم (راقم، تحسین فراقی، عالمگیر، جعفر بلوچ) نے پروفیسر محمد اسلم مرحوم کی راہ نمائی میں لاہور کے متعدد مقبروں (حضرتِ ایشاں، شرف النساء بیگم، دائی انگہ وغیرہ) کی سیر کی اور واپسی پر سنت نگر کی ایک مسجد میں پروفیسر مرحوم کا خطبۂ جمعہ بھی سنا۔

۱۹۹۳ء میں خواجہ صاحب نے بہاول پور آنے کا پروگرام بنایا۔ وہاں کی سٹیٹ لائبریری میں وہ بعض قدیم اخبارات دیکھنا چاہتے تھے۔اورنگ زیب صاحب اس زمانے میں بہاول پور ہی میں مقیم تھے۔حسبِ پروگرام راقم اور تحسین فراقی بہاول پور پہنچ گئے۔ہم ریل گاڑی سے گئے تھے۔خواجہ صاحب کی محبت تھی کہ بہاول پور ریلوے سٹیشن پر وہ اورنگ زیب صاحب کے ساتھ ہمارے 'استقبال' کے لیے موجود تھے۔ دو شب و روز اُن کی صحبت و ملاقات اور باتوں میں گزرے۔ایک دن بہاول پور کے نواح میں واقع لال سوہانرا پارک کی سیر کے لیے وقف رہا۔ پروفیسر احمد سعید مرحوم بھی ہمارے ساتھ تھے۔(دیکھیے: خط ۶۱، حاشیہ ۱) اسی طرح اپریل ۲۰۰۰ء میں وہ مسعود جھنڈیر لائبریری دیکھنے کے لیے جھنڈیر آنے والے تھے تو نہایت اصرار سے ہمیں بھی وہیں بلایا۔ راقم پر ان دنوں صدرِ شعبہ کی ذمہ داری تھی اس لیے نہ جاسکا، تاہم تحسین فراقی، جعفر بلوچ اور عالمگیر صاحبان وہاں پہنچ گئے۔ میری غیر حاضری پر خواجہ صاحب بہت متاسّف ہوئے اور مجھے بھی اپنی محرومی کا شدید احساس ہوتا رہا...... ایسے مزید واقعات کی تفصیل زیرِ نظر خطوں اور ان پر حواشی میں موجود ہے۔

مجھے دوبار، ان کے ناظم آباد والے مکان پر ان کا 'مہمان' بن کر ٹھہرنے کا موقع ملا۔اس کا ذکر بھی آیندہ صفحات میں، بعض خطوط اور حواشی میں ملے گا۔یہاں صرف آخری ملاقات کا ذکر کروں گا۔

راقم ۷/اگست ۲۰۰۴ء کو شب دس بجے اسلام آباد پہنچا۔خواجہ صاحب اکادمی ادبیات پاکستان کے مہمان خانے میں مقیم تھے، مجھے بھی مناسب داموں وہیں شب بسری کی اجازت مل گئی۔خواجہ صاحب کسی کے ہاں دعوتِ طعام پر مدعو تھے، تاخیر سے لوٹے، اس لیے رات کو فقط ایک گھنٹہ ہی ملاقات رہی، لیکن اگلے روز قبل از دوپہر تین گھنٹے ان کی صحبت میں گزرے۔علی الصبح اورنگ زیب عالمگیر صاحب بھی پہنچ گئے۔(تعطیلات کی وجہ سے، ان دِنوں وہ کہوٹہ میں کسی عزیز کے ہاں مقیم تھے۔) تقریباً دو گھنٹے بعد، ڈاکٹر گوہر نوشاہی صاحب بھی ملنے آگئے تھے۔خواجہ صاحب سے یہ

میری آخری بالمشافہہ ملاقات تھی۔ وہ میرے عزیز دوست جلیل عالی کے ہاں دو پہر کے کھانے پر مدعو تھے۔ ڈاکٹر طیب منیر انھیں لینے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر انور محمود خالد اور ڈاکٹر ریاض احمد ریاض بھی اُن کے ہم رکاب تھے۔ مجھے بھی دعوت ملی، مگر میں شام تک ایبٹ آباد پہنچنا چاہتا تھا، اس لیے معذرت کر لی[۴]۔ اکادمی ادبیات کے مہمان خانے کے دروازے پر خواجہ صاحب سے الوداعی معانقہ کر کے انھیں رخصت کیا۔ راقم ایبٹ آباد اور عالمگیر صاحب کھوڑہ روانہ ہو گئے۔ نہیں معلوم تھا کہ اس فانی زندگی میں اب دوبارہ ملاقات نہ ہو سکے گی، ورنہ سفر ایبٹ آباد موخر کر دیتا، مگر تا بکے...... بچھڑنا تو تھا ہی، قیامت تو آنی ہی تھی۔ ۲۱ر فروری ۲۰۰۵ء کو یہ قیامت آئی اور گزر گئی۔

اب روزِ قیامت کا انتظار ہے، جب اُن سے دوبارہ ملاقات ہوگی۔

۲

انسان اپنی خلقت اور سرشت میں گوناگوں آرزوؤں، خواہشوں اور تمناؤں کا مرقع ہے۔ اور اس کی پوری زندگی انھی تمناؤں اور آرزوؤں کی تکمیل و تزئین میں گزر جاتی ہے۔ خاک کا یہ پتلا بالعموم خواہشاتِ نفس کا اسیر رہتا ہے اور حیاتِ مستعار کی پوری نقدی کھیل تماشوں میں صرف کر دیتا ہے۔ زر و مال کی محبت و طلب، نفسی خواہشیں، نام و نمود اور شہرت کی تمنا، جاہ و منصب کی حرص و آز اور مجموعی طور پر ایک 'خوش حال' اور مال و متاع سے بھرپور، ایک بہتر و برتر 'معیارِ زندگی' کے لیے جدوجہد بیشتر انسانوں کو ایک کربِ مسلسل میں مبتلا رکھتی ہے۔ یہی وہ اسلوبِ حیات (life style) ہے، جسے قرآنِ حکیم میں 'خسران' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (اِنَّ الاِنسَانَ لَفِیْ خُسر)

خوش بخت ہیں وہ معدودے چند لوگ جو خواہشاتِ نفس کے اس طغیان سے بچ بچا کر صحیح سلامت ساحل تک پہنچ جاتے ہیں۔ جناب مشفق خواجہ، جنھیں مرحوم کہتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے، ایسے ہی معدودے چند لوگوں میں شامل تھے۔ ان کی شخصیت کے بعض نادر پہلوؤں نے انھیں ایک غیر معمولی انسان بنا دیا تھا۔ وہ ایک مہذب، شائستہ، منکسر المزاج اور مستغنی قسم کے شخص تھے۔

ادب کی دنیا میں اعتراف (recognition) آج کے ادیب اور شاعر کا سب سے بڑا مسئلہ ہے اور ہم سب اِلّا ماشاء اللہ، اسی انسانی کمزوری کا شکار ہیں۔ مشفق خواجہ تہذیبِ نفس کے اُس درجے پر پہنچ گئے تھے، جہاں انسان ہر طرح کے نام و نمود، جاہ و منصب اور مال و متاع کی خواہشات سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ وہ زندگی بھر کانفرنسوں، سیمی ناروں اور جلسوں میں شرکت

۴۔ اگلے روز باڑا گلی میں قرطبہ یونی ورسٹی پشاور کے زیرِ اہتمام 'اردو ادب اور اسلام' کے موضوع پر دو روزہ سیمی نار شروع ہونے والا تھا، مجھے اس میں کلیدی مضمون پڑھنا تھا اور مضمون ابھی نامکمل تھا۔

سے گریزاں رہے۔ علمی و ادبی مجالس کی صدارت تو کجا، وہ بطور سامع بھی جلسوں میں نہیں جاتے تھے۔ بھارت کے دورے کے موقع پر ڈاکٹر خلیق انجم نے ان کی شخصیت اور ادبی خدمات کے اعتراف میں کتاب نما کا خصوصی نمبر مرتب اور شائع کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ اس کی رونمائی خواجہ صاحب کی موجودگی میں ہو، مگر خواجہ صاحب نے نہ صرف جلسے کی صدارت اور اس میں حاضری سے انکار کر دیا بلکہ اس ساری کارروائی سے لاتعلق ہو کر اس روز دہلی میں کہیں رُوپوش ہو گئے یا دہلی سے کہیں باہر چلے گئے[۵]۔

نومبر ۱۹۹۶ء میں لاہور میں احمد ندیم قاسمی صاحب کی ۸۰ ویں سالگرہ کی تقریب منعقد ہو رہی تھی۔ اتفاق سے خواجہ صاحب بھی لاہور میں تھے۔ منتظمین نے ان سے گزارش کی کہ اس تقریب میں وہ بھی تقریر کریں۔ انھوں نے کہا: مَیں نے آج تک کسی کی تقریر سنی بھی نہیں، خود کیا کروں گا۔ منتظمین نے اصرار کیا۔ اصرار و انکار اور خاصی ردّ و قدح کے بعد آخر کار یہ طے ہوا کہ خواجہ صاحب سٹیج پر تو بیٹھ جائیں گے، مگر تقریر نہیں کریں گے، چنانچہ انھیں اسٹیج پر احمد ندیم قاسمی، اشفاق احمد اور احمد فراز کے ساتھ بٹھا دیا گیا۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں: سٹیج پر بیٹھنے کا یہ زندگی میں پہلا موقع تھا اور شاید آخری بھی، اس لیے بھی کہ نگاہوں کا مرکز بننے سے مجھے ہول آتا ہے۔

ہماری بعض جامعات میں، زندہ شخصیاتِ ادب پر سندی مقالے لکھوانے کی روایت موجود ہے۔ خواجہ صاحب بہر اعتبار استحقاق رکھتے تھے کہ ان کے علمی و ادبی کارنامے کو موضوعِ مقالہ بنایا جائے، مگر وہ اسے پسند نہیں کرتے تھے کہ ان پر کچھ لکھا جائے۔ باوجودیکہ کہ علمی و تحقیقی کام کرنے والوں کے وہ قدر دان تھے اور کام کرنے والوں کی، ممکن حد تک اور خوش دلی کے ساتھ، مدد کرتے تھے، اپنے معاملے میں وہ کسی طرح کا تعاون کرنے سے صاف انکار کر دیتے۔ پروفیسر تحسین فراقی صاحب نے اپنے زمانۂ صدارت میں اپنے ایک شاگرد کے لیے ایم اے کے تحقیقی مقالے کا موضوع تجویز کیا: 'مشفق خواجہ بطور مدوّن'۔ عالمگیر صاحب نگران مقرر ہوئے۔ خواجہ صاحب تک خبر پہنچی تو انھوں نے اسے ناپسند کیا اور دونوں عزیزوں سے خفا ہوئے۔ فراقی صاحب نے تو یہ موضوع بر بنائے استحقاق (merit) تجویز کیا تھا، مگر خواجہ صاحب کا خیال تھا کہ لوگ اسے 'حقِ دوستی' پر محمول کریں گے۔ (یہ معلوم ہے کہ خواجہ صاحب، فراقی صاحب کو بہت عزیز رکھتے تھے اور نگران اورنگ زیب عالمگیر صاحب سے بھی خواجہ صاحب کو خاص تعلقِ خاطر تھا، بایں ہمہ دونوں

۵۔ مذکورہ خاص نمبر کے حوالے سے تحسین فراقی صاحب کو لکھتے ہیں: 'شاید آپ کو یقین نہ آئے، اپنے بارے میں پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ ڈاکٹر خلیق انجم نے میرے بارے میں جو کتاب دہلی سے شائع کی تھی۔ مجھے چھے سال ہو گئے، آج تک اسے کھول کر نہیں دیکھا۔' (مکالمہ ۱۵، ص ۳۵۱)

حضرات نے خواجہ صاحب کی ناپسندیدگی کو نظر انداز کر دیا اور مقالہ نگار نے اپنا کام جاری رکھا۔)

دریں اثنا ڈاکٹر عالمگیر نے خواجہ صاحب کے برادرِ بزرگ عبدالقیوم صاحب (پ:۲۲/جون ۱۹۳۴ء) اور لاہور میں مقیم بعض دیگر عزیزوں سے رابطہ قائم کیا، تاکہ مقالے کے بابِ اوّل کے لیے، خواجہ صاحب کے سوانحی حالات معلوم کیے جائیں۔ خواجہ عبدالقیوم صاحب اپنے چھوٹے بھائی مشفق کے مزاج سے واقف تھے، اس لیے انھوں نے معلومات فراہم کرنے سے پہلے ازراہِ احتیاط، خواجہ صاحب سے بات کی تو انھوں نے منع کر دیا۔ چنانچہ عالمگیر صاحب اور مقالہ نگار کو، خواجہ صاحب کے سوانحی اور شخصی حالات کے ضمن میں کوئی نئی بات یا مزید معلومات نہ مل سکیں۔ مقالہ بہرحال مکمل ہو گیا اور طالب علم کو ڈگری بھی مل گئی۔ کچھ عرصے کے بعد، شعبۂ اُردو کے مجلّے بازیافت (مدیر: تحسین فراقی) میں کلیاتِ یگانہ پر مذکورہ طالب علم کا تبصرہ شائع ہوا تو خواجہ صاحب نے پھر تحسین صاحب سے خفگی کا اظہار کیا۔

فی الحقیقت وہ خلوصِ دل سے سمجھتے تھے کہ کسی عالم اور شاعر وادیب کے لیے شہرت اور نام و نمود کی خواہش مہلک ہے۔ ایک بار راقم الحروف کو خط میں لکھا: 'ہوس؛ دولت وشہرت کی ہو، نفسِ امارہ کی یا کتابوں کی، اس کی کوئی انتہا نہیں۔ الحمدللہ میں ہر معاملے میں قناعت پسند ہوں'۔ ان کی قناعت پسندی اور استغنا کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ ان کا کالم "خامہ بگوش کے قلم سے" بے حد مقبول تھا، مگر یہ کالم وہ صرف اپنے دوست محمد صلاح الدین شہید کے پاسِ خاطر سے لکھتے تھے۔ انھیں دوسرے اخبارات ورسائل نے متعدد بار اونچے معاوضوں کی پیش کش کی، مگر وہ ان چیزوں سے بے نیاز ہی رہے۔ استغنا کا یہ عالم تھا کہ ابتدائی سات برسوں میں انھوں نے کالم نگاری کا کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ محمد صلاح الدین شہید ہو گئے تو کالم لکھنا بند کر دیا۔ اصرار ہوا تو کہا: میں تو صرف ایک شخص کے لیے لکھتا تھا، وہ چلا گیا تو......اب وہ رعنائیِ خیال کہاں!

نام ونمود سے بے نیازی کی ایک اُور مثال دیکھیے: کلیاتِ یگانہ کی ترتیب وتدوین میں انھوں نے برسوں صرف کر دیے اور اسے ایک طرح سے ان کا 'لائف ورک' کہا جا سکتا ہے، مگر بطور مرتب اپنا نام اس کے سرورق پر دینا پسند نہیں کیا اور کتابیاتی کوائف (print line) کے غیر اہم صفحے پر، سب سے نیچے 'مرتب: مشفق خواجہ' لکھنے پر اکتفا کیا۔ نفیِ ذات کی ایسی مثالیں، تاریخ ادب میں شاذ ہی ملیں گی۔ دراصل یہ چیز (بے نفسی یا نفیِ ذات یا انکسار یا استغنا) شروع ہی سے ان کے اندر موجود تھی۔ انجمن سے وابستگی کے زمانے میں، انھی کے اہتمام یا تدوین ونظرِ ثانی کے بعد کتابیں چھپتی تھیں اور بیسیوں چھپی ہوں گی، لیکن اگر کوئی مصنف یا مولف ان کا شکریہ

ادا کرتا تو وہ اپنا نام کاٹ دیا کرتے تھے[۶]۔ راقم کو ذاتی تجربہ یہ ہوا کہ ڈاکٹر وحید قریشی کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں مجلس ادبیاتِ مشرق کے زیرِ اہتمام ہم نے ایک یادگاری کتاب ارمغان علمی مرتب کی[۷] تو اس کے دیباچے (حرفے چند) میں احمد ندیم قاسمی صاحب نے تحقیقاتِ علمی و ادبی کے مسلّمہ اکابر (حافظ محمود شیرانی، مولوی محمد شفیع، ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، امتیاز علی عرشی اور ڈاکٹر سید عبداللہ) کے ساتھ مشفق خواجہ کا ذکر بھی کیا تھا۔ خواجہ صاحب نے مجھے اور فراقی صاحب کو بار بار خط لکھ کر اپنا نام نکلوا دیا۔ ڈاکٹر طاہر مسعود کی روایت ہے: 'وہ مجھ سے کہا کرتے تھے، آدمی اپنے کام سے پہچانا جاتا ہے، لہٰذا اصل اہمیّت کام کی ہے، نام میں کیا رکھا ہے۔ شیطان سے زیادہ مشہور کون ہوگا۔ آپ کتنی ہی کوشش کر لیجیے، شیطان سے زیادہ مشہور تو نہیں ہو سکتے۔' (قومی زبان، مارچ ۲۰۰۵ء، ص ۲۴)

مشفق خواجہ کی شخصیت کا ایک نہایت لائقِ تحسین پہلو یہ تھا کہ وہ اپنے نیازمندوں، اساتذہ اور باصلاحیت طلبہ کو تحریری و تصنیفی سرگرمیوں کے لیے آمادہ و تیار کرتے۔ تحقیقی و تنقیدی کام کے لیے موضوعات بھی تجویز کرتے اور جو جس لائق ہوتا، اسے ویسا ہی کام تجویز کر کے سونپ دیتے۔ کسی کتاب یا مخطوطے کی تدوین کا فیصلہ ہوتا تو خود فوٹو کاپی بنوا دیتے۔ متعلقہ موضوع پر جس قدر لوازمہ اور مواد ان کی دسترس میں ہوتا، بلا تامّل مہیا کرتے اور جو چیز ان کے پاس نہ ہوتی، اس کی نشان دہی کر کے مآخذ و مصادر بھی بتا دیتے۔ بعد ازاں بذریعہ خط یا ٹیلی فون برابر یاد دہانی بھی کراتے رہتے۔ راقم اپنی فہم و دانست کے مطابق کسی نہ کسی علمی کام میں مصروف رہتا ہے، مگر جب بھی خواجہ صاحب سے ملاقات ہوتی، وہ میرے لیے تدوین کا کوئی نہ کوئی کام تجویز کرتے۔ ایک بار مَیں نے آمادگی ظاہر کی تو انھوں نے جسونت سنگھ پروانہ[۸] کا کلیات فوٹو کرا کے بھیج دیا کہ اسے مدوّن کرو۔ مَیں نے معذرت کی کہ یہ کام میرے بس کا نہیں ہے، کیونکہ مجھے عروض میں مہارت حاصل نہیں اور اس کے بغیر شاعری کی تدوین ناقص ہوگی۔ انھوں نے اس سے اتفاق کیا۔ اب انھوں نے عبدالرزاق کان پوری کی یادِ ایّام کا عکس بھیج دیا اور ساتھ ہی تدوین اور املا تک کے لیے ہدایات بھی لکھ بھیجیں۔ اسی طرح خواجہ صاحب نے تحسین فراقی صاحب کے لیے کئی علمی کام تجویز کیے۔ ان میں سے کچھ تو پایۂ تکمیل کو پہنچے، جیسے عجائباتِ فرنگ کی تدوین یا ایک طویل تنقیدی

۶۔ روایت شاہ نواز فاروقی: اکابر صحافت ۲۔ شعبۂ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی ۲۰۰۵ء، ص ۲۱۲

۷۔ مرتبین: رفیع الدین ہاشمی، عارف نوشاہی، تحسین فراقی۔ القمر انٹر پرائزز، لاہور، ۱۹۹۵ء

۸۔ پروانہ (م: ۱۸۱۳ء) شجاع الدولہ کے مدارالمہام راجا بنی بہادر کا بیٹا تھا۔ فارسی میں بھی شعر کہتا تھا۔ خواجہ صاحب نے جائزہ مخطوطات اردو میں 'کلیاتِ پروانہ' کے تین مخطوطات کا ذکر کیا ہے۔

مقالہ: 'اُردو تنقید کے دس سال'......اور کچھ ناتمام رہ گئے، جیسے مسیر طالبی کا ترجمہ یا عبرت الغافلین کی تدوین اور ترجمہ۔[فراقی صاحب کہتے ہیں کہ اب (۲۰۰۵ء) یہ قریب الاختتام ہے](مکالمہ ۱۵، ص ۴۰۷)

ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب سے انھوں نے گلشنِ ہمیشہ بہار مرتب کرایا۔ جناب پرتو روہیلہ کو غالب کے فارسی مکتوبات کے ترجمے پر لگایا۔(قومی زبان، اکتوبر ۲۰۰۶ء، ص ۷) ڈاکٹر اورنگ زیب عالمگیر کو وہ خواجہ محمد شفیع دہلوی کی آپ بیتی ریکارڈ کرنے پر اکساتے رہے۔ اس کا طریق کار سمجھاتے ہوئے، انھیں ایک خط میں لکھا:

> 'یہ کام بہت اہم ہے، اسے آپ دوسرے تمام کاموں پر ترجیح دیجیے۔ یہ ایک فرد کی آپ بیتی نہیں ہوگی، بلکہ ایک عہد کی داستان ہوگی۔ سوال نامے کی ضرورت نہیں۔ کسی نشست میں ان کے خاندانی حالات ٹیپ کر لیجیے۔ کسی میں دہلی کی ثقافتی زندگی کی تفصیلات۔ خواجہ صاحب کا وسیع حلقہ احباب تھا۔ پہلے ان کے نام پوچھ لیجیے، پھر فرداً فرداً ان کی شخصیت کے بارے میں ان کے تاثرات۔ خواجہ صاحب نے ۴۷ء کا زمانہ نہایت پریشان کن حالات میں گزارا تھا۔ ہجرت کے حالات تفصیل سے پوچھیے۔ بمبئی میں فلمی دنیا کے حالات تو وہ خود ہی مزے لے لے کر بیان کریں گے۔ غرض کہ بات سے بات نکلتی چلی آئے گی۔'(غیر مطبوعہ خط ۶/ جون ۱۹۸۶ء)

ڈاکٹر طیب منیر ڈاکٹریٹ سے فارغ ہوئے تو انھیں مولوی عبدالحق کے خطوط مرتب کرنے پر آمادہ کیا۔ لکھا کہ آپ مولوی عبدالحق کو اپنا موضوع بنا لیجیے، مَیں آپ کو اس موضوع پر ہر طرح کا لوازمہ مہیا کروں گا۔ طیب منیر صاحب نے چراغ حسن حسرت پر تحقیق کی تھی۔ خواجہ صاحب نے انھیں لکھا کہ وہ حسرت کے رسالے شیرازہ کا اشاریہ تیار کر دیں، مزید برآں یہ کہ شیرازہ کا ایک انتخاب بھی شائع کیا جائے۔ اس کے ساتھ یہ پیش کش بھی کی کہ ان دونوں کی اشاعت کے لیے میں ہر ممکن مدد کروں گا۔[اب طیب منیر صاحب کو یاددہانی کون کرائے گا؟]

قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی کے صاحبزادے قاضی اختر جوناگڑھی کہتے ہیں کہ خواجہ صاحب نے مجھ سے اپنی زندگی کا پہلا ادبی مضمون لکھوا کر گویا میری آیندہ زندگی کی ایک مخصوص سمت اور مقصد کا تعین کر دیا تھا۔(مکالمہ ۱۵، ص ۲۳۱) ڈاکٹر اشفاق احمد ورک کو طفیل احمد جمالی کے کالموں کی جمع و تدوین اور ان پر کچھ لکھنے کا راستہ سجھایا، بلکہ مآخذ و مصادر بھی لکھ بھیجے (ایضاً، ص ۴۵۵)، غرض اس طرح سے انھوں نے بیسیوں لوگوں کو کام پر لگایا۔ یوں ان کی توجہ اور کاوشوں کے نتیجے میں بہت سے اہم علمی مضامین اور تحقیقی و تنقیدی مقالات تیار ہو کر تاریخ ادب میں مفید

اضافے کا سبب بنے۔

افراد کو کام پر لگانے کے ساتھ، انھوں نے بعض اداروں کے لیے بھی علمی منصوبے تجویز و تیار کیے، مثلاً:

۱۔ مقتدرہ قومی زبان نے ڈاکٹر جمیل جالبی کے دورِ صدر نشینی میں قومی انگریزی اردو لغت شائع کی تھی۔ اسی سلسلے کا دوسرا منصوبہ قومی اردو انگریزی لغت کا تھا (اور ہے)، جس میں خواجہ صاحب کی دل چسپی تھی اور غالباً وہ اس منصوبے کے مشیروں میں شامل تھے۔ مذکورہ لغت کے مدیر جناب مظفر علی سید مقرر ہوئے تھے۔ خواجہ صاحب نے انتخابِ الفاظ کا کام ڈاکٹر عالمگیر صاحب سے کرایا تھا (آخر میں کچھ شمولیت محمد احسن خاں صاحب نے بھی کی) مگر یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی، کیوں کہ اردو سے انگریزی ترجمے کا کام جن اصحاب کے سپرد کیا گیا، انھوں نے تھوڑا تھوڑا کام کرنے کے بعد، اس بھاری پتھر کو چوم کر رکھ دیا۔

۲۔ ایک منصوبہ 'اردو کے علمی و ادبی رسائل کا اشاریہ مضامین' کا انھیں سوجھا۔ مقتدرہ نے افتخار عارف صاحب کے دورِ صدر نشینی میں اِسے منظور کرلیا۔ طے ہوا کہ اولین مرحلے میں پاکستان کے کتب خانوں میں موجود رسائل کی فہرست بنائی جائے گی۔ یہ کام رفاقت علی شاہد کے سپرد ہوا۔ انھوں نے چھے ماہ کی محنت کے بعد کراچی کے ذاتی اور پبلک کتب خانوں کے رسائل کی فہرست تیار کرلی۔ لاہور کے کتب خانوں میں بھی کچھ کام کیا، مگر نامساعد حالات اور بعض دیگر وجوہ سے یہ منصوبہ نا تمام رہ گیا۔[9]

ایک معروف مقولہ ہے: خیر الناس من ینفع الناس۔ خواجہ صاحب کی فیض رسانی کا دائرہ بہت وسیع تھا، جس سے افراد کے ساتھ علمی و ادبی اداروں نے بھی فائدہ اٹھایا۔ جس طرح بہت سے مستحق اہلِ قلم کو ان کی سفارش سے مالی اعانت ملی اور بہت سوں کو وظیفے جاری ہوئے، اسی طرح انھوں نے بعض اداروں کے لیے کسی نہ کسی طریقے سے، مقامی، صوبائی یا مرکزی حکومتوں سے گرانٹ منظور کرائی اور بعض متمول افراد اور غیر سرکاری اداروں سے معقول رقوم دلوائیں۔ خواجہ صاحب کی اس طرح کی کاوشوں کی تفصیل جمع کی جائے تو پورا ایک دفتر تیار ہو جائے گا۔

مشفق خواجہ اپنی فیض رسانی اور ایک فراواں جذبۂ خدمتِ خلق کی وجہ سے ادبی دنیا کے تمام گروہوں، دھڑوں اور حلقوں میں یکساں طور پر مقبول تھے اور وہ ہر ایک کی ضرورت تھے۔ ہر ایک کو ان کا تعاون میسر رہتا تھا۔ کہتے تھے: 'میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ کام کرنے والوں کی مدد بلا استثنا کرنی

۹۔ رفاقت صاحب نے کراچی میں سروے کا کام، خواجہ صاحب کی نگرانی میں کیا تھا اور اس کی فہرست بھی انھیں دے دی تھی، جو اَب مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد کے پاس محفوظ ہے۔

چاہیے۔' (مکتوب بنام صدیق جاوید مورخہ ۱۹۹۹/۶/۵ء۔ سویرا لاہور، شمارہ ۸۴، مئی رجون ۲۰۰۶ء، ص ۳۷۴) اور خدمتِ خلق کے یہ کام، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ وہ کسی دنیاوی غرض کے لیے نہیں کرتے تھے، کیوں کہ ان کے بقول: 'نیکی کا اجر خدا ہی دے سکتا ہے، بندے کے بس کی بات نہیں۔' (غیر مطبوعہ مکتوب بنام اورنگ زیب عالمگیر، ۶ دسمبر ۱۹۹۷ء)

یاد آیا کہ خواجہ صاحب بھارت گئے تو انجمن ترقیِ اردو دہلی کے کتب خانے میں 'گوشۂ مولوی عبدالحق' اور علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں 'گوشۂ ابنِ انشا' قائم کیا اور پھر پایانِ عمر دونوں گوشوں کے لیے اپنے خرچ پر منتخب پاکستانی کتابیں بھیجتے رہے۔ ان کے چھوٹے بھائی خواجہ عبدالرحمٰن طارق بتاتے ہیں کہ خواجہ صاحب کے وسائل محدود تھے، بلکہ نہ ہونے کے برابر تھے، اس کے باوجود ہزاروں روپے کی کتابیں خرید کر بھارت کی لائبریریوں کو بھجواتے، وہ اس عمل کو ثوابِ جاریہ سمجھتے تھے۔ (قومی زبان، فروری ۲۰۰۶ء، ص ۲۲۷)

مشفق خواجہ یوں تو سبھی کے لیے، مگر بطورِ خاص ہم اردو والوں کے لیے ایک نعمت تھے۔ ان کی وفات پوری دنیا اور علم و ادب کی محرومی ہے۔ ۲۱ر فروری ۲۰۰۵ء کو ان کی رحلت کی خبر ملی تو راقم الحروف نے (نوائے وقت کے لیے) اپنے فوری تاثر کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا:

> خواجہ صاحب کی رحلت، موجودہ صدی میں پاکستان کی علمی و ادبی اور تحقیق و تنقید کی دنیا کا سب سے بڑا سانحہ ہے۔ وہ ایک ایسی جامع الصفات ادبی شخصیت تھے جس کی کوئی مثال، اردو کی معاصر ادبی دنیا میں نہیں ملتی۔ (نوائے وقت لاہور، فروری ۲۰۰۵ء)

میرے ایک مرحوم دوست کو یہ ماننے میں تامّل ہوا، مگر آج جب ان کی وفات کو تین برس ہو چلے ہیں' مجھے اپنے اس تاثر میں تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اس عرصے میں ان کی شخصیت اور ادبی کارناموں کے اعتراف کا سلسلہ جاری ہے۔ مجھے اردو کی علمی دنیا میں کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آتی، جو کسی دنیاوی منصب پر فائز نہ رہی ہو اور نہ کسی ادارے سے وابستہ رہی ہو، اس کے باوجود اسے اتنے تواتر اور تسلسل کے ساتھ یاد کیا جا رہا ہو اور خراجِ تحسین پیش کیا جا رہا ہو۔ اس عرصے میں جس سے بھی ملاقات ہوئی، جہاں بھی مشفق خواجہ کا ذکر آیا اور جو کچھ ان پر چھپا، ایک دو حضرات کے سوا، سبھی کو ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان پایا۔ ان میں کمزوریاں بھی تھیں اور خامیاں بھی، کیونکہ وہ ایک انسان تھے؛ مگر ان کے قریب ترین دوست معترف ہیں کہ ان کی خوبیاں، ان کی کمزوریوں پر حاوی تھیں، بلکہ انھی خوبیوں کی وجہ سے ایک سو سے زائد ادیبوں، شاعروں اور محققین نے اپنی تصانیف ان کے نام معنون کیں۔ اردو دنیا میں شاید ہی کسی

اور شخص کے نام اتنی کتابیں انتساب کی گئی ہوں۔(قومی زبان مارچ ۲۰۰۵ء، ص ۲۵)

مشفق خواجہ اول تا آخر اور سرتا پا ایک علم دوست شخص تھے۔ علم وادب ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ ان سے مل کر، ان کے پاس بیٹھ کر، ان کی باتیں سن کر اور ان سے تبادلۂ خیال کر کے اندازہ ہوتا تھا کہ 'علم و ادب بطور اوڑھنا بچھونا' کیا مفہوم رکھتا ہے؟ راقم کو ان سے بارہا ملنے اور ان کی صحبت میں کئی کئی گھنٹے گزارنے کا موقع ملا بلکہ دو ایک بار تو ناظم آباد کراچی میں' ان کے ہاں چند دن مقیم رہنے کا موقع بھی ملا، میں تو دن بھر ان کے کتب خانے کی سیر کرتا' کتابیں دیکھتا' نوٹس لیتا اور شام کو ہم روزانہ لمبی سیر کرتے، کسی جگہ کھانا کھاتے اور دنیا جہاں کی باتیں ہوتیں، لیکن ہر ملاقات یا صحبت کے اختتام پر تشنگی باقی رہتی اور یہ خواہش بھی کہ کچھ اور موقع ملے، باتیں ہوں اور کچھ استفادہ کیا جائے۔

اسلام، پاکستان، اردو اور علم و ادب کے ساتھ خواجہ صاحب کی وابستگی، وفاداری اور تعہد (commitment) نہایت محکم، مستحکم اور استوار تھا۔ یہ وابستگی انھیں اپنے والد خواجہ عبدالوحید سے ورثے میں ملی تھی۔ وہ ایک مخلص اور بے ریا انسان تھے۔ سچائی، راستی اور خیر کے قدر دان اور علَم بردار تھے۔ شہرت، نمود و نمائش، تصنع اور بناوٹ کو سخت ناپسند کرتے تھے اور انھیں گوارا نہ تھا کہ کوئی شخص خصوصاً ادیب، شاعر یا محقق یہ طرزِ عمل اختیار کرے۔

ذکرِ مشفق خواجہ کی حکایتِ لذیذ میں اس حصے کا اختتام پروفیسر اسلوب احمد انصاری سے مستعار ایک پیراگراف پر برمحل معلوم ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> مشفق خواجہ بحیثیت انسان بڑی خوبیوں کے حامل تھے۔ سابقون کی طرح وہ مہر و محبت' لطف و کرم اور صدق و صفا کا پیکرِ مجسم تھے۔ تصنع اور ریا کاری سے تمام تر منزہ۔ محاورۂ سخن کو بدل کر ہم ان کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں:.He was a man without a mask۔ ان جیسے کریم النفس لوگ راقم الحروف کے تجربے میں بہت کم آئے ہیں۔ ایسی گونا گوں صفات رکھنے والا شخص اب کہاں دیکھنے کو ملے گا۔ ان کی شخصیت کے عناصر ترکیبی کو ممیز کرنے کے لیے، صرف تین الفاظ کا استعمال کفایت کرے گا: ملنساہٹ، سلامت روی (جس میں تحمل اور بردباری شامل ہیں) اور سیر چشمی۔ ان کے اچانک اٹھ جانے سے، لگتا ہے گویا زندگی کی رونق کم ہوگئی ہے۔ ایسی جامع حیثیات شخص سے جدائی (وفات: ۲۱ فروری ۲۰۰۵ء) پر جو رنج اور قلق ہوا ہے، اس کا اظہار ڈاکٹر اقبال کے اس فقید المثال شعر کو دہرا کر ہی کیا جاسکتا ہے:
>
> نہ کہہ کہ صبر میں پنہاں ہے چارۂ غم دوست
>
> نہ کہہ کہ صبر معمائے موت کی ہے کشود
>
> (قومی زبان، فروری ۲۰۰۶ء، ص ۷۶)

خورشید رضوی صاحب کے ہاں، ۲۶ دسمبر ۱۹۹۵ء

نشستہ: (دائیں سے بائیں) خواجہ محمد زکریا، مظفر علی سیّد، مشفق خواجہ، خورشید رضوی۔
ایستادہ: رفیع الدین ہاشمی، تحسین فراقی، اورنگ زیب عالمگیر۔

بہاول پور، لال سوہانرا نیشنل پارک میں، ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۳ء

نشستہ: رفیع الدین ہاشمی، مشفق خواجہ، تحسین فراقی

ایستادہ: پروفیسر سعید احمد

۳

مشفق خواجہ اعلیٰ درجے کے محقق، نقاد، شاعر اور طنز و مزاح نگار تھے۔ تاریخ ادب میں ایسی ہمہ جہت شخصیتیں شاذ ہی نظر آتی ہیں، جو بیک وقت تحقیق، شاعری اور طنز و مزاح جیسے مختلف المزاج بلکہ متضاد شعبوں میں قدرِ اول کی تخلیقات پیش کرنے پر قادر رہی ہوں اور اُس کے ساتھ ساتھ وہ بطور انسان بھی، اعلیٰ اخلاقی اقدار کے ساتھ، انسانیت کے اونچے درجے پر فائز ہوں۔

تحقیق میں انھوں نے مشکل ترین موضوعات اور 'سنگلاخ زمینوں' کا انتخاب کیا۔ تحقیق نامہ کے مقالات تاریخ ادب کے ایسے نادر اور مشکل موضوعات سے بحث کرتے ہیں جن پر لوازمہ آسانی سے دستیاب نہیں ہوتا۔ جائزہ مخطوطاتِ اُردو میں دوسو مخطوطات پر ایسی مفید معلومات جمع کی گئی ہیں کہ یہ محض وضاحتی فہرست نہیں رہی، بلکہ اسے ایک سوانحی و کتابیاتی جائزہ کہنا درست ہوگا۔ بقول رشید حسن خاں: 'خواجہ صاحب نے تن تنہا وہ کام کر دکھایا ہے جو بظاہر ایک ادارے کا کام معلوم ہوتا ہے۔' (مشفق خواجہ: ایک مطالعہ مرتب خلیق انجم۔ ماہ نامہ کتاب نمائ دہلی، دسمبر ۱۹۷۵ء ص ۸۷) خواجہ صاحب نے اس کی دوسری جلد بھی تیار کر دی تھی، مگر تا حال چھپ نہیں سکی ہے۔ تذکرہ خوش معرکہ زیبا، اقبال (احمد دین) اور کلیاتِ یگانہ تدوینِ متن کی اعلیٰ مثالیں ہیں۔ غالبؔ اور صفیر بلگرامی غالبیات پر ان کی ماہرانہ گرفت اور موضوعِ زیرِ بحث پر ان کی ژرف نگہی کا ثبوت ہے۔

ایک طنز و مزاح نگار کی حیثیت سے انھوں نے اُردو کے چوٹی کے مزاح نگاروں (مرزا فرحت اللہ بیگ، پطرس بخاری، رشید احمد صدیقی، مشتاق احمد یوسفی) کی طرح ایک نئے اور ابداعی اسلوبِ طنز و مزاح کی طرح ڈالی، جو ماضی کے تمام نامور مزاح نگاروں سے بالکل الگ اور منفرد ذوق و ذائقے کا حامل ہے، جو بقول اسلوب احمد انصاری: اُن کی 'طباعی، نکتہ سنجی، ہنرمندی اور تربیت یافتہ حِس مزاح' کا نتیجہ تھا۔ (قومی زبان، فروری ۲۰۰۶ء، ص ۷۵) خواجہ صاحب کے ذخیرۂ طنز و مزاح کے چار مجموعے (خامہ بگوش کے قلم سے، سخن در سخن، سخن ہائے ناگفتنی، سخن ہائے گسترانہ) شائع ہو چکے ہیں۔ غالباً کالموں کے دو مجموعے مزید تیار ہوں گے۔

متذکرہ بالا طنز و مزاح نگاروں نے جو کچھ لکھا، کسی فرمائش، پابندی یا دباؤ کے تحت نہیں، بلکہ اپنی آزادانہ سوچ اور 'اندرونی تخلیقی اُبال' کے نتیجے میں لکھا۔ اس کے برعکس مشفق خواجہ کو ہر ہفتے 'ہفتہ وار کالم نگاری' کے خنجر تلے ایک مخصوص وقت کے اندر' خواہی نخواہی لکھنا پڑتا تھا۔ اس 'آورد

کو وہ نظرِ ثانی اور بعض اوقات نظرِ ثالث کے ذریعے بہتر بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ اولین مسودے میں، جتنا بھی وقت میسر آتا، تبدیلیاں اور ترامیم کرتے' چنانچہ بسا اوقات مسودہ بالکل نئی شکل اختیار کر لیتا تھا، پھر بھی ان کی یہ 'آورد' بھی سابقونِ طنز و مزاح کی 'آمد' سے لگا کھاتی ہے۔

خواجہ صاحب کے مکاتیب بے شک ان کی 'تصانیف' یا ان کے علمی و ادبی 'کارنامے' میں شمار نہ ہوں، مگر یہ ان کی ایک نہایت اہم قلمی یادگار کی حیثیت ضرور رکھتے ہیں۔ مشاہیر، معاصرین، احباب، اساتذہ، طلبہ اور اجنبیوں تک طرح طرح کے لوگوں سے ان کے خط کتابت تھی۔ ایسا کم ہی ہوگا کہ کسی نے انھیں خط لکھا ہو اور جواب سے محروم رہا ہو۔ انھوں نے خطوط نویسی کے لیے ہفتے میں ایک دن مقرر کر رکھا تھا۔ ان کے خطوط کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ بعض وجوہ سے وہ ہر خط کی کاربن نقل بنا کر، اپنے پاس محفوظ رکھتے تھے۔ بلاشبہہ ان کے سیکڑوں مکتوب الیہم کے پاس بھی ان کے ہزاروں خط موجود ہوں گے، مگر خود ان کے پاس، خطوط کا پورا ریکارڈ محفوظ تھا۔ اردو خطوط نویسی کی تاریخ میں غالباً کوئی اور ایسی مثال نہیں ملے گی کہ کسی مکتوب نویس کے پاس اپنے دست نوشت خطوں کی اتنی بڑی تعداد موجود ہو۔

مشفق خواجہ کے خطوط، ان کی شخصیت کا آئینہ ہیں۔ غالب کی طرح صرف خطوط ہی سے، ان کی سوانح، بلکہ آپ بیتی بھی مرتب کی جاسکتی ہے۔ مزید برآں اردو کی علمی و ادبی دنیا، ادبی انجمنوں، شاعروں، ادیبوں، نئی کتابوں، دنیاے ادب کے اہم وقوعات اور بعض نامور ادبی شخصیات کے فرمودات و ملفوظات سے متعلق، ان کے خطوں میں بہت کچھ ملتا ہے۔ چبھتے ہوئے فقرے، حکیمانہ نکات، پتے کی باتیں، قہقہہ آور تبصرے، نپی تلی آرا...... خطوط میں یہ سب کچھ، بلکہ اَور بھی بہت کچھ ہے۔ کسی شخص کے نام خواجہ صاحب کے خطوط ہی سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس سے خواجہ صاحب کے تعلقات کس سطح اور کس نوعیت کے تھے۔ مجموعی حیثیت سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اپنے نیاز مندوں کے ساتھ ساتھ، خردوں، طلبہ اور اجنبیوں تک سے مشفق خواجہ کا رویہ محبت آمیز، مربیانہ، حوصلہ افزا اور دلداری کا ہوتا تھا اور خواجہ صاحب کو خط لکھنے والا ہر شخص ان سے تعلق کو اپنے لیے باعثِ افتخار سمجھتا تھا۔

کتابی صورت میں اب تک اُن کے خطوں کے دو مجموعے سامنے آچکے ہیں۔ مشفق نامے محمد عالم مختار حق کا مرتبہ مجموعہ ان کے اپنے نام ۲۷۶ رقعات و خطوط پر مشتمل ہے، جسے مکتوب الیہ نے مفید حواشی کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ خطوطِ مشفق میں ڈاکٹر طیب منیر نے اپنے نام ۶۰ خطوط مع مختصر حواشی یکجا کیے ہیں۔ پروفیسر تحسین فراقی، ڈاکٹر صدیق جاوید، ڈاکٹر نظیر صدیقی،

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، محمد حمزہ فاروقی اور ڈاکٹر زاہد منیر عامر کے نام خواجہ صاحب کے خطوط مختلف رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ میرے علم کی حد تک رفاقت علی شاہد، پروفیسر جعفر بلوچ، ڈاکٹر انور سدید اور ڈاکٹر اورنگ زیب عالمگیر کے پاس بھی اُن کے خطوں کی ایک معتد بہ تعداد محفوظ ہے۔ اُن میں سے بعض خطوط تو بہت قیمتی ہیں اور خواجہ صاحب کی شخصیت کو سمجھنے میں کلیدی اہمیت کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر تحسین فراقی کے پاس مرحوم کے تقریباً اڑھائی سو خطوط محفوظ ہیں۔ اِنھی دنوں معلوم ہوا کہ ڈاکٹر مختار الدین احمد کے نام، اُن کے خطوں کو جناب عبدالوہاب خاں سلیم کی تائید اور اعانت سے علی گڑھ سے شائع کیا جا رہا ہے۔

میرا خیال ہے کہ مستقبل قریب میں ان کے خطوں کے مجموعے مرتب ہوتے اور چھپتے چلے جائیں گے۔ ممکن ہے آیندہ چند برسوں میں ایسے بیسیوں مجموعے اشاعت پذیر ہو کر سامنے آ جائیں۔

مشفق خواجہ نے اپنی مصروفیات کے باوجود، (جیسا کہ رشید حسن خاں صاحب نے کہا) تنِ تنہا ایسے بلند پایہ اور معیاری و مثالی تحقیقی کام انجام دیے جو اداروں کے کرنے کے تھے، اس کے باوجود یہ ایک سفاک حقیقت ہے کہ کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد...... ابھی کتنے ہی ادھورے کام مشفق خواجہ کے پیش نظر تھے، جنھیں وہ مکمل کرنا چاہتے تھے: بسے گفتنی ہا کہ ناگفتہ ماند۔ مرحوم، اس آرزوے ناتمام کے ساتھ عالمِ جاودانی کو رخصت ہوئے ہوں گے کہ کچھ اور مہلت ملتی تو اپنے علمی منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیتا، مگر: رہے نام اللہ کا۔

ان کی بہت سی تحریریں، بہت سے مضامین اور بہت سے تبصرے غیر مدوّن ہیں۔ ان کے تقریباً اڑھائی سو مقالات ہنوز غیر مطبوعہ ہیں (قومی زبان، فروری ۲۰۰۶ء، ص ۲۲۴)، کیوں کہ خواجہ صاحب ان کے معیار سے مطمئن نہ تھے۔ یہ سب کئی جلدوں میں سمائیں گے۔ وہ سارے علمی و ادبی ادارے جن سے مشفق خواجہ کسی نہ کسی حیثیت سے وابستہ رہے، جن کی مختلف مجلسوں اور کمیٹیوں میں شریک ہو کر اور اپنا قیمتی وقت دے کر، وہ انھیں ماہرانہ مشورے دیتے اور ان کی رہبری کرتے رہے، ان پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ خواجہ صاحب کے ناتمام علمی منصوبوں کی تکمیل اور ان کی تحقیقاتِ علمی و ادبی کی تدوین کا اہتمام کریں۔ جائزہ مخطوطاتِ اردو ہی کتنا بڑا منصوبہ ہے۔ یہ ان کے ذاتی منصوبے نہیں تھے، اردو زبان و ادب کے ترقیاتی اور اجتماعی منصوبے تھے، جنھیں بروے کار لانا اور پایۂ تکمیل تک پہنچانا، ان اداروں پر ایک طرح سے قرض ہے۔ ان میں انجمن ترقی اردو، مقتدرہ قومی زبان، اکادمی ادبیاتِ اردو، مجلس ترقی ادب اور اقبال اکادمی جیسے ادارے شامل ہیں، جو سب باوسائل ہیں اور بخوبی ایسا کر سکتے ہیں۔ ضرورت صرف

احساس، نیت اور عزم و عمل کی ہے۔

مَیں سوچتا ہوں کہ مشفق خواجہ اپنے گونا گوں مشاغل و مصروفیات کے باوجود بعض معرکہ آرا اور پہاڑ کام انجام دینے میں کیسے کامیاب ہوئے؟ شاید بلکہ یقیناً اس لیے کہ وہ وقت کو اور زندگی کے ایک ایک لمحے کو خدا کی امانت سمجھتے تھے اور اس امانت کو انھوں نے دیانت اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ استعمال کیا۔ انھوں نے 'دل لگا کر' اور نظر جما کر کام کرنے کی عادت اپنا لی تھی۔ وہ اس بات کو بخوبی سمجھتے تھے کہ 'ہر گزرا ہوا لمحہ ہی انسان کا اصل نامۂ اعمال ہوتا ہے اگر یہ لمحہ بے کار گزرا ہے تو نامۂ اعمال پر ایک سیاہ نقطے کا اضافہ ہو جائے گا۔' (مکتوب بنام محمد حمزہ فاروقی۔ مخزن ۱۰، ص ۳۶) جو لوگ انھیں جانتے ہیں' وہ گواہی دیں گے کہ مشفق خواجہ نے اپنے قلبِ شفاف کو سیاہ نقطوں سے آلودہ نہیں ہونے دیا۔

پاکستان میں ہی نہیں، بھارت ہی میں نہیں، پوری دنیا میں، جہاں جہاں اردو زبان و ادب کا چرچا ہے 'ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما' کے مصداق مشفق خواجہ صاحب کا نام زندہ رہے گا اور وہ اردو ادب، تحقیق و تدوین اور طنز و مزاح کے ایک قابلِ فخر سپوت کی حیثیت سے یاد رکھے جائیں گے اور بقائے دوام کے دربار میں ان کے نام کا ڈنکا بجتا رہے گا۔

سجاد میر نے کیا عمدہ بات کہی ہے کہ ادبی تحقیق کے 'میدان میں بڑے نام ہیں مگر سچ کہتا ہوں: کوئی دوسرا مشفق خواجہ نہیں ہے...... ان جیسا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اس شہر ہی میں نہیں، اس ملک میں اور پورے برصغیر میں بھی، بلکہ جہاں جہاں اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے، وہاں وہاں تک...... (نوائے وقت لاہور، ۲۴ر فروری ۲۰۰۵ء)

مشفق خواجہ کی شخصیت اور کارناموں میں ہمارے لیے کیا سبق پوشیدہ ہے؟ یہی کہ ستائش کی تمنا اور صلے کی پروا کیے بغیر اپنا کام خلوصِ نیت، دیانت اور محنت و کاوش سے کیے چلے جاؤ اور خدمتِ خلق کو اپنا شعار بناؤ، اسی سے عزت ملے گی، دلوں میں محبت جاگزیں ہوگی اور اسی طرزِ عمل سے تمھیں احترام بھی ملے گا۔

ر۔ ہاشمی

۲۷ر نومبر ۲۰۰۷ء

کوائف نامہ: مشفق خواجہ

مرتب: ڈاکٹر خالد ندیم

حیات نامہ

۱۹/ دسمبر ۱۹۳۵ء	[۲۲/ رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ] ...... پیدائش: قدیر منزل، محمد نگر، لاہور
۱۹۴۸ء	والدین کے ہمراہ لاہور سے کراچی منتقل ہو گئے۔
۱۹۵۱ء	آغازِ شعر گوئی
۱۹۵۲ء	میٹرک (پرائیویٹ)
۱۹۵۳ء	پہلا ادبی مضمون اسلامیہ کالج، کراچی کے میگزین میں شائع ہوا۔
۱۹۵۴ء	ایف اے...... اسلامیہ کالج، کراچی
۱۹۵۷ء	بی اے (آنرز)...... جامعہ کراچی
۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۱ء	بابائے اردو کے ساتھ علمی و ادبی معاونت
۱۹۵۷ء تا ۱۹۷۳ء	مددگار معتمد اور علمی و ادبی مشیر انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی سے وابستگی، مدیر: قومی زبان اور مدیر: اردو
۱۹۵۸ء	ایم اے، اردو...... جامعہ کراچی
۱۹۶۴ء	شادی ہمراہ پروفیسر آمنہ صدیقی (مؤلفہ: افکارِ عبدالحق)
۱۹۶۵ء	جنگِ ستمبر کے حوالے سے ریڈیو کالم، بعنوان: سنا آپ نے!
۱۹۶۵ء تا ۱۹۷۶ء	تقریباً پانچ سو ریڈیو فیچر نشر ہوئے۔
۱۵/ نومبر ۱۹۷۰ء	آغاز: روزانہ کالم نویسی، بعنوان: غریبِ شہر، روزنامہ جسارت کراچی
۱۹۷۱ء	آغاز: ہفتہ وار کالم نویسی، بعنوان: ورقِ ناخواندہ، زندگی کراچی
۱۹۷۴ء	آغاز: کالم نویسی...... سخن در سخن، صداقت کراچی
۱۸/ دسمبر ۱۹۷۹ء	رحلت والد گرامی: خواجہ عبدالوحید
۱۹۸۴ء	آغاز: کالم نویسی، بعنوان: سخن در سخن، ہفت روزہ تکبیر کراچی

۱۹۸۵ء　　دورۂ بھارت۔ آمنہ مشفق بھی ہمراہ تھیں۔
۱۹۹۴ء　　حکومتِ پاکستان نے تمغاے حسن کارکردگی عطا کیا۔
ستمبر ۱۹۹۷ء　　ٹانگ پر پھوڑے کے آپریشن کے باعث ایک ہفتہ ہسپتال میں رہے۔
۱۱ر نومبر ۲۰۰۳ء　　شدید علالت؛ چار ماہ تک صاحبِ فراش رہے۔
۱۹ر فروری ۲۰۰۵ء　　رات نو بجے دس پندرہ مرتبہ قے آئی۔
۲۰ر فروری ۲۰۰۵ء　　رات ایک بجے آغا خاں ہسپتال لے جایا گیا۔
۲۱ر فروری ۲۰۰۵ء　　رحلت...... کراچی (نو بجے شب)
۲۲ر فروری ۲۰۰۵ء　　تدفین: پی ای سی ایچ سوسائٹی، کراچی۔

قلمی آثار (مطبوعہ):

۱۔ تذکرہ خوش معرکۂ زیبا از سعادت حسن ناصر، جلد اوّل (مقدمہ و ترتیب) مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۰ء
۲۔ تذکرہ خوش معرکۂ زیبا از سعادت حسن ناصر، جلد دوم (مقدمہ و ترتیب) مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۲ء
۳۔ پرانے شاعر، نیا کلام...... کلاسیکی شعرا پر تحقیقی مقالات، مطبوعہ سہ ماہی غالب، کراچی، ۷۶-۱۹۷۵ء
۴۔ ابیات...... (شعری مجموعہ) مکتبہ نیا دور، کراچی، ۱۹۷۸ء
۵۔ اقبال از احمد دین...... (تحقیق متن، مقدمہ اور تعلیقات و حواشی) انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی ۱۹۷۹ء۔ طبع دوم: اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۶ء
۶۔ جائزہ مخطوطاتِ اردو جلد اوّل، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، ۱۹۷۹ء
۷۔ تخلیقی ادب (اسلوب)...... غیر مطبوعہ ادبی تخلیقات اور علمی و تحقیقی مقالات کے پانچ ضخیم شمارے۔ مکتبہ اسلوب، کراچی، ۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۵ء
۸۔ غالب اور صفیر بلگرامی...... کراچی، ۱۹۸۱ء۔ دہلی ۱۹۸۵ء
۹۔ تحقیق نامہ...... (مقالات) مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۱ء۔ دہلی ۱۹۹۱ء۔
۱۰۔ خامہ بگوش کے قلم سے...... (مرتبہ: مظفر علی سید) دہلی ۱۹۹۵ء۔ کوآپرا

بک شاپ، اینڈ آرٹ گیلری، لاہور، ۱۹۹۵ء

۱۱۔ انتخابِ کلامِ میر......(میر کے پانچ اہم انتخابات کا مجموعہ)، کراچی ۲۰۰۰ء

۱۲۔ کلیاتِ یگانہ......(تحقیق و ترتیب متن اور مقدمہ) اکادمی بازیافت، کراچی، ۲۰۰۳ء

۱۳۔ سخن در سخن......(مرتبہ: مظفر علی سید) اکادمی بازیافت، کراچی، ۲۰۰۴ء

۱۴۔ سخن ہائے ناگفتنی......(مرتبہ: مظفر علی سید) اکادمی بازیافت، کراچی، ۲۰۰۴ء

۱۵۔ یادِ ایام [روزنامچہ] از خواجہ عبدالوحید......(ترتیب و تدوین) مطبوعہ جریدہ، کراچی، شمارہ: ۳۳، ۲۰۰۵ء

۱۶۔ مشفق نامے......بنام: محمد عالم مختار حق۔ اردو اکیڈمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۶ء

۱۷۔ سخن ہائے گسترانہ......(مرتبہ: ڈاکٹر انور سدید) فضلی سنز، کراچی، ۲۰۰۷ء

۱۸۔ خطوطِ مشفق......بنام: ڈاکٹر طیب منیر۔ پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء

۱۹۔ مکاتیبِ مشفق خواجہ......بنام: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔ لاہور، ۲۰۰۸ء

۲۰۔ خطوط بنام......صدیق جاوید (سویرا، لاہور، شمارہ ۸۴، مئی جون ۲۰۰۶ء)

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار (اورینٹل کالج میگزین، لاہور، ۲۰۰۶ء)

ڈاکٹر زاہد منیر عامر (دبستان، لاہور، شمارہ ۳)۔

قلمی آثار (غیر مطبوعہ/ ناتمام):

۱۔ جائزہ مخطوطاتِ اردو......جلد دوم (بحوالہ قومی زبان، فروری ۲۰۰۶ء، ص ۲۲۳)

۲۔ جائزہ مخطوطاتِ اردو......جلد سوم (ایضاً)

۳۔ فرمانِ سلیمانی [روزنامچہ مرزا سلیمان قدر] نوشتہ: سید حسن لطافت لکھنوی......(مقدمہ، تعلیقات و حواشی) ۲۰۰۵ء

۴۔ خطوطِ یگانہ......تقریباً ۳۰۰ خطوط کا مجموعہ (ترتیب و حواشی)

۵۔ مضامینِ یگانہ......ترتیب

۶۔ تقریباً اڑھائی سو مضامین و مقالات

۷۔ تقریباً پانچ سو ریڈیو فیچر

۸۔ خطوط بنام: تحسین فراقی، اورنگ زیب عالمگیر، انور سدید، صدیق جاوید، جعفر بلوچ،

رفاقت علی شاہد۔

مشفق خواجہ پر کتب و رسائل:

۱۔ مشفق خواجہ : ایک مطالعہ......(مرتبہ: خلیق انجم) کتاب نما، دہلی، ۱۹۸۵ء

۲۔ خامہ بگوش: ایک مطالعہ......(وحیدالرحمٰن خان) اکادمی بازیافت، کراچی، ۲۰۰۴ء

۳۔ اکابرِ صحافت: ۲......(شاہ نواز فاروقی) شعبۂ ابلاغِ عامہ، جامعہ کراچی ۲۰۰۵ء

۴۔ تدویناتِ مشفق خواجہ: ایک تعارف......(محمد قاسم) مکتبہ عمار یاسر، لاہور، ۲۰۰۶ء

۵۔ مشفقِ من، خواجۂ من......(مرتبہ: محمد عالم مختارحق) بک مین، لاہور، ۲۰۰۶ء

۶۔ سہ ماہی سفیرِ اردو، لیوٹن (برطانیہ)......جنوری تا مارچ ۲۰۰۵ء (گوشۂ مشفق خواجہ، ۴۳ر صفحات)

۷۔ ماہ نامہ اخبارِ اردو، اسلام آباد......ستمبر ۲۰۰۵ء (گوشۂ مشفق خواجہ، ۲۹ر صفحات)

۸۔ کتابی سلسلہ مکالمہ، کراچی......جولائی ۲۰۰۵ء تا جون ۲۰۰۶ء (گوشۂ مشفق، ۲۸۹ر صفحات)

۹۔ ہفت روزہ ہماری زبان، دہلی......۸ تا ۲۸ر اکتوبر ۲۰۰۵ء (مشفق خواجہ نمبر)

۱۰۔ ماہ نامہ قومی زبان، کراچی......فروری ۲۰۰۶ء (مشفق خواجہ نمبر)

۱۱۔ سہ ماہی عبارت، حیدرآباد، سندھ، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۶ء (گوشۂ مشفق خواجہ، ۴۲ صفحات)

۱۲۔ سہ ماہی الزبیر، بہاول پور، شمارہ ۱-۲، ۲۰۰۶ء، (گوشۂ مشفق خواجہ، ۴۵ صفحات)

۱۳۔ سہ ماہی نوادر، لاہور، شمارہ ۲۰-۲۱، ۲۰۰۷ء، (بیادِ مشفق خواجہ، ۵۲ صفحات)

مقالہ ایم اے (اردو):

۱۔ مشفق خواجہ کے مطبوعہ مکاتیب (ثنا جبیں) پنجاب یونی ورسٹی، لاہور، ۲۰۰۷ء۔ نگران: ڈاکٹر بصیرہ عنبرین

زیرِ تحقیق مقالات پی ایچ ڈی:

۱۔ مشفق خواجہ: احوال و آثار......(محمود احمد کاوش) پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

۲۔ مشفق خواجہ کی مکتوب نگاری......(غلام یٰسین انجم) نمل، اسلام آباد

مشفق خواجہ کے چند احباب

زیرِ نظر مکاتیب میں مرحوم کے بعض قریبی دوستوں اور عزیزوں کا متعدد مرتبہ ذِکر آیا ہے، حواشی میں ہر جگہ اُن کا تعارُف دینے کے بجائے ذیل میں الف بائی ترتیب سے سب کا یک جا تعارُف دیا جارہا ہے:

☐ ڈاکٹر اورنگ زیب عالم گیر (پ: ۲۹/ اکتوبر ۱۹۵۳ء) سابق ڈائریکٹر آرٹ کونسل، بہاول پور۔ حال: ایسوسی ایٹ پروفیسر اردو، پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج، لاہور۔
[مشفق خواجہ سے بہت قریبی تعلق تھا۔ خواجہ صاحب لاہور آتے تو بعض اوقات ان کے ہاں بھی قیام کرتے۔ خواجہ صاحب کی آخری علالت کی خبر ملی، جو بہت تشویش ناک تھی۔ تو عالم گیر صاحب فی الفور کراچی روانہ ہوگئے۔ لاہور سے مرحوم کے جنازے میں شریک ہونے والے وہ واحد شخص تھے۔ ان کے پاس خواجہ صاحب کے تقریباً ۷۰/ خطوط محفوظ ہیں، جنھیں وہ چھپوانے کا عزم رکھتے ہیں۔ مزید برآں انھوں نے 'مجلس یادگارِ مشفق خواجہ' بھی قائم کی تھی، جس کے زیرِ اہتمام وہ خواجہ صاحب کے لیے ایک 'ارمغانِ علمی' تیار کرنے کا عزم کیے ہوئے ہیں۔]

☐ ڈاکٹر تحسین فراقی (پ: ۱۷/ ستمبر ۱۹۵۰ء) محقق، نقاد، شاعر اور ادیب۔ سابق صدرِ شعبۂ اردو، اورینٹل کالج، لاہور۔ حال: پروفیسر اردو، تہران یونی ورسٹی، ایران۔
[خواجہ صاحب انھیں بہت عزیز رکھتے تھے۔ وہ فراقی صاحب کی تنقیدی و تحقیقی صلاحیتوں کے قائل اور قدر دان تھے۔ انھوں نے متعدد ادبی کام خواجہ صاحب ہی کے ایما پر انجام دیے۔ فراقی صاحب نے اپنے نام خواجہ صاحب کے ۹۰/ خطوط مکالمہ ۱۵ میں شائع کرادیے تھے۔ موصوف، اپنے نام خواجہ صاحب کے جملہ خطوط، حواشی و تعلیقات کے ساتھ کتابی صورت میں لانے کا عزم رکھتے ہیں۔ اس روزِ سعید کا انتظار ہے۔]

☐ ڈاکٹر خلیق انجم (پ: ۲۲/ فروری ۱۹۳۳ء) معروف نقاد، محقق اور ادیب۔ انجمن ترقی اردو ہند کے فعال سیکرٹری جنرل۔ مدیر ہفت روزہ ہماری زبان۔ بھارت کے ایک بڑے مجاہدِ اردو۔ بہت سی کتابوں کے مصنف و مؤلف۔ خطوطِ غالب کی جدید تدوین و تحقیق ان کا بڑا علمی کارنامہ ہے۔
[خواجہ صاحب کے دورۂ بھارت کے موقع پر دہلی میں وہ اُن کے میزبان تھے۔]

☐ رشید حسن خاں: (۱۹۲۵ء-۲۰۰۶ء) ان کا شمار اردو کے سربرآوردہ اور چوٹی کے محققوں میں ہوتا ہے۔ مزید برآں وہ ایک بلند پایہ نقاد اور ماہرِ لغت و املا بھی تھے۔ ان کی رسمی تعلیم معمولی تھی، مگر ذاتی مطالعے اور اپنی ذہانت اور محنت کے بل بوتے پر انھوں نے کلاسیکی ادب کی متعدد کتابیں (باغ و بہار، فسانۂ عجائب، مثنوی سحر البیان، مثنوی گلزارِ نسیم، کلامِ

میر جعفر زٹلی) مثالی انداز میں مدوّن کی ہیں۔

[خواجہ صاحب، خاں صاحب کی تحقیقی نظر اور گرفت کے قائل اور ان کے قدردان تھے۔ اس کا اندازہ ضمیمے میں شامل، خاں صاحب کے نام خواجہ صاحب کے ایک خط سے ہوتا ہے۔]

□ ڈاکٹر گوہر نوشاہی (پ: ۱۵؍جون ۱۹۴۰ء) معروف محقق اور نقاد۔ ایک عرصے تک بسلسلہ درس و تدریس ایران میں مقیم رہے۔ پھر مقتدرہ قومی زبان سے وابستہ رہے۔ حال: استادِ اردو، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد۔ ڈاکٹر وحید قریشی کے عزیز شاگردوں میں شامل ہیں۔

[خواجہ صاحب تحقیق و تدوین کے باب میں نوشاہی صاحب کی مہارت اور صلاحیتوں کے قائل تھے۔]

□ ڈاکٹر مختار الدین احمد (پ: ۱۴؍نومبر ۱۹۲۴ء) اردو اور عربی کے محقق، مدوّن، نقاد اور ادیب۔ سابق صدرِ شعبۂ عربی، مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ۔

[خواجہ صاحب کا ان سے بہت قریبی تعلق تھا اور وہ ان کی شخصیت اور علم و فضل کے معترف تھے۔ ان کے نام خواجہ صاحب کے مکاتیب سے شخصیات کے بارے میں نہایت دل چسپ اقتباسات قومی زبان کراچی (فروری ۲۰۰۶ء) میں شائع ہو چکے ہیں۔ اب یہ سارے خطوط، حواشی و تعلیقات کے ساتھ علی گڑھ سے شائع کیے جا رہے ہیں۔]

□ ڈاکٹر معین الدین عقیل (پ: ۲۵؍جون ۱۹۴۷ء) محقق، نقاد اور ادیب۔ سابق پروفیسر و صدرِ شعبۂ اردو، کراچی یونی ورسٹی۔ (پی ایچ ڈی کے علاوہ کراچی یونی ورسٹی سے ڈی لٹ کی ڈگری بھی رکھتے ہیں۔)

[ان کا شمار خواجہ صاحب کے بہت قریبی دوستوں میں ہوتا تھا۔ اردو زبان و ادب کی تدریس کے سلسلے میں ایک سال اٹلی میں اور سات برس جاپان میں مقیم رہے۔ کم و بیش چالیس کتابوں کے مصنف اور مؤلف ہیں۔]

□ ڈاکٹر وحید قریشی (پ: ۱۴؍فروری ۱۹۲۵ء) استاذ الاساتذہ، برعظیم کے چوٹی کے محقق، نقاد اور ادیب، شعر بھی کہتے ہیں۔ سابق: صدرِ شعبۂ اردو اور پرنسپل، پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج، لاہور؛ ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ پنجاب یونی ورسٹی، لاہور؛ ناظم اقبال اکادمی، لاہور؛ ناظم بزمِ اقبال، لاہور؛ صدر نشین، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔ حال: ناظم مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور۔ سابق مدیر: صحیفہ، لاہور؛ اورینٹل کالج میگزین، لاہور؛ اخبارِ اردو، اسلام آباد۔ بانی مدیر: مجلہ تحقیق، لاہور۔ حال: مدیر مخزن، لاہور۔ پروفیسر اے ریطس، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، لاہور۔

[مشفق خواجہ کے سب سے قریبی اور عزیز ترین دوست۔ دورۂ لاہور کے موقع پر، خواجہ صاحب کبھی کبھی ڈاکٹر صاحب کے ہاں قیام کرتے۔ سب سے زیادہ ملنا جلنا بھی انھی سے ہوتا تھا۔ خواجہ صاحب، تحقیق و تدوین، تاریخ، رجال، فارسی زبان و ادب پر ڈاکٹر وحید قریشی کی گہری نظر کے بہت قائل تھے۔]

مکاتیب

انجمن ترقی اردو پاکستان

قائم شدہ ۱۹۰۳ء

اردو روڈ۔ کراچی ملا

ٹیلیفون: صدر دفتر ۳۲۷۸۳ — اردو کالج: ۳۰۱۹۱ — انجمن پریس: ۶۰۳۱۲

نمبر ـ ـ ۱۵۲۰ ـ ـ ـ

تاریخ ۷ اگست ۱۹۶ء

محترمی ۔ تسلیم

آپ کا مکتوب مورخہ یکم اگست کے حوالے سے تحریر ہے کہ تمغۂ بابائے اردو کسی طالب علم کو براہ راست نہیں دیا جاتا ۔ ہر یونیورسٹی اپنے سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد سے قبل انجمن کو مطلع کرتی ہے اور تمغہ (مع پانچ سو روپے) ارسال کر دیا جاتا ہے ۔

آپ کے سلسلے میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی، آپ کے خط مضمون کی نقل یونیورسٹی کے کنٹرولر امتحانات کی خدمت میں بھیج دی گئی ہے ان کا جواب آنے پر مناسب کارروائی کی جائے گی ۔

مخلص

مشفق

(مشفق خواجہ)

مدد گار معتمد

بخدمت گرامی

جناب رفیع الدین ہاشمی صاحب

۲۳- اے دار الرحمۃ

سٹلائٹ ٹاؤن ۔ سرگودھا

۱

اس خط کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ انجمن ترقی اردو پاکستان نے غالباً اُسی برس طے کیا تھا کہ ہر سال ایم اے اردو میں اوّل آنے والے طالب علم کو 'تمغاے باباے اردو' (مع پانچ سو روپے) دیا جائے۔ راقم نے پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج لاہور سے ۱۹۶۶ء میں ایم اے اردو اوّل بدرجہ اوّل پاس کیا تھا۔ انجمن کو اطلاعی خط لکھا، جواباً ذیل کا خط موصول ہوا:

۷/اگست ۱۹۶۷ء

محترمی، تسلیم

آپ کے مکتوب مورخہ یکم اگست کے حوالے سے ترقیم ہے کہ تمغۂ باباے اردو کسی طالب علم کو براہِ راست نہیں دیا جاتا۔ ہر یونی ورسٹی اپنے سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد سے قبل انجمن کو مطلع کرتی ہے اور تمغہ (مع پانچ سو روپے) ارسال کر دیا جاتا ہے۔

آپ کے سلسلے میں پنجاب یونی ورسٹی کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی، آپ کے خط کی نقل یونی ورسٹی کے کنٹرولر امتحانات کی خدمت میں بھیج دی گئی ہے، ان کا جواب آنے پر مناسب کارروائی کی جائے گی۔

مخلص

مشفق خواجہ

مددگار معتمد

بخدمت گرامی

جناب رفیع الدین ہاشمی صاحب

۲۳۔اے دار الرحمت

سٹلائٹ ٹاؤن، سرگودھا

۲

۲۷ نومبر ۱۹۶۷ء

محترمی، تسلیم

آپ کے مکتوب مورخہ یکم اگست کا جواب دیا جا چکا ہے، اس سلسلے میں مزید ترقیم ہے کہ پنجاب یونی ورسٹی نے اپنے مکتوب مورخہ ۲۳ نومبر ۱۹۶۷ء کے ذریعے اس بیان کی توثیق کر دی ہے کہ آپ نے ۱۹۶۶ء میں ایم۔اے (اردو) کے امتحان میں اوّل بدرجہ اوّل کامیابی حاصل کی تھی۔

آپ کے لیے تمغا بنوایا جا رہا ہے، جو چند روز میں تیار ہو جائے گا۔ یہ تمغہ (مع پانچ سو روپے) پنجاب یونی ورسٹی کو بھیج دیا جائے گا اور یہ درخواست کی جائے گی کہ اس سال جو جلسۂ تقسیمِ اسناد منعقد ہو، اس میں آپ کو یہ تمغہ مع رقم کے دیا جائے[1]۔

مخلص

مشفق خواجہ

مددگار معتمد

....

۳

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

برادرم معین الدین عقیل صاحب کے ذریعے آپ کی کتاب کتابیات اقبال ملی۔ اس عنایت کے لیے ممنون ہوں۔ آپ نے یہ نہایت مفید کام انجام دیا ہے۔ سلسلۂ اقبالیات میں یہ کتاب اپنی اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے گراں قدر اضافہ ہے[1]۔

۱۔ اسی سلسلے میں مشفق خواجہ صاحب نے ایک خط، جامعہ پنجاب کے رجسٹرار کو بھی لکھا تھا (یہ خط ضمیمہ: ا میں شامل ہے)۔ اس وقت تک یونی ورسٹی کا جلسۂ تقسیم اسناد منعقد ہو چکا تھا، اس لیے رجسٹرار نے رقم مجھے براہِ راست بذریعہ چیک بھیج دی تھی (اس زمانے میں راقم سرگودھا میں تھا)۔ تمغا میں نے لاہور جا کر شعبۂ اردو سے وصول کیا تھا۔ ۱۹۶۷ء میں اوّل آنے والے جناب انور سدید نے تمغا، کراچی جا کر انجمن ترقی اردو کے دفتر سے، بدست ڈاکٹر جمیل جالبی حاصل کیا تھا۔ (الحمرا، لاہور، فروری ۲۰۰۶ء، ص ۹)

(۳)

۱۔ یہ دنیا کی مختلف زبانوں میں اقبال کی اور ان پر شائع شدہ کتابوں کی توضیحی کتابیات ہے۔.......... ←

احمد دین کی اقبال مَیں نے مرتب کی ہے۔ اِن شاء اللہ اس ماہ کے آخر تک یا آیندہ مہینے کے شروع میں شائع ہو جائے گی اور آپ کی خدمت میں بھیجوں گا[2]۔

پچھلے دنوں میرا مجموعۂ کلام ابیات شائع ہوا تھا۔ اس کا ایک نسخہ الگ پیکٹ کے ذریعے ارسال کر رہا ہوں۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ
۵۔۴۔۷۹ء

....

۴

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

گرامی نامہ مل گیا تھا، شکریہ۔

اقبال والی کتاب اِن شاء اللہ جلد ہی آپ کے ہاتھوں میں ہوگی[1]۔ اردو بورڈ لاہور نے جائزہ مخطوطاتِ اردو بھی شائع کردی ہے۔ مَیں نے اعزازی نسخوں کے لیے انھیں جو فہرست بھیجی ہے، اُس میں آپ کا نام نامی بھی شامل ہے۔

اس وقت ایک زحمت دے رہا ہوں۔ اختر انصاری اکبر آبادی (حیدر آباد) آج کل بیمار ہیں۔ اُن کے مالی حالات خرابی کی انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔ یہاں کے دوست جو کچھ کر سکتے تھے، انھوں نے کیا، لیکن اب معاملہ زیادہ نازک ہو گیا ہے، اس لیے ادیبوں کی طرف سے ایک اپیل حکومت کو بھیجی جا رہی ہے۔ اس کی ایک کاپی آپ کو بھیج رہا ہوں۔ از رہِ کرم اس پر سرگودھا کے

بقیہ: راقم کو اس کی تیاری کا کام حکومتِ پاکستان کی نیشنل کمیٹی برائے تقریباتِ صد سالہ ولادتِ علامہ اقبالؒ نے تفویض کیا تھا۔ ۱۹۷۷ء میں اسے اقبال اکادمی پاکستان لاہور نے شائع کیا۔

۲۔ مولوی احمد دین (۱۸۶۷ء۔۱۹۲۹ء) کی کتاب اقبال کا تیسرا اڈیشن خواجہ صاحب کی تحقیق و تدوین کے بعد اُسی سال ۱۹۷۹ء ہی میں انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی سے شائع ہونے والا تھا۔ (۲۰۰۶ء میں اقبال اکادمی پاکستان لاہور سے اس کا نیا اڈیشن شائع ہو چکا ہے۔ اس کا ذکر آیندہ خطوں میں بھی ملے گا۔)

(۴)

۱۔ دیکھیے: خط ۳، حاشیہ ۲۔

رفیع الدین ہاشمی
۲۳- اے سیٹلائٹ ٹاؤن
سرگودھا
فون: ۳۰۵۰۰

برادرِ مکرم، سلام مسنون

عنایت نامہ ملا۔ ڈاکٹر وزیر آغا راولپنڈی گئے ہوئے تھے۔ آج
واپس آئے ہیں۔ انہوں نے اپیل پر دستخط کر دیے ہیں اور پانچ سو روپے
کا ایک چیک بھی دیا ہے۔ چیک تو فی الفور بھیج رہا ہوں۔ آپ اختر صاحب
تک پہنچا دیں۔

اپیل پر سرگودھا کے تمام ادیبوں اور شاعروں کے دستخط آئندہ
چند دنوں میں ہو جائیں گے۔ امید ہے یکم جون تک یہ دستخط شدہ اپیل
آپ کو واپس بھیج دوں گا۔

ڈاکٹر صاحب (وزیر آغا) کا کہنا ہے کہ حکومت کو اختر انصاری
کی امداد کے لیے اپیل، اکیڈمی آف لیٹرز کے توسط سے بھی
بھیجنی چاہیے اور مجھے امید ہے کہ اکیڈمی کے مسیح الدین صدیقی
تعاون کریں گے۔ وہ صدیقی صاحب کو ٹیلی فون بھی کریں گے۔
آغا صاحب کا خیال ہے کہ اس سلسلے میں کارروائی میں تاخیر نہیں
ہونی چاہیے۔

آپ کی دونوں تصانیف کا بے تابی سے منتظر ہوں۔
خدا کرے آپ بخیر ہوں۔

رفیع الدین ہاشمی
۲۸، مئی ۱۹۷۹

ادیبوں کے دستخط کرا دیجیے۔ اپیل کی سامنے کی طرف جگہ نہ رہے تو پشت پر دستخط کرا لیجیے۔ ڈاکٹر وزیر آغا صاحب کے دستخط ضرور ہونے چاہییں۔ اُن کا نام بڑا ہے اور اس کا اثر بھی زیادہ ہوگا۔

اُمید ہے، آپ توجہ فرمائیں گے اور جلد۔[۲]

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ
۱۷۔۵۔۷۹ء

....

۵

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

گرامی نامہ ملا، توجہ کے لیے ممنون ہوں۔

ڈاکٹر وزیر آغا صاحب نے چیک بھیج کر اختر انصاری صاحب کی بروقت مدد کی ہے۔ یہاں بھی بہت سے دوستوں نے اس نیک کام میں ہاتھ بٹایا ہے۔ مَیں ڈاکٹر صاحب کو شکریے کا خط لکھ رہا ہوں۔ چیک اختر صاحب کو بھیج دیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپیل کے سلسلے میں جو مشورہ دیا ہے، اُسی پر عمل ہوگا۔

اقبال سے متعلق کتاب نصف کے قریب چھپ چکی ہے۔ دونوں کتابیں ساتھ ہی بھیجوں گا۔[۱]

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ
۳۔۶۔۷۹ء

۲۔ حیدر آباد سندھ میں مقیم شاعر، نقاد اور ادبی رسالے نئی قدریں کے مدیر، اختر انصاری اکبر آبادی (۱۵ر اگست ۱۹۲۰ء۔ ۱۸ر اگست ۱۹۵۷ء) کی مدد کے لیے، اس اپیل پر مَیں نے ڈاکٹر وزیر آغا سمیت سرگودھا کے بہت سے ادیبوں اور شاعروں سے دستخط کرا لیے تھے۔ آغا صاحب نے اختر انصاری کے لیے ایک چیک بھی دیا تھا، اس کا ذکر آیندہ خط میں ہے۔

(۵)

۱۔ مولوی احمد دین کی کتاب اقبال اور مشفق خواجہ صاحب کی مرتبہ: جائزہ مخطوطاتِ اردو۔

FIGHT CLEAN
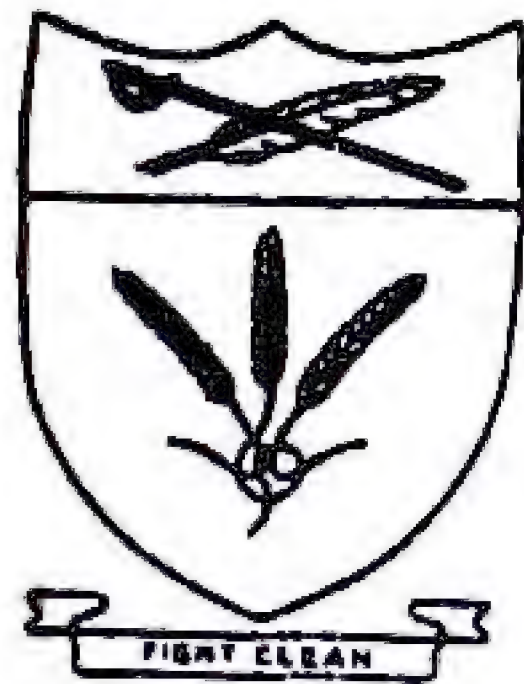
Government College,
Sargodha.

۶ جون ۱۹۷۹ء

برادرِ مکرم، سلام مسنون

اپیل پر اب تک اٹھارہ ادبا و شعرا کے دستخط ہو چکے ہیں — میں کل تین روز کے لیے لاہور جا رہا ہوں اس لیے دستخط شدہ اپیل کو اپنے پاس رکھنا مناسب نہ ہوگا — یہاں اور بھی کئی اصحاب سے دستخط کرائے جا سکتے ہیں مگر اس میں مزید تاخیر ہوگی — لہٰذا فی الحال یہ اپیل آپ کو بھیج رہا ہوں —

اگر ضرورت ہو تو ایک اور کاغذ (اپیل) بھیج دیں میں مزید دستخط کرا لوں گا — ڈاکٹر وزیر آغا صاحب کا عطیہ (چیک پانچ سو روپے برائے اختر انصاری صاحب) آپ کو بھیج دیا تھا —

خدا کرے آپ ہر طرح بخیر ہوں۔ نیازمند

رفیع الدین ہاشمی

۶

محترمی ومکرمی، آداب

گرامی نامہ ملا اور کتابوں کا پیکٹ بھی۔ ان عنایات کے لیے ممنون ہوں۔ مَیں بھٹاچاریہ صاحب کو الگ خط لکھ رہا ہوں[۱]۔ گزشتہ ایک ماہ سے سخت پریشانی کے عالم میں ہوں۔ میرے والد صاحب[۲] قبلہ شدید بیمار ہیں اور اسپتال میں داخل ہیں۔ وقت کا بڑا حصّہ اسپتال میں گزرتا ہے۔ اس پریشانی کی وجہ سے مَیں آپ کو اپنی کتابیں نہیں بھیج سکا۔ چند روز توقف فرمایئے۔ جائزہ مخطوطات اردو لاہور سے آنے ہی والی ہے۔ اقبال کے لیے انجمن ترقیِ اردو کو فون کر رہا ہوں کہ ایک نسخہ آپ کو براہِ راست پوسٹ کر دیں۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ
۵-۹-۷۹ء

....

۱۔ شانتی رنجن بھٹاچاریہ (۱۹۳۰ء-۱۹۹۳ء) کلکتہ کے اردو محقق، نقاد اور مترجم۔ چند تصانیف: بنگالی ہندوؤں کی اردو خدمات۔ بنگال میں اردو زبان و ادب۔ اردو ادب اور بنگالی کلچر وغیرہ۔ ان کا ذکر آیندہ خطوں (۲۲، ۶۰ وغیرہ) میں بھی ملے گا۔

۲۔ مشفق خواجہ کے والد، خواجہ عبدالوحید (۳ر جنوری ۱۹۰۱ء-۲۸ر دسمبر ۱۹۷۹ء) ایک ذی علم، متدیّن اور دردمند انسان تھے۔ محکمہ حسابات کی ملازمت کے باوجود علم و ادب سے گہرا شغف اور تصنیف و تالیف کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ انھیں انگریزی زبان پر ایسی دسترس حاصل تھی کہ علامہ عبداللہ یوسف علی اور عبدالماجد دریابادی نے اپنے تراجمِ قرآن، خواجہ صاحب سے نظرِثانی کروائے تھے۔ ان کا شمار علامہ اقبال کے قریبی احباب میں ہوتا ہے۔ علامہ کے آخری ایام میں شام کو وہ بالالتزام ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اس زمانے میں وہ روزنامچہ لکھتے رہے، جسے مشفق خواجہ صاحب نے حواشی کے ساتھ مرتب کیا اور کتابت کرا کے پروف پڑھ کر، اپنی وفات سے پہلے اسے اشاعت کے لیے تیار کر دیا تھا۔ یہ روزنامچہ 'یادِ ایام' کے نام سے ادارۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی کے جریدہ (شمارہ ۳۳) میں شائع ہو گیا ہے۔ چند تصانیف و تالیفات: *A Bibliography of Iqbal*، موضوعاتِ قرآنی اور انسانی زندگی، تبویب القرآن، *Islamic Back ground of Modern Science* وغیرہ۔ مزید دیکھیے: ''تصریحات'' ص ۲۷۷

۷

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

جسارت میں اقبال پر تبصرہ دیکھا۔ آپ نے جس مخلصانہ انداز سے اس کتاب پر توجہ کی ہے، اُس کے لیے آپ کا ممنون ہوں۔ اس کا بھی شکریہ کہ آپ نے بعض اغلاط کی نشان دہی کی۔ علامہ اقبال کی تصویر مَیں نے اس لیے شامل نہیں کی کہ اُس کی چھپائی اتنی مدّھم تھی کہ فلم نہ بن سکی۔[۱]

میری دوسری کتاب جائزہ مخطوطاتِ اردو بھی آپ کو جلد ہی ملے گی۔ تاخیر کا سبب یہ ہے کہ اردو بورڈ والوں نے دفتر منتقل کیا ہے[۲]۔ تمام نظام درہم برہم ہے، اس لیے وہ مجھے کتاب کے مزید نسخے نہیں بھیج سکے۔ ویسے مَیں نے انھیں اہلِ علم کی ایک فہرست دی تھی کہ ان حضرات کو میری کتاب ضرور بھیجی جائے۔ اس میں آپ کا نام نامی بھی شامل تھا۔ بورڈ والوں نے میری اس گزارش کو منظوری کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔ مجبوراً مَیں نے کتاب کے مزید نسخے قیمتاً منگوائے ہیں، تاکہ اپنے کرم فرماؤں کو بھیج سکوں۔

میرے والد صاحب قبلہ کی بیماری کا عالم وہی ہے۔ دعا کیجیے کہ وہ صحت یاب ہو جائیں۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ
۱۱-۱۱-۷۹ء

....

۸

ذیل کا مکتوب سیاہ حاشیے کے ساتھ مطبوعہ صورت میں ہے اور خواجہ عبدالوحید مرحوم کے

۱۔ اقبال (مولوی احمد دین، مرتبہ: مشفق خواجہ) پر میرا تبصرہ روزنامہ جسارت کراچی (۶ نومبر ۱۹۷۹ء) میں شائع ہوا تھا۔ کتاب کی طبع اوّل میں علامہ اقبال کی ایک تصویر بھی شامل تھی، راقم نے تبصرے میں کہا تھا کہ طبع دوم میں اسے بھی شامل کرنا چاہیے تھا۔

۲۔ مرکزی اردو بورڈ کا دفتر پہلے گلبرگ میں تھا۔ قریب کے زمانے میں بورڈ اپنی موجودہ نوتعمیر شدہ عمارت (شاہراہِ قائداعظم، نزد میاں میر پُل) میں منتقل ہوا تھا اور اس کے ڈائریکٹر معروف ادیب، افسانہ نگار اور ڈراما نگار اشفاق احمد (۲۲ راگست ۱۹۲۵ء۔ ۷ ستمبر ۲۰۰۴ء) تھے۔ اب اس کا نام اردو سائنس بورڈ ہے۔

٦٩۔ ایم۔ بلاک ٢
پی ای سی ایچ ایس۔ کراچی

مکرمی و محترمی۔

اسلام علیکم۔

ہمارے والد محترم خواجہ عبدالوحید مرحوم کے سانحہ ارتحال پر آپ کا تعزیت نامہ ہم سب کے لئے بے حد طمانیت کا باعث ہوا ہے۔ آپ کی اس مخلصانہ غم گساری کے لئے ہم تہ دل سے ممنون ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

والد محترم کے سایۂ شفقت سے محرومی بلاشبہ ہمارے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے، مگر رضائے الٰہی سب باتوں پر مقدم ہے۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے حضور درجات عالیہ عطا فرمائے۔

بخدمت گرامی
پروفیسر رفیع الدین ہاشمی
سرگودھا

آپ کی دعاؤں کے محتاج
خواجہ عبدالوحید مرحوم
کے
فرزندان و دختران

مشفق خواجہ
۱۸-۲-۸۰

فرزندان ودختران کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ آخر میں خواجہ صاحب کے دستخط مع تاریخ ثبت ہیں۔

۶۹۔ ایم۔ بلاک ۲
پی ای سی ایچ ایس، کراچی

مکرمی ومحترمی، السلام علیکم

ہمارے والدمحترم خواجہ عبدالوحید مرحوم کے سانحۂ ارتحال پر آپ کا تعزیت نامہ ہم سب کے لیے بے حد طمانیت کا باعث ہوا ہے۔ آپ کی اس مخلصانہ غم گساری کے لیے ہم تہِ دل سے ممنون ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

والدِ محترم کے سایۂ شفقت سے محرومی بلاشبہ ہمارے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے، مگر رضائے الٰہی سب باتوں پر مقدم ہے۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے حضور درجاتِ عالیہ عطا فرمائے۔

آپ کی دعاؤں کے محتاج
خواجہ عبدالوحید مرحوم
کے
فرزندان ودختران
مشفق خواجہ
۳۔۲۔۸۰ء

....

۹

محترمی ومکرمی، سلام مسنون

برادرم عقیل صاحب کے ذریعے آپ کی کتاب اقبال کی طویل نظمیں ملی، اس عنایت کے لیے شکر گزار ہوں[۱]۔ یہ کتاب پہلے بھی میری نظر سے گزر چکی ہے اور اب عطیۂ خاص کی حیثیت سے اس کا مطالعہ کروں گا۔ آپ کا خاموشی سے علمی کام انجام دیتے رہنا اُن سب لوگوں

۱۔ مَیں نے مذکورہ کتاب کا تازہ اڈیشن (سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۱ء) خواجہ صاحب کو پیش کیا تھا۔

تخلیقِ ادب

۳۔ڈی ۹/۲۶ ناظم آباد۔ کراچی ۱۸۰۰۰

محترمی و مکرمی - سلام مسنون

برادرم عقیل ہاشمی کے ذریعے آپ کی کتاب "اقبال کی طویل نظمیں" ملی، اس عنایت کے لیے شکرگزار ہوں۔ یہ کتاب پہلے بھی میری نظر سے گزر چکی ہے، اور اب عطیۂ خاص کی حیثیت سے اس کا مطالعہ کروں گا۔

آپ کا خاموشی سے علمی کام انجام دیتے رہنا، اُن سب لوگوں کے لیے دلی مسرت کا باعث ہے جو آپ سے خلوص کا رشتہ استوار رکھتے ہیں۔

خدا کرے آپ بخیریت ہوں۔

آپ کا خیر اندیش

مشفق خواجہ

۸۱-۱۱-۱۵

بخدمت گرامی
جناب رفیع الدین ہاشمی
سرگودھا

کے لیے دلی مسرّت کا باعث ہے، جو آپ سے خلوص کا رشتہ استوار رکھتے ہیں۔
خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ
۱۵۔۱۱۔۸۱ء

....

۱۰

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

آپ کی کتاب کے شکریے میں خط لکھ چکا ہوں۔ اُمید ہے، ملا ہوگا۔ اس وقت ایک زحمت دے رہا ہوں۔ مجھے علامہ اقبال کے سات غیر مطبوعہ خط ملے ہیں، جو مہاراجہ کشن پرشاد شاد[1] کے نام ہیں۔ مَیں نے تصدیق نہیں کی کہ غیر مطبوعہ ہیں بھی یا نہیں۔ خطوطِ اقبال کے تمام مجموعے، جو میرے پاس تھے، وہ ایک دوست لے گئے ہیں اور فی الوقت وہ دوبئی میں ہیں، لہٰذا مجموعے فوری طور پر واپس نہیں مل سکتے۔ مَیں اُن خطوں کے آغاز و اختتام کی عبارتیں درج کر رہا ہوں۔ چونکہ اقبال کا ہر خط آپ کی نظر میں ہے، اس لیے آپ آسانی سے ان کے مطبوعہ یا غیر مطبوعہ ہونے کے بارے میں بتا سکیں گے۔

خط نمبر ۱ لاہور، ۶ر اکتوبر ۷۱ء۔ سرکارِ والا تبار، تسلیم۔ عید کارڈ مرسلہ مل گیا تھا...... مخلصِ قدیم محمد اقبال لاہور (دس سطریں)

خط نمبر ۲ لاہور، ۱۱ر جولائی ۱۸ء۔ سرکارِ والا تبار، تسلیم۔ آج سید ناظر الحسن صاحب ایڈیٹر رسالہ ذخیرہ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ کے صاحب زادہ بلند اقبال کئی دن بخار میں مبتلا رہ کر انتقال کر گئے...... مخلص محمد اقبال۔ لاہور (نو سطریں)

خط نمبر ۳ سرکارِ والا تبار، تسلیم۔ حاملِ رقعہ مولوی سید ابراہیم ہیں۔ یہ حیدر آباد جاتے ہیں...... مخلص قدیم محمد اقبال۔ لاہور۔ ۲۲ر نومبر ۱۷ء (۱۰ سطریں)

۱۔ مہاراجا کشن پرشاد شاد (۲۸ر فروری ۱۸۶۴ء۔ ۹ر مئی ۱۹۴۰ء) ریاست حیدر آباد دکن کے صدر اعظم۔ طبعاً وسیع المشرب۔ علامہ اقبال سے ان کے قریبی تعلقات کا اندازہ اقبال بنام شاد (مرتبہ: محمد عبداللہ قریشی، بزم اقبال لاہور، ۱۹۸۶ء) سے لگایا جا سکتا ہے۔ ستر سے زائد نثری کتابیں ان سے یادگار ہیں۔

خط نمبر۴ سرکار والا تبار، تسلیم۔ بندۂ درگاہ کو بہت عرصہ...... مولوی ظفر علی خاں کے اخبار میں...... مخلصِ قدیم محمد اقبال، لاہور ۷/اکتوبر ۷ء۔ (۶ سطریں)

خط نمبر۵ لاہور، ۷/اکتوبر ۷ء سرکار والا تبار، تسلیم۔ نوازش نامہ مل گیا ہے۔ سرکار نے جو کچھ لکھا ہے، بالکل بجا اور درست ہے...... اُمید ہے کہ سرکار کا مزاج بہ ہمہ وجوہ بخیر ہوگا۔ مخلص قدیم محمد اقبال، لاہور (۳۱ سطریں)

خط نمبر۶ لاہور یکم فروری ۱۸ء۔ سرکار والا تبار، تسلیم۔ ایک عریضہ بجواب والا نامۂ سرکار ارسال خدمت کر چکا ہوں...... سید ناظر الحسن ایڈیٹر ذخیرہ کے خط سے کبھی کبھی سرکار کی خیر و عافیت معلوم ہو جاتی ہے۔ مخلص محمد اقبال (۳۵ سطریں)۔

سات میں سے دو خط ذرا طویل ہیں۔ باقی مختصر ہیں، جن پر تاریخیں نہیں ہیں، لیکن یہ بھی باقی خطوں کے زمانۂ تحریر ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ میرا ارادہ ان کو تخلیقی ادب میں شائع کرنے کا ہے[۲]۔

آپ کے جواب کا بے تابی سے انتظار کروں گا۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۸۔۱۱۔۸۱ء

......

۱۱

محترمی و مکرمی، تسلیم

دو خط اس سے پہلے لکھ چکا ہوں، یہ تیسرا ہے۔ پہلے دو خط سرگودھا کے پتے پر لکھے تھے۔ ابھی ابھی معین الدین عقیل صاحب نے بتایا ہے کہ آپ سرگودھا کا مکان چھوڑ چکے ہیں، اس لیے شاید وہ خط آپ کو نہ ملیں۔ پہلے خط میں آپ کی کتاب کی وصولی کی رسید تھی، شکریے کے ساتھ۔

۲۔ مَیں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا، یہ سب خطوط مطبوعہ ہیں۔ خواجہ صاحب کو اس کی اطلاع دے دی، چنانچہ یہ تخلیقی ادب میں شائع نہیں کیے گئے۔

دوسرے خط میں اقبال کے چند خطوں کے بارے میں کچھ جواب طلب باتیں لکھی تھیں[۱]۔

اگر میرے خط مل گئے ہیں تو جواب عنایت فرمائیے۔ اگر نہیں ملے تو مطلع فرمائیے کہ اقبال کے خطوں کے بارے میں دوبارہ لکھوں۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص

مشفق خواجہ

۱۸۔۱۱۔۸۱ء

بخدمتِ گرامی

جناب محمد رفیع الدین ہاشمی صاحب

لاہور۔

....

۱۴

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

محترم ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے آپ کی تازہ کتاب عنایت فرمائی[۱]۔ اس عنایت کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ گزشتہ دو دنوں سے مَیں اس کتاب کی سیر کر رہا ہوں۔ یقین کیجیے کہ آپ کی نظر کی وسعت اور گہرائی کا دل پر بے حد اثر ہوا ہے اور میری معلومات میں جو اضافہ ہوا ہے، وہ میرا خالص منافع ہے۔ خدا آپ کو صحت و شادمانی کی دولت سے مالا مال رکھے کہ آپ اس قسم کے کارنامے انجام دیتے رہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے ذریعے جائزہ مخطوطات کا ایک نسخہ ارسال کیا ہے۔ اُمید ہے، مل ہوگا۔ اس کے ساتھ دو اور کتابیں بھی ہیں، جو دوستوں کی تصانیف ہیں۔ اگر موقع ملے تو ان کے

۱۔ اگرچہ تبادلہ ہونے پر مَیں ۱۴ر نومبر ۱۹۸۱ء کو سرگودھا چھوڑ کر لاہور آ گیا تھا (اور ۱۵ر نومبر کو گورنمنٹ کالج لاہور سے بطور اسسٹنٹ پروفیسر اردو، وابستہ ہو گیا)، تاہم خواجہ صاحب کے دونوں سابقہ خطوط محررہ ۱۵ اور ۱۸ر نومبر مجھے مل گئے تھے۔

(۱۴)

۱۔ تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، شائع کردہ: اقبال اکادمی پاکستان لاہور، نومبر ۱۹۸۲ء۔ یہ میرا ڈاکٹریٹ کا مقالہ تھا۔ مکرر نظر ثانی شدہ اشاعت: ۲۰۰۱ء۔

بارے میں کہیں کچھ لکھ دیجیے گا۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۵۔۱۲۔۸۲ء

....

۱۳

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

پہلے آپ کی گراں قدر کتاب خطوطِ مودودی ملی اور پھر گرامی نامہ۔ اس عنایت کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ یہ کتاب مرتب کر کے آپ نے ایک بڑا کام انجام دیا ہے۔ اردو کے مکاتیبی ادب میں یہ کتاب یقیناً ایک گراں قدر اضافہ ہے[۱]۔ مولانا مودودی مرحوم و مغفور کی دینی اور علمی حیثیت اُن کی ادبی حیثیت پر اس حد تک غالب آ گئی ہے کہ اُن کے ادبی پہلو خصوصاً اسلوب کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔ میری رائے میں مولانا نے اردو کو ایک ایسا توانا اسلوب دیا ہے، جو ہر قسم کے مطالب کے ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو، اگر آپ کبھی اس موضوع پر تفصیل سے لکھیں[۲]۔

اقبال از احمد دین کے سلسلے میں آپ نے بہت مفید معلومات سے نوازا ہے۔ آپ کا گرامی

۱۔ خطوطِ مودودی اوّل، (مرتبین: رفیع الدین ہاشمی + سلیم منصور خالد) البدر پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۳ء۔ یہ مجموعہ مولانا مسعود عالم ندوی کے نام سید مودودی کے پچاس خطوط (مع حواشی و تعلیقات) پر مشتمل ہے، نیز مکتوب نویس اور مکتوب الیہ کے سوانح، روابط اور خطوط پر تبصرہ شامل ہے۔

۲۔ مولانا مودودی کی ادبی حیثیت اور ان کے اسلوب پر پروفیسر خورشید احمد کی مرتبہ کتاب ادبیاتِ مودودی (اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۷۲ء و مابعد) میں پروفیسر ضیا احمد بدایونی، ڈاکٹر ابو اللّیث صدیقی، ماہر القادری، ڈاکٹر محمد احسن فاروقی، ڈاکٹر سید محمد یوسف اور سید ابوالخیر کشفی کے تنقیدی مضامین شامل ہیں۔ راقم کی معلومات کی حد تک بھارت کی بعض یونی ورسٹیوں میں مولانا کی ادیبانہ حیثیت پر پی ایچ ڈی کے تین مقالے لکھے جا چکے ہیں۔ پاکستان میں بھی ایم اے اور ایم فل سطح کے دو مقالے لکھے گئے اور پی ایچ ڈی کا ایک مقالہ زیرِ تنقیح ہے۔

نامہ مَیں نے سنبھال کر رکھ لیا ہے، اس کی روشنی میں نظر ثانی کروں گا[۳]۔

ایک علم دوست شخص ہیں: سید محمد نواز صاحب۔ میرے کرم فرما ہیں۔ ان کے پاس مولانا مودودیؒ کے کچھ خطوط ہیں۔ میرے حوالے سے آپ انھیں ملیے۔ سروس شو کمپنی میں کسی بڑے عہدے پر فائز ہیں۔ اُن کا کوئی اشتہاری ادارہ ہے، جس کے وہ مینجنگ ڈائریکٹر ہیں۔ لاہور ہی میں رہتے ہیں۔ سروس شو والوں کو فون کر کے سید محمد نواز صاحب کا پتا معلوم کیا جاسکتا ہے[۴]۔

میرے پاس بھی مولانا کے کچھ خطوط ہیں۔ تلاش کروں گا اور آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

تخلیقی ادب اِن شاء اللہ اگلے ماہ ضرور شائع ہو جائے گا۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۹۔۷۔۸۳ء

....

۱۴

برادرِ مکرم، سلام مسنون

گرامی نامہ مل گیا تھا، بے حد ممنون ہوں۔

آپ[۱] نے شاید مجھے پیشہ ور کالم نویس سمجھ لیا ہے کہ جیسے یہ میرا ذریعۂ معاش ہو یا عادت

۳۔ اس سلسلے میں مَیں نے چند تجاویز پیش کی تھیں اور کتاب پر جسارت کراچی میں ایک تبصرہ بھی کیا تھا (۶ر نومبر ۱۹۷۹ء)، ان کا ذکر مَیں نے اقبال اکادمی سے ۲۰۰۶ء میں شائع شدہ اس کتاب کے تازہ اڈیشن میں کر دیا ہے۔

۴۔ مَیں نے سید محمد نواز (م: نومبر ۱۹۸۹ء، لاہور) سے ملاقات کر کے دو خط حاصل کر لیے تھے، جو خطوطِ مودودی دوم (ناشر: منشورات لاہور، ۱۹۹۵ء) میں شامل ہیں۔ سید محمد نواز بہت نفیس انسان تھے۔ مزید دیکھیے: کتاب مذکور۔

(۱۴)

۱۔ نامور صحافی محمد صلاح الدین (۵ر جنوری ۱۹۳۵ء۔ ۴ر دسمبر ۱۹۹۴ء) روزنامہ جسارت کراچی کے مدیر تھے اور خواجہ صاحب 'خامہ بگوش' کے قلمی نام سے اس میں ہفتہ وار ادبی کالم 'سخن در سخن' .... ←

......زندگی کے راستے میں بے شمار مقامات ایسے آتے ہیں، جہاں آدمی کچھ دیر رُک کر گردوپیش کے مناظر سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ کالم نگاری کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ نہ صرف اب، بلکہ اس سے پہلے بھی بارہا دوسری جگہوں سے خامہ فرسائی کی دعوت مل چکی ہے، لیکن: ع

جس کو ہوں جان و دل عزیز، اُس کی گلی میں جائے کیوں

کالم نگاری کی وجہ سے ہفتے میں دو دن میرے ذہن پر بوجھ رہتا تھا اور باقی پانچ دن پڑھنے والوں کے ذہنوں پر۔ خدا کا شکر ہے کہ اب ہم سب آرام سے ہیں۔

والد صاحب مرحوم کے نام مولانا مودودیؒ کے خطوط آپ کو ضرور پیش کروں گا۔ اس سال کاغذات کی ترتیب کے کام کو اوّلیت دے رہا ہوں[۲]۔ کیا آپ نے سید محمد نواز صاحب سے مولاناؒ کے خطوط حاصل کر لیے تھے؟[۳]

محمد صلاح الدین صاحب کی جسارت سے علاحدگی کی وجہ سے جسارت کو خاصا نقصان پہنچا ہے۔ اس اخبار کی ساری ساکھ اُس اداریہ نویس کی وجہ سے تھی، جسے علیٰحدہ کیا گیا ہے۔ محمد صلاح الدین اور جسارت لازم وملزوم تھے۔ یہ افتراق، بلکہ انشقاق اُن سب لوگوں کے لیے تکلیف دہ ہے، جو جسارت اور محمد صلاح الدین صاحب دونوں کے خیر خواہ ہیں۔ آخر آپ لوگوں نے کیا سوچا ہے: ع

کچھ علاج اس کا بھی، اے چارہ گراں! ہے کہ نہیں

کیا کوئی صورت ایسی نہیں ہو سکتی کہ سینہ چاکانِ چمن سے پھر سینہ چاک آ ملیں۔ محمد صلاح الدین صاحب نے جسارت کے لیے جو قربانیاں دی ہیں، اُن کی کوئی دوسری مثال برصغیر کی صحافت کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ کیا یہ شخص اسی سلوک کا مستحق تھا؟ آپ جماعت والوں کو سمجھایئے[۴] کہ اگر جسارت کو زندہ رکھنا ہے تو یکم جنوری ۸۴ء سے پہلے کی صورت حال کی طرف لوٹنا ضروری ہے۔

بقیہ: لکھتے تھے۔ مدیر کے استعفے کے ساتھ ہی، خامہ بگوش نے بھی کالم لکھنا بند کر دیا۔ راقم نے ۱۷ر جنوری کے خط میں لکھا تھا کہ آپ کو مختلف اخبارات اپنے ہاں لکھنے کی پیش کش کریں گے، لیکن میری درخواست ہے کہ محمد اصلاح الدین صاحب اپنا ہفت روزہ پرچہ جاری کریں تو ان کے پرچے میں کالم لکھیں۔ یہ ان کے جوابی تاثرات تھے۔ بعد ازاں محمد صلاح الدین صاحب نے تکبیر جاری کیا تو خواجہ صاحب نے پہلے شمارے سے اس میں دوبارہ کالم لکھنا شروع کر دیا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: تکبیر کا شمارہ ۲۹ر دسمبر ۱۹۹۴ء۔

۲۔ بعد ازاں خواجہ صاحب نے ایک خط بھیجا تھا، لیکن مزید خطوط نہ بھجوا سکے۔

۳۔ دیکھیے خط ۱۳، حاشیہ ۴۔

۴۔ یہ خواجہ صاحب کی خوش خیالی تھی کہ مَیں یہ کام کر سکتا ہوں۔

لاہور میں آپ سے ملاقات مختصر رہی۔ جی چاہتا تھا کہ دیر تک آپ سے بات چیت ہو، لیکن لاہور کا قیام اتنا مختصر تھا کہ آپ سے دوبارہ ملاقات نہ ہوسکی۔ بہر حال آیندہ سہی!

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۳۰۔۱۔۸۴ء

....

۱۵

محترمی ومکرمی، سلام مسنون

بہت دنوں بعد حاضر خدمت ہو رہا ہوں اور وہ بھی اپنی ایک ضرورت سے۔ اگست کے آخر میں شاید لاہور آؤں۔ اِن شاء اللہ ملاقات ہوگی۔

ڈاکٹر گیان چند کے ایک خط کا عکس بھیج رہا ہوں۔ اس سلسلے میں آپ کی توجہ درکار ہے۔ اس کا جواب آپ لکھ دیجیے، جو مَیں اپنے خط کے ساتھ انھیں بھیج دوں گا۔

اس عنایت کا پیشگی شکریہ۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۳۱۔۷۔۸۵ء

....

۱۶

محترمی ومکرمی، سلام مسنون

یہ میری خوش قسمتی ہے کہ ۶ رمئی کو آپ سے مفصّل ملاقات کا موقع مل گیا، ورنہ مَیں نے سوچ رکھا تھا کہ تحسین صاحب کے ساتھ آپ کے درِ دولت پر دستک دوں گا۔ آپ نے خود

تشریف لا کر بڑا کرم فرمایا[۱]۔

آپ سے کسی کلاسیکی کتاب کی تدوین کے بارے میں جو گفتگو ہوئی تھی، اُس کے سلسلے میں یہاں آ کر سوچا تو یہی مناسب نظر آیا کہ کلیات پروانہ (جسونت سنگھ) تدوین کے لیے آپ کو دیا جائے۔ تحسین صاحب چونکہ مسیر طالبی کے ترجمے میں مصروف رہیں گے، اس لیے اُنھیں بعد میں کوئی اور دیوان دے دیا جائے گا۔ یہ بات میں تحسین صاحب کو بھی لکھ رہا ہوں[۲]۔

پروانہ کے کلام کی تدوین آسان ہے کہ اس کے صرف دو ہی نسخے ملتے ہیں۔ یہ دونوں میرے پاس ہیں۔ پروانہ پر جائزہ مخطوطاتِ اردو کا نوٹ ملاحظہ فرما لیجیے، نیز سہ ماہی غالب (شمارہ اوّل، ۱۹۷۵ء) بھی دیکھ لیجیے۔ اس کے بعد آپ فیصلہ کیجیے کہ یہ کام انجام دینا آپ پسند فرمائیں گے یا نہیں۔ آپ کا جواب آنے پر دونوں مخطوطوں کے عکس بھجوا دوں گا۔ میرے پاس ایک مختصر انتخاب کلام بھی ہے، جس کا ذکر جائزے میں ہے۔ یہ بھی بھیج دوں گا[۳]۔

مکتبہ اسلوب کی مطلوبہ کتابوں کی فہرست بھیج دیجیے۔ آپ کا گرامی نامہ آتے ہی یہ کتابیں ارسال خدمت کر دوں گا۔

اب اگلی ملاقات آپ سے کراچی میں ہونی چاہیے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۳۔۵۔۸۶ء

۱۔ خواجہ صاحب ۲رمئی کو کراچی سے لاہور پہنچے تھے۔ قیام فلیٹیز ہوٹل میں رہا۔ ۷رمئی کی شام واپس چلے گئے۔ انھوں نے یہ سفر اقبال اکادمی کی دعوت پر کیا تھا، غالباً بہ سلسلہ اقبال اوارڈ۔ اسی قیام لاہور کی ایک دوپہر اورنگ زیب صاحب نے خواجہ صاحب کے اعزاز میں اپنے گھر (واقع سمن آباد) پر دعوت طعام کا اہتمام کیا، جس میں تحسین فراقی اور راقم بھی شریک ہوئے۔ اورنگ زیب صاحب کے والد محترم ملک طالب حسین مجو کا علیگ (م:۱۹۸۶ء) سے بھی ملاقات ہوئی۔

۲۔ مسیر طالبی فی بلاد افرنجی فارسی زبان میں ابو طالب اصفہانی لندنی کا سفرنامہ ہے۔ یہ آخر ۱۸رویں صدی کی تصنیف ہے۔ اس کا جزوی ترجمہ مخزون مراد آبادی نے کیا تھا۔ ایک ناقص ترجمہ ثروت علی کا بھی ہے۔ خواجہ صاحب کی تجویز پر تحسین صاحب نے مسیر طالبی کا ترجمہ کرنے کا عزم تو کر لیا اور یہ عزم کئی برس تک برقرار رہا، مگر اب وہ یہ ارادہ ترک کر چکے ہیں۔

۳۔ لاہور میں ملاقات پر خواجہ صاحب نے تجویز پیش کی کہ کسی کلاسیکی متن کو مدوّن کروں۔ .... ←

۱۷

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

مَیں نے کراچی آنے کے بعد ۱۳ رمئی کو خط لکھا تھا، اُسی روز آپ نے بھی کرم فرمایا۔ آپ کا خط ملتے ہی مَیں نے مکتبہ اسلوب کی کتابیں بذریعہ رجسٹری بھجوا دیں اور اس انتظار میں رہا کہ ان کی رسید آ جائے تو خط لکھوں۔ کیا یہ کتابیں آپ کو مل گئی تھیں؟ مَیں نے جو خط لکھا تھا، اُس میں ایک آدھ بات جواب طلب تھی۔ توجہ فرمایئے۔

حیدر آباد اسٹیٹ آرکائیو کی فہرست کتب اور تعارفی کتابچہ مل گیا[1]۔ اس عنایت کے لیے ممنون ہوں۔

جولائی میں تحسین فراقی صاحب کراچی آ رہے ہیں۔ ماہر القادری سیمی نار میں شرکت کے لیے۔ کیا ہی اچھا ہو، اگر آپ اُن کے ساتھ آ جائیں۔ بقولِ عدم: دعائیں دے گا غریب خانہ[2]۔

ڈاکٹر ریاض الحسن کے نام علامہ اقبال کا خط (انگریزی) کیا کہیں چھپا ہے[3]؟

بھوپال کے ممنون حسن خاں[4] صاحب نے اقبال سے متعلق کچھ کتابوں کی فہرست بھیجی

بقیہ: راقم رضا مند ہو گیا، لیکن جب انھوں نے کلیاتِ پروانہ کا عکس بھیجا تو راقم نے اس کام سے معذرت کی، کیوں کہ مَیں خود کو اس تدوین کا اہل نہیں سمجھتا تھا۔

(۱۷)

۱۔ راقم یہ دونوں چیزیں اپریل ۱۹۸۶ء میں حیدر آباد دکن سے لایا تھا۔

۲۔ افسوس ہے، عین انھی دنوں بیمار ہو گیا اور کراچی نہ جا سکا۔

۳۔ نامور مؤرخ اور محقق ڈاکٹر ریاض الحسن (م: ۱۵ راگست ۲۰۰۷ء) کے نام یہ خط راقم کی مرتبہ کتاب خطوط اقبال (مکتبہ خیابانِ ادب لاہور، ۱۹۷۶ء) میں شامل ہے۔

۴۔ اقبال کے قیامِ بھوپال کے زمانے میں سر راس مسعود (م: ۳۰ رجولائی ۱۹۳۷ء) نے ممنون حسن خاں (م: ۲۲ رفروری ۱۹۹۵ء) کو یہ ذمہ داری سونپی تھی کہ وہ ہمہ وقت اقبال کے پاس رہیں اور ان کی ضروریات کا خیال رکھیں۔ ممنون حسن خاں اقبال کے بے حد معتقد تھے اور خود کو 'کفش بردارِ اقبال' کہا کرتے تھے۔ انھی کی کوشش سے بھوپال میں 'اقبال ادبی مرکز' قائم ہوا اور سرکاری سطح پر ایک پارک 'اقبال میدان' سے منسوب کیا گیا۔ بھوپال کے بعض اقبال دوست (مثلاً ماسٹر اختر صاحب) اقبال سے ممنون حسن خاں کے اس قریبی تعلق کو سراسر مبالغہ قرار دیتے ہیں۔ مزید تفصیل دیکھیے: راقم کی کتاب اقبالیاتی ادب کے تین سال (لاہور، ۱۹۹۳ء) ص ۱۲۲-۱۲۳، اور مجلسِ ممنون، مرتب: پروفیسر آفاق احمد۔ کل ہند علامہ اقبال ادبی مرکز بھوپال، ۱۹۹۸ء۔

ہے، جن کی اُنھیں ضرورت ہے۔ از رہِ کرم اس فہرست کو دیکھ کر مطلع فرمائیے کہ ان میں سے کون سی بازار سے مل سکتی ہیں اور کون سی نایاب ہیں۔ بعض کتابوں کے نام اور مصنفین مشکوک نظر آتے ہیں۔ آپ کا جواب آنے پر کتابیں مَیں اپنے ذرائع سے حاصل کرلوں گا۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیراندیش
مشفق خواجہ
۷۔۶۔۸۶ء

....

۱۸

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

گرامی نامہ ملا، اس عنایت کے لیے ممنون ہوں۔ مجھے بے حد شرمندگی ہے کہ مَیں نے آپ کی مصروفیات کا خیال نہ کرتے ہوئے اِن سائی کلو پیڈیا کی خریداری کا کام آپ کے سپرد کردیا[۱]۔

یوں کیجیے کہ ان سائی کلوپیڈیا کی تمام مہیا جلدوں کا ایک ایک نسخہ میرے آرڈر میں اضافہ کردیجیے، اس طرح مجموعی قیمت پانچ ہزار روپے سے زیادہ ہوجائے گی۔ مندرجہ ذیل چار جلدوں میں سے جو موجود ہوں، اُن کا ایک ایک نسخہ مزید خرید لیجیے:

۱۴ (۲)۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱

اقبال: جہانِ دیگر کے لیے ایک کتب فروش سے کہہ دیا ہے[۲]۔ اس کے تین نسخے جونھی مجھے ملے، آپ کو بھیج دیے جائیں گے۔ پروفیسر فروغ احمد کی اقبال پر جو کتاب کراچی سے طبع ہوئی ہے، کیا وہ آپ کو مل گئی ہے[۳]؟

۱۔ خواجہ صاحب نے لکھا تھا کہ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونی ورسٹی لاہور کا ایک سیٹ خرید کر انھیں بھیج دیا جائے۔

۲۔ مولانا راغب احسن (۱۹۰۵ء۔۱۹۷۵ء) کے نام اقبال کے خطوں کا مجموعہ، جسے محمد فرید الحق نے مرتب کرکے ۱۹۸۳ء میں کراچی سے شائع کیا تھا۔

۳۔ تفہیم اقبال (شائع کردہ: اردو مرکز سندھ، کراچی، ۱۹۸۵ء) پروفیسر فروغ احمد (م: ۲ر نومبر ۱۹۹۴ء) نقاد، شاعر، ادیب اور صحافی۔ قائد اعظم کالج، ڈھاکا میں اردو کے استاد رہے۔ سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد دوسری ہجرت (اوّلین: بہار سے مشرقی پاکستان) کرکے لاہور آگئے تھے۔

.... ←

اقبالیات میں آپ کا رپورتاژ پڑھا، بہت معلوماتی ہے۔ اب ایک ایسا ہی رپورتاژ 'غیر اقبالی مصروفیات' پر بھی لکھ دیجیے، یعنی کہاں کہاں گئے اور کس کس سے ملاقات ہوئی۔ (ہندوستان کے دوسرے شہروں میں)[۴]۔

میرا ارادہ تھا کہ ستمبر کے آخر اور اکتوبر کے شروع میں کچھ وقت لاہور اور اسلام آباد میں گزاروں گا، لیکن ان دنوں میں میرا چھوٹا بھائی ایک طویل عرصے کے بعد امریکہ سے آ رہا ہے، اس لیے اس سفر کو ایک مہینہ آگے بڑھانا پڑے گا۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۰۔۹۔۸۶ء

....

۱۹

محترمی ومکرمی، سلام مسنون

۲۰ ستمبر کو آپ کے گرامی نامے کے جواب میں ایک خط لکھ چکا ہوں۔ اُمید ہے، ملا ہوگا۔ آج کی ڈاک سے اقبال: جہانِ دیگر کے تین نسخے بذریعہ رجسٹری بھیجے ہیں، یہ آپ کی نذر ہیں۔

مَیں نے اپنے سابقہ خط میں عرض کیا تھا کہ اِن سائی کلو پیڈیا کی تمام مہیا جلدوں کا ایک ایک نسخہ میرے آرڈر میں اضافہ کر لیجیے۔ مندرجہ ذیل چار جلدوں میں جو موجود ہوں، اُن کا ایک ایک نسخہ مزید خرید لیجیے:

۱۴(۲)۔۱۹۔۲۰۔۲۱

بقیہ: متعدد تصانیف ان سے یادگار ہیں۔ تفصیل دیکھیے: ایم اے اردو کا تحقیقی مقالہ: پروفیسر فروغ احمد، حیات اور خدمات از ناظمہ اعجاز، ۱۹۹۰ء، مخزونہ اورینٹل کالج لائبریری لاہور۔

۴۔ 'ایک یادگار اجتماع' کے عنوان سے، راقم نے عالمی اقبال سیمی نار (حیدر آباد دکن ۱۸ تا ۲۱ر اپریل ۱۹۸۶ء) کی ایک رُوداد لکھی تھی۔ (مطبوعہ: رسالہ اقبالیات لاہور، جولائی ۱۹۸۶ء)۔ اس رُوداد کے علاوہ بھی سفرِ بھارت (حیدر آباد، بھوپال اور دہلی) کا کچھ احوال رقم کرنے کا ارادہ تھا، مگر ایسا نہ ہو سکا۔

اس طرح میرے آرڈر کی مالیت پانچ ہزار روپے سے زائد ہو جائے گی۔
خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
۲۷-۹-۸۶ء

....

۲۰

محترمی ومکرمی، سلام مسنون

آپ کی اس عنایت کا شکریہ ادا کروں تو کیسے؟ ہفتے کے روز، یعنی کل بلٹی ملی اور پھر اُسی وقت کتابیں بھی منگوالیں۔ حساب میں آپ نے [اقبال:] جہانِ دیگر کی قیمت بھی شامل کر لی۔ آپ یقین کیجیے کہ اس کتاب کی مجھے قیمت ادا نہیں کرنی پڑی، پھر آپ سے قیمت کیوں وصول کروں۔ بعض کتابوں کی اتنی قیمت ہی کافی ہوتی ہے کہ وہ اہل لوگوں کے ہاتھ میں پہنچ جائیں۔ سو، یہ قیمت وصول ہوئی۔

آپ نے کل اخراجات -/5497 لکھے ہیں، جبکہ سیلز ڈپو کی رسید -/5507 روپے کی ہے۔ مَیں اسی کے حساب سے -/1507 کا چیک بھیج رہا ہوں۔ جو جلد آپ کے پاس رہ گئی ہے، وہ اگر آپ ڈاک سے بھیج دیں تو کرم ہوگا۔ جو جلدیں انجمن ترقی اردو ہند اور مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کو بھیجی جائیں گی، یہ اُن میں سے ایک ہے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۲-۱۰-۸۶ء

پس نوشت:

تحسین فراقی صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ کی طبیعت ناساز ہے۔ خدا کرے، اب تک آپ بالکل صحت یاب ہو چکے ہوں۔

م خواجہ

۲۱

محترمی ومکرمی، سلام مسنون

آپ کی عنایت سے آج دائرۃ المعارف کی بارہویں جلد بھی مل گئی۔ اس زحمت کا بے حد شکریہ۔

لاہور میں ایک ضروری بات نہ ہو سکی، حالانکہ یہاں سے سوچ کر گیا تھا کہ سب سے پہلے یہی بات کروں گا۔

نفیس اکیڈمی والے اقبال پر مضامین کے چند مجموعے شائع کرنا چاہتے ہیں، یعنی وہ مقالے جو اخبارات و رسائل میں مدفون ہیں اور اس لائق ہیں کہ کتابی صورت میں منظر عام پر لائے جائیں۔ اس قسم کا ایک مجموعہ برادرم فراقی صاحب مرتب کر رہے ہیں؛ ایسے مضامین، جو اقبال کی زندگی میں شائع ہوئے تھے۔ کیا آپ اس قسم کے 'موضوع وار' ایک یا ایک سے زیادہ مجموعے مرتب فرما سکتے ہیں؟[1]

ایک عنوان سوجھا ہے: مطالعہ اقبال...... ہندوستان میں ۔ ہندوستان میں اقبالیات کا جائزہ اور پھر ایک انتخاب۔ آپ کا کیا خیال ہے[2]؟

آپ کی صحت اب کیسی ہے؟

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ

۲۱۔۱۰۔۸۶ء

....

۱۔ خواجہ صاحب کی اس تجویز سے قبل ہی راقم اس نوع کے متعدد مجموعے مرتب کرنے کا کام شروع کر چکا تھا، مثلاً: بھارت میں اقبال شناسی، بھارت میں مطالعۂ اقبال، نشریاتِ اقبال، اقبال ہر مباحثے، اقبالیاتِ سید عبد اللہ وغیرہ۔ اور ان سب کے لیے بہت سا مواد و لوازمہ بھی جمع کر لیا تھا، لیکن یہ سب ابھی تک شرمندۂ تکمیل ہیں، البتہ فراقی صاحب نے مذکورہ مجموعہ نقد اقبال: حیات اقبال میں کے نام سے مرتب کر کے بزم اقبال، لاہور سے ۱۹۹۲ء میں شائع کر دیا تھا۔

۲۔ راقم اس موضوع پر کام تو کرنا چاہتا تھا اور اس سلسلے میں بہت سے مضامین بھی جمع ہو گئے تھے، لیکن یہ منصوبہ بوجوہ رُوبعمل نہ ہو سکا۔

۲۲

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

پچھلے دنوں ایک خط لکھا تھا۔ اُمید ہے، ملا ہوگا۔ ممکن ہے، آپ نے اس کا جواب لکھا ہو۔ ڈاک دس روز سے بند ہے۔ پہلے محکمۂ ڈاک والوں نے ہڑتال کر رکھی تھی، اب پورا شہر ہنگاموں کی زد میں ہے۔ جمعے کے روز سے کرفیو نافذ ہے۔ صورت حال انتہائی پریشان کن ہے۔ خدا جانے، ان باتوں کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ ہم ہندوستان والوں کو ہندو مسلم فسادات کا طعنہ دیتے ہیں اور خود آپس ہی میں خون خرابا کرتے رہتے ہیں۔

یہ خط ایک خاص ضرورت سے لکھ رہا ہوں۔ کلکتہ کے شانتی رنجن بھٹا چاریہ ایک کتاب لکھ رہے ہیں، جس کا موضوع ہے: ''رابندر ناتھ ٹیگور کے اہلِ اردو سے تعلقات''۔ اس سلسلے میں اقبال اور ٹیگور کے مراسم پر بھی وہ لکھیں گے۔ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ کیا اقبال نے اپنی تحریروں میں ٹیگور کا کہیں ذکر کیا ہے۔ ٹیگور، لاہور گئے تھے تو اُن کی اقبال سے ملاقات ہوئی تھی یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟[۱]

اس سلسلے میں رہنمائی کیجیے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۳-۱۱-۸۶ء

....

۲۳

راقم الحروف کو اپنے استاد ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کے لیے ایک علمی ارمغان تیار کرنے کا خیال آیا۔ خواجہ صاحب، ڈاکٹر صاحب کے عزیز ترین دوست تھے، اس لیے سب سے پہلے مَیں نے انھی کو خط لکھ کر اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ جواباً ان کا حسب ذیل خط موصول ہوا:

۱۔ ٹیگور لاہور آئے تھے، مگر ملاقات نہ ہو سکی، کیوں کہ ان دنوں علامہ لاہور میں موجود نہ تھے۔ اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد اکرام چغتائی کی کتاب: Iqbal and Tagore، سنگِ میل لاہور، ۲۰۰۳ء۔

محترمی ومکرمی، سلام مسنون

ابھی کچھ دیر پہلے آپ کا گرامی نامہ ملا۔ اس عنایت کے لیے سراپا سپاس ہوں۔
یہ عجیب اتفاق ہے کہ ڈاکٹر وحید قریشی کو ارمغان علمی پیش کرنے کا خیال کئی مہینے پہلے میرے دل میں بھی آیا تھا۔ گویا استادِ ازل نے یہ بات ایک ہی وقت میں ہم دونوں کے دل میں ڈالی۔ مَیں نے بس یہ غلطی کی کہ آپ سے مشورہ نہ کیا۔ دائیں طرف جو نام آپ کو نظر آ رہے ہیں۔ ان سب کی تحریری منظوری حاصل کر چکا ہوں۔ قاسمی صاحب کو بتا دیا تھا کہ اس مجلس میں ڈاکٹر وزیر آغا کو شامل کیا ہے اور ڈاکٹر وزیر آغا کو بھی مطلع کر دیا تھا کہ قاسمی صاحب مجلس کے صدر ہوں گے۔ ان دونوں کی فراخ دلی ہے کہ میری خاطر 'یک جائی' گوارا کر لی۔ کاش، آپ کا خط پہلے آ جاتا تو مَیں اس مجلس میں آپ کو بھی شامل کر لیتا۔ بہرحال ارمغان جب چھپے گا تو اس میں آپ کا نام نامی شامل ہوگا۔ آپ ہی اس کے مرتب ہوں گے۔ مقالے کی تیاری بھی ابھی سے شروع کر دیجیے۔
اب تک جو کام ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ مَیں نے ہندوستان کے متعدد اہلِ علم کو خط لکھے تھے۔ بہت سوں نے مضامین لکھنے کا وعدہ کیا ہے۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا مضمون موصول ہو چکا ہے۔ رشید حسن خاں صاحب کا مضمون آج کل میں آنے ہی والا ہے۔ پاکستانی اہل قلم کو اسی ہفتے خط لکھوں گا۔ ازرہِ کرم ایسے پاکستانی اہل قلم کے ناموں کی فہرست بنا دیجیے، جنھیں خط لکھے جائیں۔ لاہور کی حد تک مقالوں کی فراہمی کا کام آپ ہی کو کرنا ہوگا۔
ارمغان میں صرف علمی وادبی مقالات شامل کرنے کا منصوبہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت پر صرف ایک مضمون ہوگا۔ یہ مضمون ڈاکٹر گوہر نوشاہی لکھ رہے ہیں۔[1]
آپ کے دونوں خط مل گئے تھے، لیکن یہاں جو حالات رہے، اُن کی وجہ سے طبیعت سخت بیزار تھی۔ کوئی کام کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ اسی وجہ سے مَیں ایک چھوٹی سی خدمت بھی انجام نہ دے سکا، یعنی آپ کی مطلوبہ کتابیں نہ بھجوا سکا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ نے یہ کتابیں کسی ذریعے سے حاصل کر لی ہوں۔ بواپسی ڈاک مطلع فرمایئے، مَیں مطلوبہ کتابیں فوراً بھیج دوں گا۔
خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش

۱۔ مجوزہ ارمغان علمی کی تیاری، تدوین اور اشاعت کا تذکرہ آیندہ خطوں میں بکثرت آئے گا۔

مشفق خواجہ

۲-۲-۸۷ء

'مجلس ادبیاتِ مشرق' کے نام سے مَیں نے ایک علمی ادارہ قائم کیا ہے۔اس کے سلسلے میں تفصیلی گفتگو بوقتِ ملاقات ہوگی۔

م خواجہ

....

۲۴

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

کل ہی ایک خط آپ کو لکھ چکا ہوں۔امید ہے، ملا ہوگا۔ایک ضروری بات رہ گئی تھی، وہ اب عرض کرتا ہوں۔

آپ سے یہ طے ہوا تھا کہ آپ نثر کی کوئی کتاب مرتب فرما کر اشاعت کے لیے مجھے دیں گے۔مَیں اس دوران میں ایسی کتاب تلاش کرتا رہا، جو آپ کے مزاج اور دلچسپی کے مطابق ہو۔ مولوی عبدالرزاق کان پوری کی کتاب یادِ ایام ایک دلچسپ اور مفید کتاب ہے۔آپ بیتی بھی ہے اور جگ بیتی بھی۔شخصیات کا تذکرہ بھی ہے اور علمی مباحث کا مجموعہ بھی، اس پر ایک مقدمہ اور کہیں کہیں حواشی لکھنے کی ضرورت ہوگی۔اگر آپ اسے مرتب کرنے پر آمادہ ہوں تو اس کا عکس ارسال خدمت کردوں[۱]۔

آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ

۴-۲-۸۷ء

....

۱۔ میری رضامندی پر خواجہ صاحب نے مجھے یادِ ایام کی عکسی نقل بھیجی، مگر افسوس ہے کہ مَیں اس کی تدوین نہ کرسکا۔عبدالرزاق کان پوری (۲۸ر اکتوبر ۱۸۷۴ء۔۱۸ر فروری ۱۹۴۸ء) ادیب، محقق اور مورخ تھے۔ یادِ ایام کے علاوہ برامکہ اور نظام الملک طوسی ان کی معروف تصانیف ہیں۔

۲۵

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

گرامی نامہ ملا، اس عنایت کے لیے ممنون ہوں۔

ارمغانِ علمی کے سلسلے میں آپ کا شکریہ ادا نہ کروں گا کہ یہ کام میرا اور آپ کا مشترکہ ہے۔ اگلے چند روز میں مَیں اُن اہل علم کو خط لکھوں گا، جن کی فہرست آپ نے بھیجی ہے۔ آپ کو اطلاع دوں گا، تا کہ آپ یاددہانی کراتے رہیں۔ ہندوستان کے اہل علم کو جو خط لکھے تھے، اُن کے بڑے حوصلہ افزا جواب ملے ہیں۔ آپ کی فہرست میں اضافہ ہوگا اور دو تین نام حذف بھی ہوں گے۔ مَیں نے پروگرام یہ بنایا ہے کہ اپریل کے پہلے ہفتے میں کتابت کا کام شروع ہو جائے گا۔ اُس وقت تک آٹھ دس مقالے مل جائیں گے۔ کتاب کی اشاعت سالِ رواں کے آخر تک ممکن ہو گی۔ ڈاکٹر وحید قریشی کی کتابیات ڈاکٹر گوہر نوشاہی نے شائع کردی ہے۔ کیا یہ آپ کو نہیں ملی؟ یہ المعارف، گنج بخش روڈ، لاہور سے شائع ہوئی ہے۔ اگر نہ ملے تو مَیں بھیج دوں گا۔ یہ ۳۷ صفحات کا چھوٹا سا رسالہ ہے[۱]۔

آج مَیں نے آپ کے نام ایک پیکٹ بھیجا ہے۔ اس میں گنجینۂ گوہر[۲] کے ساتھ دو نئی کتابیں بھی ہیں۔ یادِ ایام کا عکس بھی اس میں ہے۔ اس کے شروع کے ۳۰، ۳۵ صفحات پر مَیں نے کاتب کے لیے ہدایات دی ہیں۔ ایسی ہی ہدایات دورانِ مطالعہ آپ بھی درج کرتے رہیں۔ حواشی متعدد مقامات پر لکھنے کی ضرورت ہوگی۔ مصنف کے حالات ڈاکٹر سلیم حامد رضوی[۳] کی بھوپال سے متعلق کتاب میں ہیں، لیکن بہت مختصر ہیں۔ مفصل حالات اُن کی کتابوں کے دیباچوں سے اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ مولوی صاحب کا انتقال ۴۸ء میں ہوا تھا۔ ممکن ہے، معارف میں کوئی ادارتی نوٹ یا مضمون شائع ہوا ہو۔ مَیں ڈاکٹر عبدالقوی دیسنوی کو خط لکھ کر معلومات حاصل کروں گا[۴]۔

۱۔ کتابیاتِ وحید کے نام سے یہ رسالہ ڈاکٹر گوہر نوشاہی نے مرتب کیا تھا۔

۲۔ صاحب اسلوب ادیب اور ساقی کے مدیر شاہد احمد دہلوی (م: ۲۸ مئی ۱۹۶۷ء) کا یہ مجموعۂ مضامین خواجہ صاحب نے مکتبہ اسلوب سے شائع کیا تھا۔

۳۔ سلیم حامد رضوی (م: ۳۰ جنوری ۱۹۶۹ء)

۴۔ پروفیسر عبدالقوی دسنوی (پ: یکم نومبر ۱۹۳۰ء) محقق، ناقد اور ادیب۔ سیفیہ کالج، .... ←

برادرم تحسین فراقی ۱۵ر فروری کو ہندوستان جا چکے ہوں گے۔
آج صبح جو پیکٹ بھیجا ہے، اُس میں ایک کتاب رکھنی بھول گیا ہوں۔ محمد علی اثر[۵] نے حیدر آباد سے اپنی نئی کتاب دکنی غزل آپ کے لیے اپنے کسی عزیز کو بھیجی تھی۔ اب یہ آپ کو دو ایک روز میں بھیجوں گا۔ اسی کے ساتھ ڈاکٹر وحید قریشی والا کتابچہ بھی ہوگا۔ ایک اور کتاب بھیجنا چاہتا ہوں، نام ہے اقبال اور کلامِ اقبال، مرتبین: مبین مرزا، ظفرالحسن، مشفق خواجہ، معین الدین عقیل۔ یہ ۱۹۷۷ء میں طبع ہوئی تھی، شائع اب تک نہیں ہوئی۔ کام مرزا ظفرالحسن[۶] کا ہے۔ میرا نام از رہِ دوستی شامل کر دیا۔ اس کے غیر مجلد نسخے ادارۂ یادگارِ غالب میں رکھے ہیں۔ وہاں سے دو تین نسخے لے آیا تھا۔ اگر یہ کتاب عقیل صاحب نے آپ کو نہ بھیجی ہو تو مَیں بھیج دوں گا۔ اب آپ کا خط آنے کے بعد ہی پیکٹ روانہ کروں گا[۷]۔
یہ مختصر خط متعدد وقفوں کے بعد مکمل کیا ہے۔ اس دوران میں ملنے والے آتے رہے اور مَیں خط چھوڑ کر اُن سے باتیں کرنے لگتا۔ اس بنا پر بے ربطی کے لیے معذرت خواہ ہوں۔
خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۸-۲-۸۷ء

پس نوشت:
۱۴ر فروری کو ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار[۸] کے ساتھ تین چار گھنٹے گزارے۔ ارمغان کے

بقیہ: بھوپال سے بطور صدر شعبۂ اردو سبک دوش ہوئے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: عبدالقوی دسنوی: ایک مطالعہ، مرتبین: ڈاکٹر محمد نعمان + کوثر صدیقی۔ بھوپال ۲۰۰۱ء۔ اس مجموعے میں راقم کا ایک مضمون 'عبدالقوی دسنوی: ایک اقبال شناس' بھی شامل ہے۔
۵۔ ڈاکٹر محمد علی اثر (پ: ۲۲ر دسمبر ۱۹۴۹ء) محقق، نقاد، شاعر اور ادیب۔ متعدد کتابوں کے مصنف۔ حیدر آباد دکن کے ایک کالج میں اردو کے استاد۔ ان سے راقم کی ملاقات ۱۹۸۶ء میں حیدر آباد میں ہوئی تھی۔ مَیں نے انھیں علمی معاملات میں بے حد تعاون کرنے والا پایا۔
۶۔ مرزا ظفرالحسن (۱۹۱۶ء-۱۹۸۴ء) ادارۂ یادگارِ غالب کراچی کے بانی۔ افسانہ نویس، ادیب اور اس سے زیادہ ادیب نواز، فیض احمد فیض کے یارِ غار۔
۷۔ خواجہ صاحب کا مرسلہ اقبال اور کلامِ اقبال کا ایک نسخہ راقم کو مل گیا تھا۔ یہ کتاب آج تک شائع نہیں ہو سکی۔ اقبال پر مختلف اہلِ قلم کے مضامین کا مجموعہ ہے۔
.... ←
۸۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار (۱۵ر اگست ۱۹۲۴ء-۱۳ر جون ۲۰۰۷ء) ادیب، نقاد اور محقق۔

لیے وہ مقالہ دو ماہ بعد بھیجیں گے۔

....

۲۶

برادرِ مکرم، سلام مسنون

گرامی نامہ ملا، ممنون ہوں۔ کتابوں کے پیکٹ کے ساتھ، الگ سے، مَیں نے ایک خط بھی لکھا تھا، جس میں بعض باتیں جواب طلب تھیں، معلوم نہیں یہ آپ کو ملا یا نہیں۔ آج ایک اور پیکٹ بھیج رہا ہوں، دو کتابچے اور چار کتابیں ہیں۔ سفر آشوب، اقبال اور کتابیاتِ وحید کا ایک ایک نسخہ تحسین فراقی صاحب کے لیے ہے، باقی کتابیں آپ کی ہیں۔ مولانا عبدالرزاق کان پوری کے بارے میں کوثر چاند پوری[1] کے ایک مضمون کا عکس بھی اسی پیکٹ میں ہے۔ محمد علی آثر کی کتاب غلطی سے میرے پاس آگئی، لہٰذا آپ کی امانت آپ کے حوالے۔

ارمغانِ علمی کے سلسلے میں آپ نے جو فہرست ارسال کی ہے (ناموں کی)، اُن کو مَیں ابھی خط نہیں لکھ سکا۔ فی الحال ہندوستان کے اہل علم کو خط لکھنے کا سلسلہ جاری ہے۔ لاہور والوں کو خط لکھوں گا تو آپ کو اطلاع دوں گا۔ اگر مقالے زیادہ ہو گئے تو دو جلدوں میں انھیں تقسیم کر دیا جائے گا۔

یادِ ایّام کے عکس کے شروع کے ۳۰۔۳۵ صفحات میں مَیں نے کاتب کے لیے جو ہدایات دی ہیں، آپ بھی اگلے صفحات میں ایسی ہدایات دیتے جایئے۔ حواشی کی ضرورت متعدد مقامات پر ہوگی اور اس کا فیصلہ آپ خود کریں گے کہ کہاں حاشیہ لکھنے کی ضرورت ہے۔ مصنف کے حالات ان کی دوسری تصانیف کے دیباچوں میں ملیں گے۔ مختصر حالات ڈاکٹر سلیم حامد رضوی کی کتاب (بھوپال میں اردو ادب سے متعلق) میں ملیں گے[2]۔

بقیہ: سابق استاد و صدر شعبۂ اردو، پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج، لاہور۔ ملازمت سے سبک دوشی کے بعد چند برس استنبول یونی ورسٹی میں اردو پڑھاتے رہے۔ ۲۷ر مارچ ۱۹۹۴ء سے وفات تک بزمِ اقبال، لاہور کے اعزازی سیکرٹری رہے۔

(۲۶)

۱۔ کوثر چاند پوری (۸ر اگست ۱۹۰۸ء۔۱۳ر جولائی ۱۹۹۰ء) معروف ادیب اور افسانہ نگار۔

۲۔ یہ بتا چکا ہوں کہ یادِ ایّام کی تدوین کا کام انجام نہ دے سکا۔

رفیق خاور صاحب[۳] کا پتا یہ ہے:

32- C, Block II PECHS کراچی

اُمید ہے، آپ خیریت سے ہوں گے۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۱-۳-۸۷ء

آپ کے دولت خانے کا (ڈاک کا) پتا کیا ہے؟

م خواجہ

....

۲۷

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

شرمندہ ہوں کہ آپ کے کئی خطوں کے جواب نہ لکھے۔ پچھلے چند مہینے پریشانیوں کی نذر ہو گئے۔ ۲۳ مارچ کو میرے برادرِ نسبتی کا انتقال ہوا تھا، اس صدمے کی تاب نہ لا کر اُن کی والدہ ۱۷ مئی کو رحلت فرما گئیں۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس صورت حال سے ہم لوگوں پر کیا گزری ہوگی۔ آپ کی بھابی گزشتہ تین ماہ سے اپنی والدہ کے گھر پر ہیں، اُن کی ایک چھوٹی بہن شدید بیمار ہے، جس کی تیمارداری کے لیے اُن کا وہاں رہنا ضروری ہے۔ مَیں بھی روزانہ شام کو وہیں چلا جاتا ہوں۔[۱]

بہر حال یہ سانحے تو انسانی زندگی کا خاصہ ہیں۔ زندگی اسی نوعیت کی پریشانیوں کا نام ہے۔

اس وقت آپ کے چار خط میرے سامنے ہیں، اُن کی جواب طلب باتوں کے سلسلے میں عرض کرتا ہوں۔

عبدالمغنی صاحب کی کتاب (قرۃ العین حیدر) کا مطالعہ کر چکا ہوں[۲]۔ یہ کتاب اس لائق

۳۔ رفیق خاور (۱۹۰۸ء-۱۴ مئی ۱۹۹۰ء) معروف ادیب، نقاد اور مترجم۔ ماہِ نو کے مدیر رہے۔ اردو، انگریزی اور پنجابی میں بہت کچھ لکھا۔ ان کی کتاب اقبال کا فارسی کلام، ۱۹۸۸ء تا ۱۹۹۰ء کے قومی صدارتی اقبال اوارڈ کی مستحق قرار پائی۔ مزید تفصیل دیکھیے: پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ رفیق خاور: احوال و آثار از عبدالروف [امیر] مخزونہ پنجاب یونی ورسٹی لائبریری، لاہور۔

(۲۷)

۱۔ ان حادثات کی تفصیل کے لیے دیکھیے: متونِ خطوط کے آخر میں 'تصریحات' ص ۲۷۸۔

۲۔ بھارت کے معروف نقاد، انگریزی کے استاد اور سابق وائس چانسلر ایل این متھلا یونی ورسٹی، بہار ڈاکٹر عبدالمغنی (۴ جنوری ۱۹۳۶ء-۵ ستمبر ۲۰۰۶ء) کی کتاب قرۃ العین حیدر کا فن کی اشاعت .... ←

ہے کہ اسے پاکستان میں بھی چھپنا چاہیے۔ کراچی میں مکتبہ اسلوب کے سوا کوئی ایسا ناشر نہیں ہے، جو ادبی کتابیں شائع کرتا ہو۔ مکتبے کا معاملہ یہ ہے کہ کوئی ایسی کتاب شائع نہیں کی جاتی، جو پہلی مرتبہ ہندوستان میں شائع ہو چکی ہو۔ ایسا کرنا غیر قانونی ہے۔ لاہور کے ناشر دلیر بھی ہیں اور سینہ زور بھی[۳]۔

ارمغان کے سلسلے میں خاصی پیش رفت ہوئی ہے۔ جگن ناتھ آزاد، مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی، گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر امیر حسن عابدی اور ڈاکٹر محمد انصار اللہ کے مقالے موصول ہو چکے ہیں۔ رشید حسن خاں، گیان چند، ڈاکٹر نذیر احمد[۴] اور بعض دوسرے اہل قلم کے مقالے عنقریب مل جائیں گے۔ ڈاکٹر گیان چند نے تو مقالہ بھیج دیا تھا، لیکن راستے میں گم ہو گیا۔ اب انھیں لکھا ہے کہ اس کی نقل بھیج دیں۔ متعدد اہلِ قلم کے وعدے کے خطوط موصول ہو چکے ہیں۔ پاکستانی اہل قلم کو ابھی تک خطوط نہیں لکھ سکا۔ اِن شاء اللہ اس ہفتے لکھوں گا۔

اُمید ہے، یاد ایام کا مطالعہ آپ نے مکمل کر لیا ہوگا اور اب آپ اس کی تدوین کی طرف توجہ فرما رہے ہوں گے۔ تدوین کے سلسلے میں اتنا کافی ہوگا کہ وضاحت طلب مقامات پر حواشی لکھ دیے جائیں یا جہاں کہیں ضرورت محسوس ہو کہ قاری تشنگی محسوس کرے گا، وہاں متعلقہ بحث سے متعلق مزید معلومات فراہم کر دی جائیں۔ کوئی غلط بات ہو تو اُس کی تصحیح کر دی جائے۔ شخصیات کے بارے میں ضروری نوٹ لکھ دیے جائیں۔

ہر باب کے حواشی اُس کے آخر میں یک جا ہونے چاہییں، اس سے کتابت میں سہولت ہو جائے گی۔ مقدمے میں مولانا کے حالات اور کتاب کی خصوصیات پر تو آپ لکھیں گے ہی، کچھ سطریں بھوپال کی علمی و ادبی فضا اور راس مسعود[۵] کی علم دوستی کے بارے میں لکھ دیجیے گا۔ سلیم حامد

بقیہ: مقصود تھی۔ راقم نے مصنف کی اجازت سے بعد ازاں اسے گلوب پبلشرز، لاہور سے شائع کرا دیا تھا۔ عبدالمغنی صاحب پر راقم کا مفصل مضمون دیکھیے: اورینٹل کالج میگزین، جلد:۸۲، عدد:۱، ۲، ۲۰۰۷ء۔

۳۔ خواجہ صاحب کی یہ صاف گوئی قابلِ داد ہے۔ اور بلا اجازت بھارتی کتابیں شائع کرنے والے ہمارے ناشرین کے لیے عبرت اور سبق آموزی کا نمونہ۔

۴۔ بھارت میں تحقیق و تنقید اور ادب کی کہکشاں کے یہ تابندہ ستارے محتاجِ تعارف نہیں۔ جگن ناتھ آزاد (۵ر دسمبر ۱۹۱۸ء۔ ۲۴ر جولائی ۲۰۰۴ء)، مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی (۱۹۱۷ء۔ ۱۹۹۰ء)، گوپی چند نارنگ (پ: ۱۱ر فروری ۱۹۳۱ء)، ڈاکٹر امیر حسن عابدی (پ: یکم جولائی ۱۹۲۱ء)، ڈاکٹر محمد انصار اللہ (پ: ۴ر جنوری ۱۹۳۶ء) اور ڈاکٹر نذیر احمد (پ: ۳ر جنوری ۱۹۱۵ء)، سب کے سب نامور محقق، نقاد اور اردو کے بلند پایہ مصنف ہیں۔

۵۔ سر سید احمد خاں کے پوتے، راس مسعود (۵ر فروری ۱۸۸۹ء۔ ۳۰ر جولائی ۱۹۳۷ء) جو

←..........

رضوی کی کتاب اگر آپ کو اب تک دستیاب نہ ہوگی ہو تو مَیں اپنا نسخہ بھجوادوں گا[۶]۔

اقبال از احمد دین کا نیا اڈیشن عنقریب شائع ہوگا۔اس سلسلے میں کوئی مشورہ، کوئی تجویز؟

نفیس اکیڈمی والے چاہتے ہیں کہ آپ اقبال سے متعلق کوئی کتاب اُن کے لیے مرتب فرمادیں۔مَیں نے عرض کیا تھا کہ مطالعۂ اقبال ہندوستان میں ایک اچھا موضوع ہے۔ویسے تو یہ مستقل تصنیف کا موضوع ہے، لیکن فی الحال یہ ہوسکتا ہے کہ ایک مختصر مقدمے کے ساتھ اقبال سے متعلق بہترین ہندوستانی تحریروں کو یک جا کردیا جائے۔اس سلسلے میں آپ کا کیا خیال ہے[۷]؟

جون کے آخر یا جولائی کے شروع میں ڈاکٹر سہیل بخاری[۸] کی کتاب اردو داستان کی تقریب رونمائی ہے۔اگر آپ اور تحسین فراقی صاحب آنے کی ہامی بھریں تو کراچی کی سیر کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔یہ تقریب ادارۂ یادگار غالب کی طرف سے مقتدرہ کے تعاون سے ہوگی۔ مقتدرہ نے مہمانوں کے جملہ اخراجات اپنے ذمے لیے ہیں۔مہمانوں کا انتخاب مجھ پر چھوڑا ہے۔آپ کا کراچی آنے کا پرانا وعدہ ہے[۹]۔

بھائی صاحب مرحوم کی تعزیت کا خط مل گیا تھا۔مَیں اور آپ کی بھابھی دونوں شکرگزار ہیں کہ آپ کے حرفِ تسلی سے ہمارے دلوں کو تقویت حاصل ہوئی[۱۰]۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۸۔۵۔۸۷ء

....

بقیہ: جو کئی سال تک ریاست بھوپال کے وزیر تعلیم رہے۔

۶۔ مَیں تو یادِ ایام کی تدوین کا کام انجام نہ دے سکا، مگر خواجہ صاحب کی تاکید، ہدایات اور راہنمائی سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس نوع کی کتاب کو کیسے مرتب و مدوّن کرنا چاہیے۔

۷۔ جیسا کہ سابقہ اوراق میں وضاحت کی جاچکی ہے کہ راقم یہ کام انجام نہ دے سکا۔

۸۔ محقق، نقاد اور ماہر لغت ولسانیات (۶ر دسمبر ۱۹۱۴ء۔ ۲۹ر جنوری ۱۹۹۰ء) پی اے ایف کالج، سرگودھا سے بطور استادِ اردو سبک دوش ہونے کے بعد کراچی منتقل ہوگئے تھے۔آخری عمر میں اردو ڈکشنری بورڈ سے وابستہ رہے۔

۹۔ تحسین فراقی صاحب تو کراچی پہنچ کر تقریب میں شریک ہوئے، مگر راقم نہ جاسکا۔

۱۰۔ راقم نے خواجہ صاحب کے برادر نسبتی کی وفات پر تعزیتی خط لکھا تھا۔

۲۸

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

گرامی نامہ ملا، اس عنایت کے لیے ممنون ہوں۔

یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ اور ڈاکٹر تحسین فراقی تشریف لا رہے ہیں۔ آپ ہوائی جہاز سے آئیں یا ریل گاڑی سے، کرایہ تو ہوائی جہاز کا ہی ملے گا۔ قیام آپ کا نیپا کے گیسٹ ہاؤس میں ہوگا، جو گلشن اقبال میں ہے۔ یہ جگہ نیپا چورنگی کے نام سے مشہور ہے۔ آپ اپنے آنے کی پیشگی اطلاع دیں گے تو میں ریلوے اسٹیشن یا ہوائی اڈے پر استقبال کے لیے موجود رہوں گا۔

یہ تقریب تو برائے نام ہے، اصل مقصد آپ لوگوں سے ملاقات ہے۔ آپ اور تحسین صاحب اردو داستان[1] کے بارے میں دو دو صفحات لکھ لائیے۔ اس سے زیادہ نہیں، کیونکہ مقررین کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ ۱۴ر جولائی کو دیبل اور ٹھٹھہ کی سیر کا پروگرام ہے۔ یہ پورا دن اسی میں صرف ہوگا۔

یہ تقریب بھی نیپا ہی میں ہوگی۔ دو چار روز میں کارڈ چھپ جائیں گے تو بھیجوں گا[2]۔

ارمغان کے سلسلے میں ابھی اہلِ پاکستان کو خط نہیں لکھے۔ اِن شاء اللہ جلد ہی لکھوں گا اور مطلع کروں گا۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۵۔۶۔۸۷ء

نفیس اکیڈیمی والوں نے اپنی نئی فہرست میں آپ کی مجوزہ کتاب مطالعۂ اقبال ہندوستان میں کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ فہرست چند روز میں چھپ جائے گی[3]۔

....

۱۔ اردو داستان: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ: ڈاکٹر سہیل بخاری کے ڈاکٹریٹ کے مقالے کا ایک حصہ ہے۔ ناشر: مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۷ء۔

۲۔ جیسا کہ سابقہ خط کے حاشیے میں واضح کیا ہے، راقم کراچی نہ جا سکا۔

۳۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ میں مجوزہ کتاب مرتب نہیں کر سکا تھا۔

۲۹

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

۲۷ کی شام کو لاہور میں آپ نے جو زحمت فرمائی، اس کے لیے دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ لاہور میں ٹھہرنے کا ایک مقصد آپ سے ملاقات بھی تھا اور اس کے لیے مَیں نے تحسین فراقی صاحب کو تاکید کی تھی کہ آپ کو ضرور مطلع کر دیں۔

اس ملاقات کا زیادہ وقت اگرچہ ریاض مجید[1] کے مناقب و فضائل کی نذر رہوا، تاہم یہ کیا کم ہے کہ اتنی دیر آپ موجود رہے۔ میرا جی چاہتا تھا کہ کم از کم ایک دن آپ کے ساتھ گزرے، مگر میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ شاید جنوری میں لاہور آؤں، تب آپ کے ساتھ جی بھر کے باتیں ہوں گی۔

یہاں کے حالات نہایت تشویش ناک ہیں۔ میرے علاقے کے چاروں طرف کرفیو نافذ ہے۔ دوسرے علاقوں سے کوئی رابطہ نہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس صورتِ حال کا انجام کیا ہوگا۔ دعا فرمایئے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۳۔۹۔۸۷ء

....

۳۰

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

لاہور میں آپ نے میری خاطر جو زحمت اُٹھائی، اس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ مَیں خوش قسمت ہوں کہ آپ سے اتنا قریب ہوں۔

۱۔ ڈاکٹر ریاض مجید (پ: ۱۲؍اکتوبر ۱۹۴۲ء) اردو اور پنجابی کے معروف شاعر، ادیب اور نقاد۔ طویل عرصے اردو زبان و ادب کی تدریس کے بعد ۱۲؍اکتوبر ۲۰۰۲ء کو گورنمنٹ کالج، فیصل آباد کی ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔ تقریباً بیس کتابوں کے مصنف و مؤلف۔ اِن دنوں (اگست ۲۰۰۷ء) ہائر ایجوکیشن کمیشن کے محقق ممتاز (Eminent Scholar) کی حیثیت سے شعبۂ اردو، پشاور یونی ورسٹی سے وابستہ ہیں۔

مجھے افسوس ہے کہ پروفیسر فروغ احمد صاحب سے میری ملاقات نہ ہوسکی۔ آپ کی ملاقات جب ہو تو میری مجبوریوں کا حال سنا دیجیے گا۔ اُمید ہے پروفیسر صاحب کی امانت آپ نے اُن تک پہنچادی ہوگی[1]۔

لاہور میں آپ سے ساری باتیں ہوئیں، لیکن یادِ ایام کا تذکرہ نہ آیا، حالانکہ سوچ کر گیا تھا کہ اس سلسلے میں بات کروں گا کہ کام کہاں تک پہنچا۔

برادرم تحسین فراقی صاحب کے نام کچھ نئی کتابوں کا ایک پیکٹ بھیجا ہے۔ اس میں تین کتابیں آپ کے لیے بھی ہیں۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۱۔۱۱۔۸۷ء

پس نوشت:

برادرم صابر کلوروی[2] نے نعت گو شعرا (محمد یونس) کی دوسری جلد عنایت فرمانے کا وعدہ کیا تھا[3]۔ طے ہوا تھا کہ وہ یہ کتاب آپ کو دے دیں گے۔

....

۳۱

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

آپ کا ارسال کردہ پیکٹ مل گیا تھا۔ ممنون ہوں۔ اقبالیات کا ۱۹۸۶ء کا جائزہ، حسب

۱۔ پروفیسر فروغ احمد کے شاگرد پاشا رحمٰن نے مشفق خواجہ صاحب کے ذریعے ایک امانت بھیجی تھی، جو مَیں نے فروغ صاحب تک پہنچادی۔ پاشا رحمٰن غالبًا قائداعظم کالج، ڈھاکا میں فروغ صاحب کے شاگرد رہے۔ پاشا صاحب ایک عمدہ شاعر ہیں۔ محکمہ انکم ٹیکس کی ملازمت سے سبک دوشی کے بعد کراچی میں انکم ٹیکس پریکٹیشنر ہیں۔

۲۔ ڈاکٹر صابر کلوروی (پ: ۹/ اکتوبر ۱۹۴۹ء) معروف اقبال شناس، محقق اور نقاد۔ پشاور یونی ورسٹی میں ایسوسی ایٹ پروفیسر اور صدر شعبۂ اردو۔ اقبالیات میں باقیات شعر اقبال پر انھیں تخصص حاصل ہے۔

۳۔ محمد یونس شاہ صاحب نے نعت گویانِ اردو کے نام سے دو حصوں میں اردو کے نعت گو شعرا کا ایک تذکرہ مرتب کیا تھا۔ اس کا دوسرا حصہ (ناشر: مکہ بکس، لاہور) خواجہ صاحب کو مطلوب تھا، جو مَیں نے انھیں بھجوادیا تھا۔

معمول آپ کی محنت اور دقّت نظری کا آئینہ دار ہے۔ یہ محض فہرست سازی نہیں، تنقید و تحقیق کا ایک اچھا نمونہ بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال پر اب آپ درجۂ استناد حاصل کر چکے ہیں۔ اب آپ کی اگلی منزل اقبال کے فکری و شعری کاموں کے تجزیے سے متعلق ہونی چاہیے۔

ڈاکٹر مظفر عباس کا شاہکار دیکھ کر حیرت ہوئی۔ معلوم نہیں، لوگ اس قسم کی حرکتیں کیوں کرتے ہیں۔ مَیں اس پر کالم ضرور لکھوں گا[۲]۔ کچھ وقت لگے گا، کیونکہ اگلے دو تین ہفتوں میں کچھ دوستوں کا قرض ادا کرنا ہے۔

مَیں ادھر پریشان حال رہا۔ ۸؍مئی کو آپ کی بھابھی باورچی خانے میں ایک حادثے کا شکار ہو گئیں۔ گھٹنے سے پیر تک بائیں ٹانگ بُری طرح جھلس گئی۔ کھال علاحدہ ہو گئی۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کیسی پریشانی رہی ہوگی۔ کرفیو کے نفاذ کی وجہ سے یہ پریشانی بڑھ گئی۔ خدا کا شکر ہے کہ اب وہ بڑی حد تک صحت یاب ہو چکی ہیں۔

دوسری پریشانی یہ کہ ہندوستان سے بہت سے مہمان آ گئے۔ مجھ فقیرِ گوشہ نشین کے پاس تواضع کے لیے سوائے وقت کے اور ہے ہی کیا، سو بہت سا وقت مہمانوں کی نذر رہا۔

اقبال از احمد دین کا پہلا ایڈیشن ختم ہوا۔ دوسرے ایڈیشن کی تیاری کر رہا ہوں۔ ازرہِ کرم ایسے مقامات (مقدمہ و متن) کی نشان دہی فرما دیجیے، جہاں ترمیم تصحیح یا اضافے کی ضرورت ہو۔

۱۔ راقم کی کتاب: ۱۹۸۶ء کا اقبالیاتی ادب، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۱۹۸۸ء

۲۔ ڈاکٹر مظفر عباس (پ: ۲۲؍دسمبر ۱۹۴۸ء) اردو زبان و ادب کے استاد، محکمہ تعلیم پنجاب سے وابستہ رہے۔ ان دنوں ایجوکیشن یونی ورسٹی، لاہور سے وابستہ ہیں۔ انھوں نے علامہ اقبال کے خطبۂ علی گڑھ The Muslim Community کا متن کتابی صورت میں اس دعوے کے ساتھ شائع کیا تھا (مکتبہ عالیہ لاہور، س ن [۱۹۸۷ء]) کہ مکمل متن پہلی بار منظرِ عام پر لایا جا رہا ہے، درآں حالیکہ راقم اسے اپنے تحقیقی مقالے (۱۹۸۰ء) کے حوالے سے مجلۂ تحقیق پنجاب یونی ورسٹی، لاہور (جلد ۳ شمارہ ۱، ۱۹۸۰ء) میں شائع کرا چکا تھا۔ علامہ کا یہ مکمل خطبہ راقم کے تحقیقی مقالے تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ (اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۱۹۸۲ء، مکرر: ۲۰۰۱ء) میں بھی شامل ہے۔ مَیں نے مظفر عباس صاحب سے اور ان کی کتاب کے دیباچہ نگار سے تحریراً وضاحت چاہی، مگر دونوں اصحاب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دیباچہ نگار تھے: ڈاکٹر محمد معروف (یکم اگست ۱۹۳۸ء۔ ۱۳؍اگست ۲۰۰۶ء) اقبال شناس، سابق پرنسپل اسلامیہ کالج سول لائنز، لاہور۔ ان کی تصنیف Iqbal and His Contemporary Western Religious Thought پر انھیں ۱۹۸۵ء تا ۱۹۸۷ء کا قومی صدارتی اقبال ایوارڈ دیا گیا۔ ڈاکٹر مظفر عباس کی کاوش پر ڈاکٹر وحید عشرت کا تبصرہ دیکھیے: رسالہ اقبالیات لاہور، جنوری ۱۹۸۸ء)۔

یہ کام آپ ہی کر سکتے ہیں[۳]۔

ڈاکٹر گیان چند کی کتاب اقبال کا ابتدائی کلام آپ کی نظر سے گزری ہوگی؟ کیسا کام ہے[۴]؟ کیا مَیں نے آپ کو خطوط رشید احمد صدیقی بھیجی تھی۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۶۔۶۔۸۸ء

....

۳۲

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

گرامی نامہ ملا، ممنون ہوں۔ آپ کی تمام مطلوبہ کتابیں رجسٹری بک پوسٹ سے بھیجی جا رہی ہیں۔ ایک کتاب (میری زندگی کے ۷۵ سال) آپ تحسین فراقی صاحب سے لے لیجیے۔ آپ کے لیے اس کا ایک نسخہ اُن کے پاس چھوڑ آیا ہوں[۱]۔

یونی ورسٹی کی فہرست مل گئی[۲]۔ شکریہ۔ اس کے پانچ نسخے اگر آپ اَور بھجوا دیں تو کرم ہوگا۔ کچھ اَور دوستوں کو بھی کتابیں خریدنی ہیں۔ سب کا یک جا آرڈر بھجوا دیا جائے گا۔ ازرہِ کرم یہ بھی معلوم کیجیے کہ یونی ورسٹی کی طرف سے تاجرانہ رعایت کیا دی جاتی ہے۔ مکتبہ اسلوب کی طرف سے آرڈر بھجوایا جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ رعایت کے پیش نظر آرڈر تیار کر لیا جائے گا۔

۳۔ بعدازاں خواجہ صاحب نے اقبال از احمد دین کی اشاعتِ نو کا کام راقم کے سپرد کر دیا تھا (جیسا کہ آگے چل کر کچھ اَور خطوط سے بھی واضح ہوگا)۔ یہ نیا اڈیشن ۲۰۰۶ء میں اقبال اکادمی پاکستان، لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

۴۔ گیان چند کی کتاب کا پورا نام ہے: ابتدائی کلام اقبال: بہ ترتیبِ مہ و سال، ناشر: اردو ریسرچ سنٹر حیدر آباد ۱۹۸۸ء۔ بعدازاں یہ کتاب شائستہ پبلشنگ ہاؤس، کراچی اَور پھر اقبال اکادمی پاکستان، لاہور سے بھی طبع ہوئی۔

(۳۲)

۱۔ خواجہ صاحب نے مکتبہ اسلوب کی شائع کردہ میری ضرورت کی کتابیں ارسال کی تھیں۔ میری زندگی کے پچھتر سال (مکتبہ اسلوب کراچی، ۱۹۸۸ء) فراقی صاحب سے مل گئی تھی۔ یہ کتاب محقق، مورخ اور تذکرہ نگار مولانا اعجاز الحق قدوسی (جولائی ۱۹۰۵ء۔ ۱۹ر فروری ۱۹۸۶ء) کی خود نوشت ہے۔

۲۔ پنجاب یونی ورسٹی کی مطبوعات کی فہرست۔

کوئی صاحب ہیں اشرف رانا، اُنھوں نے ملک حسن اختر صاحب کے 'دفاع' میں ایک دلچسپ خط صلاح الدین صاحب کے نام لکھا ہے اور یہ کہا ہے کہ رشک، حسد اور جلن کی وجہ سے خامہ بگوش نے یہ کالم لکھا ہے[۳]۔

لاہور میں آپ نے میرے ساتھ جو وقت گزارا، اُس کے لیے تہ دل سے ممنون ہوں۔ کراچی میں آپ جو وقت میرے ساتھ گزاریں گے، اُس کا پیشگی شکریہ قبول کیجیے۔

تحسین فراقی کو ایک خط لکھ چکا ہوں۔ شہید گنج سے متعلق کتابچے کا فوٹو اسٹیٹ مل گیا تھا۔ یہ اُنھیں بتا دیجیے گا۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۱-۹-۸۸ء

....

۴۴

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

کل آپ سے فون پر بات ہوئی تو مَیں آپ کی تشریف آوری کے تصور سے بے حد خوش تھا، مگر آج کے اخبارات دیکھ کر تشویش ہوئی۔ کراچی کے تین علاقوں میں کرفیو نافذ ہو چکا ہے اور ہمارے علاقے میں فوج گشت کر رہی ہے۔ ایسی صورت میں آپ کا یہاں آنا مفید نہ ہوگا۔ آپ میرے گھر میں قید رہیں گے۔ کہیں آ جا نہ سکیں گے۔ ایسی صورت میں آپ جو مناسب خیال فرمائیں، اُس پر عمل کریں۔

کرفیو نافذ ہوتا ہے تو سب سے زیادہ ہمارے علاقے پر اثر ہوتا ہے۔ یہ شہر کے باقی علاقوں سے کٹ جاتا ہے۔ عقیل صاحب میرے گھر سے ۲۵ میل کے فاصلے پر رہتے ہیں۔ اگر آپ کو

۳۔ محقق، نقاد اور اردو کے استاد (گورنمنٹ کالج، فیصل آباد، لاہور، گوجرانوالہ) ڈاکٹر ملک حسن اختر (یکم جولائی ۱۹۳۸ء۔ ۳ر جنوری ۱۹۹۳ء) کی تاریخ ادب اردو (یونی ورسٹی بک ایجنسی لاہور، ۱۹۷۹ء) پر تحسین فراقی صاحب نے ایک تبصرہ لکھا، جس میں اس کی غلطیوں اور کمزوریوں کی نشان دہی کی تھی۔ پھر خامہ بگوش نے بھی مذکورہ کتاب کو اپنے کالم کا موضوع بنایا۔ اس کے ردِ عمل میں کسی اشرف رانا نے (میرا خیال ہے، یہ فرضی نام ہے) مدیر تکبیر محمد صلاح الدین شہید کو مذکورہ خط لکھا۔

وہاں ٹھہرایا جائے تو بھی نتیجہ یکساں ہوگا، کیونکہ وہاں بھی اکثر کرفیو نافذ ہوتا رہتا ہے۔ دوسرے وہ علاقہ، باقی علاقوں سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ ویسے میری یہ خوش قسمتی ہوگی کہ آپ یہاں آئیں اور کرفیو نافذ ہو جائے، تاکہ میں زیادہ سے زیادہ آپ کے ساتھ رہ سکوں اور کوئی رقیب آپ سے مستفید نہ ہو سکے[۱]۔

میں نے فون پر عرض کیا تھا کہ اقبالیاتِ رئیس احمد جعفری کے عنوان پر آپ کے ایک مضمون کی ضرورت ہے۔ یہ آپ کا موضوع خاص ہے، اس لیے میری اس فرمایش کی تکمیل میں آپ کو زیادہ زحمت نہیں ہوگی[۲]۔

جناب تحسین فراقی کو اس خط کے ساتھ الگ خط روانہ کر رہا ہوں۔ میرا تجربہ ہے کہ لفافے میں آپ دونوں کے نام کے خط ہوں تو لفافہ گم ہو جاتا ہے، حالانکہ آپ دونوں ایک ہی نیام میں سما جانے والی شمشیر ہائے آبدار ہیں۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
۱۳-۳-۸۹ء

....

۳۴

برادرِ مکرم و محترم، سلام مسنون

میرے ہاں قیام سے آپ کو جو زحمت اُٹھانی پڑی، امید ہے اب تک اُس کا تاثر زائل ہو چکا ہوگا۔ میرا مجموعۂ کلام ابیات آپ کے پاس ہے، شاید یہ شعر آپ کی نظر سے گزرا ہو:

۱۔ راقم نے اپنی زیرِ ترتیب کتابیاتِ اقبال کے لیے مزید حوالوں اور لوازمے کی تلاش کے لیے سفرِ کراچی کا عزم کیا تھا۔ اس میں خواجہ صاحب سے ملاقات اور چند شب و روز، ان کی صحبت سے مستفید ہونے کی خواہش بھی شامل تھی۔ خواجہ صاحب کے منع کرنے کے باوجود، راقم مارچ کے آخری ہفتے میں کراچی گیا۔ قیام خواجہ صاحب ہی کے ہاں رہا۔ ان کے کتب خانے کے علاوہ ادارۂ یادگارِ غالب، انجمن ترقی اردو، ہمدرد اور برادرم معین الدین عقیل صاحب کے کتب خانوں سے بہت سا لوازمہ میسر آیا۔

۲۔ 'رئیس احمد جعفری کی اقبال شناسی' کے عنوان سے میں نے ایک مختصر مضمون لکھ دیا تھا، جو مجلہ بہ یادگارِ رئیس احمد جعفری، مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۹ء میں شامل ہے۔

بجھے ہوئے در و دیوار دیکھنے والو
اُسے بھی دیکھو جو اِک عمر یاں گزار گیا

جب اس گھر میں میری یہ حالت ہے تو آپ پر کیا کچھ نہ گزری ہوگی۔ بہر حال آپ کی تکالیف سے زیادہ مجھے اپنی اُن خوشیوں کا خیال آتا ہے، جو مَیں نے آپ کی قربت سے کشید کیں۔ اگر تحسین فراقی صاحب بھی ساتھ ہوتے تو مزا آ جاتا۔ ہم آپ دونوں اپنے ناموں میں وصالی کے جُزو کا اضافہ کر سکتے تھے[۱]۔

پہلا گرامی نامہ ڈاکٹر احمد سجاد[۲] صاحب کے ذریعے ملا، دوسرا ڈاک سے۔ ان عنایات کے سراپا سپاس ہوں۔ اس کا بھی بہت شکریہ کہ آپ نے رئیس احمد جعفری پر مضمون لکھ دیا، بہت اچھا مضمون ہے۔ نظامی کے مضمون کا عکس بھی مل گیا، شکریہ۔

مَیں نے کل کی ڈاک سے ایک پیکٹ بھیجا ہے۔ اس میں آپ کی مطلوبہ کتابوں کے عکس ہیں۔ جگن ناتھ آزاد صاحب نے کچھ کتابیں دی تھیں، وہ بھی ہیں۔ ڈھاکے سے ایک رسالہ مجلس آیا ہے۔ اُس میں تراجم اقبال (بنگالی) پر تبصرہ ہے۔ اس تبصرے کا عکس بھی ہے۔ اکبر حیدری کشمیری صاحب[۳] کا آپ کے نام ایک لفافہ آیا تھا، وہ بھی پوسٹ کر دیا گیا ہے۔

آپ نے اپنے خط میں کچھ خاص نمبروں اور کتابوں کے نام لکھے ہیں، جو آپ کے پاس زائد ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی میرے پاس نہیں، اس لیے آپ یہ سب بھجوا دیجیے۔ اس کے ساتھ

۱۔ کراچی کے دَورے میں وقت بچانے کے لیے مَیں نے خواجہ صاحب کے ہاں قیام کو ترجیح دی تھی۔ ان کے ہاں سب کمرے کتابوں بھری الماریوں سے پُر تھے۔ مَیں نیچے کی منزل کے ایک کمرے میں مقیم رہا، جس کے چاروں طرف الماریاں تھیں اور درمیان میں چارپائی...... مَیں دن میں مختلف لائبریریوں کا چکر لگاتا۔ شام کو خواجہ صاحب کے ساتھ کہیں باہر کھانا اور لمبی سیر...... رات کو اور صبح ناشتے سے قبل کے اوقات میں ان کا کتب خانہ دیکھتا...... یہ تھی 'زحمت'۔

۲۔ ڈاکٹر احمد سجاد (پ: ۱۲ر اکتوبر ۱۹۳۹ء) نقاد، ادیب اور اردو زبان و ادب کے استاد۔ رانچی یونی ورسٹی، بہار میں پروفیسر و صدر شعبۂ اُردو رہے۔ متعدد کتابوں کے مصنف اور مؤلف۔ ادبی رسالوں ابلاغ اور فن کار کے مدیر رہے۔ احمد سجاد صاحب بھارت سے لاہور پہنچے تھے اور یہاں چند روز قیام کے بعد کراچی گئے تھے۔

۳۔ بھارت کے نامور محقق اکبر حیدری کشمیری (پ: ۱۳ر اکتوبر ۱۹۲۹ء) حیدرآباد اور کشمیر کی یونی ورسٹیوں میں اردو زبان و ادب کے استاد رہے، اب ملازمت سے سبک دوش ہو چکے ہیں۔ تحقیق و تصنیف میں مصروف رہتے ہیں۔ بہت سی کتابوں کے مصنف و مؤلف۔ ماہ نامہ حکیم الامت سری نگر کے مدیر۔

ہی اگر آپ اورینٹل کالج میگزین کا سید عبداللہ نمبر بھی بھجوا سکیں تو کرم ہوگا۔

عقیل صاحب کے لیے آپ نے جو رسالے ڈاکٹر احمد سجاد صاحب کے ہاتھ بھجوائے تھے، وہ مَیں نے اُنھیں دے دیے تھے۔

اقبال نمبر جو میرے کتب خانے میں ہیں، اُن کی فہرست بنوا کر بھجوا دوں گا۔

پریم سنگم [۴] کہاں رکھی ہے؟ اقبالیات کی الماری میں یا آپ نے وہاں سے نکال کر مجھے دی تھی۔ آپ رہنمائی کیجیے، تاکہ یہ کتاب آپ کی نذر کر سکوں۔

مجلہ اقبالیات، رئیس احمد جعفری آپ لے گئے، بہت اچھا کیا۔ اس میں اجازت کی کیا بات ہے۔ اس کے اگر آپ ایک سے زائد نسخے لے جاتے تو مجھے خوشی ہوتی۔

ارمغانِ علمی کا کام باقاعدگی سے رمضان کے بعد شروع کروں گا۔ کل ہی علی گڑھ سے ڈاکٹر مختار الدین احمد کا خط آیا ہے کہ انھوں نے چند مقالے علی گڑھ کے اہل علم سے حاصل کر لیے ہیں۔

پیکٹ کی وصولی کی اطلاع ضرور دیجیے گا، تاکہ اطمینان ہو کہ یہ آپ کو مل گیا۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ

۱۷۔۴۔۸۹ء

آپ کی طلب صادق کا نتیجہ یہ ہے کہ خط لکھنے کے بعد مَیں اُس تاریخی کمرے میں گیا، جہاں آپ کا قیام تھا۔ پریم سنگم نظر آ گئی۔ اسے رجسٹری سے بھیج رہا ہوں۔ اس کے ساتھ ایک کتاب مکالمات راغب و جوش بھی ہے۔ یہ تحسین فراقی صاحب کو دے دیجیے۔ یہ نہایت زہریلی کتاب ہے۔ تحسین صاحب کو الگ خط لکھا ہے کہ اس کتاب کے بارے میں اخبارات میں آنا چاہیے۔ ایک اسلامی ملک میں ایسی کتاب کا شائع ہونا، حیرت ناک بھی ہے اور افسوس ناک بھی۔ اس میں جگہ جگہ اسلام کے خلاف بہت کچھ ہے۔

۴۔ پریم سنگم (مرتب: خواجہ حسن نظامی، مطبوعہ، دہلی، ۱۹۵۱ء) میں پیام مشرق کی رباعیات اور بالمقابل کالم میں اسی بحر اور ردیف قافیے میں اقبال کے مداح اور قدردان، مہاراجا سر کشن پرشاد شاد کی فارسی رباعیات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے پر دو کالم ہیں، دائیں علامہ اقبال کی رباعی اور بائیں اسی بحر میں شاد کی رباعی۔ خواجہ صاحب کے پاس اس کے دو نسخے تھے، ایک مجھے ہدیہ کر دیا۔

شریف بقا[۵] کی کتاب بھی سابقہ پیکٹ میں شامل تھی۔

....

۳۵

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

گرامی نامہ ملا اور کتابوں رسالوں کا پیکٹ بھی، اس عنایت کے لیے ممنون ہوں۔ رسید میں تاخیر کا سبب یہ ہے کہ عید کی وجہ سے جنرل پوسٹ آفس میں ڈاک کے انبار لگے ہیں، وسطِ اپریل کی ڈاک اب تقسیم ہو رہی ہے۔ تحسین فراقی صاحب کا بھی ایک خط آپ کے خط کے ساتھ ملا ہے، جو اُنھوں نے عید سے بہت پہلے پوسٹ کیا تھا۔

جوش کے انٹرویو والی کتاب[۱]، بازار میں خفیہ خفیہ فروخت ہو رہی ہے اور مہنگے داموں۔ میرے پاس ایک ہی زائد نسخہ تھا، جو مَیں نے ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کو بھیج دیا۔ مَیں تحسین فراقی صاحب کو لکھ رہا ہوں اور آپ سے بھی عرض ہے کہ ڈاکٹر صاحب سے اس مختصر کتاب کا عکس حاصل کر لیجیے۔ مرتب کتاب نے انتہائی خبثِ باطن کا ثبوت دیا ہے اسلام اور آنحضرتؐ کے بارے میں ایسی ایسی باتیں لکھی ہیں، جن کا پاکستان میں شائع ہونا انتہائی دیدہ دلیری ہے۔ ہم سلمان رشدی کو بُرا کہتے ہیں، لیکن یہ شخص تو سلمان رشدی کا بھی باپ نکلا۔ اس کتاب کے خلاف آپ خود لکھیے اور دوسروں کو بھی خصوصاً محترم نعیم صدیقی صاحب[۲] کو متوجہ کیجیے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

۵۔ اقبال پر متعدد کتابوں کے مصنف اور اقبال شناس، محمد شریف بقا (پ: ۱۴؍ مارچ ۱۹۳۵ء) لندن میں مقیم ہیں۔

(۳۵)

۱۔ یہ کتاب مکالمات جوش و راغب کے نام سے ۱۹۸۸ء میں چھپی تھی۔ بطور ناشر اس پر کینیڈا کی جوش لٹریری سوسائٹی کا نام دیا گیا ہے (تاکہ قانوناً اس پر گرفت نہ ہو سکے)، البتہ ملنے کے دو پتے درج ہیں۔ ایک: شیخ شوکت علی اینڈ سنز، کراچی کا اور دوسرا: راغب مراد آبادی کا۔

۲۔ جناب نعیم صدیقی (م: ۲۵؍ ستمبر ۲۰۰۲ء) معروف شاعر، ادیب، نقاد اور اسکالر۔ پاکستان میں تحریکِ ادبِ اسلامی کی سربرآوردہ شخصیت۔ سیارہ لاہور کے بانی مدیر۔ تفصیل دیکھیے: ایم اے اردو کے دو مقالے: نعیم صدیقی بحیثیت نثر نگار از روبینہ شاہین اور نعیم صدیقی بحیثیت شاعر از زوبیہ لطیف۔ مخزونہ: پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج لائبریری، لاہور۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ

۱۹۔۵۔۸۹ء

....

۳۶

برادر مکرم و محترم، سلام مسنون

ابھی ابھی جناب تحسین فراقی نے فون پر بتایا کہ آپ ٹریفک کے ایک حادثے میں زخمی ہوگئے ہیں[1]۔ بے حد تشویش ہوئی۔ خدا آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا کرے، آپ جلد از جلد صحت یاب ہو جائیں۔

مَیں نے تحسین صاحب سے گزارش کی ہے کہ وہ آپ کی خدمت میں آج ہی حاضر ہوں اور میری طرف سے مزاج پُرسی کریں۔

آپ کا
مشفق خواجہ

۱۶۔۹۔۸۹ء

....

۳۷

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

معذرت خواہ ہوں کہ کراچی پہنچ کر فوراً خط نہ لکھ سکا۔ شادی کے سلسلے میں جو مہمان بیرون ملک سے آئے تھے، اُن کی واپسی کے ہنگامے میں سب کام طاق پر دھرے رہے۔ اب کچھ سکون ہوا ہے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔

۱۔ ۶ر ستمبر ۱۹۸۹ء کو راقم موٹر سائیکل پر جی پی او چوک، لاہور سے گزر رہا تھا کہ مولانا ظفر علی خاں (میکلوڈ) روڈ سے آنے والی ایک موٹر نہایت تیز رفتاری سے موٹر سائیکل سے آ ٹکرائی۔ میرے ساتھ بچے بھی تھے۔ ہم سب اُچھل کر دُور جا گرے، و لے بخیر گذشت۔ بچوں کو زخم تو بہت آئے، مگر ہڈی پسلی ہم سب کی سلامت رہی، البتہ میری دائیں ران میں بال آ گیا۔ ڈاکٹر کے حسب ہدایت ڈیڑھ ماہ تک پابندِ بستر (bed rest پر عمل پیرا) رہا۔ (اس عرصے میں کچھ تحریری کام کرتا رہا)۔

لاہور میں آپ کے ساتھ جو وقت گزرا، بہت اچھا گزرا۔ سبب یہ ہے کہ آپ کی عنایت شاملِ حال رہی۔ اس کا افسوس ہوا کہ آپ کے کتب خانے کی صرف ایک جھلک دیکھی۔ جی چاہتا تھا کہ کچھ دیر اس کی سیر کروں، مگر وقت کی تنگی مانع آئی۔ پھر کبھی سہی۔ غیر مطبوعہ تحقیقی مقالوں کا ڈھیر دیکھ کر جی بہت للچایا۔ اگر خدا نے توفیق دی تو کبھی فوٹو اسٹیٹ مشین کے ساتھ آپ کے درِ دولت پر دستک دوں گا اور اپنے پسندیدہ مقالوں کے عکس تیار کرلوں گا، لیکن مَیں جانتا ہوں کہ یہ آرزو بھی ان آرزوؤں میں سے ایک ہے، جن کی قسمت میں حسرت بننا لکھا ہے۔[1]

مَیں ایک ضروری کام لاہور میں بھول گیا۔ مجھے اِن سائی کلوپیڈیا آف اسلام کی بہت سی جلدیں خریدنی ہیں۔ اُن کی فہرست منسلک ہے۔ ازرہِ کرم متعلقہ دفتر سے یہ کہہ دیجیے کہ مجھے اس کا تخمینہ بھجوا دیں، مَیں رقم کا ڈرافٹ بھیج دوں گا۔ بات یہ ہے کہ یونی ورسٹی پانچ ہزار روپے سے زیادہ کی خریداری پر پچاس فی صد رعایت دیتی ہے۔ کئی دوستوں کو شریک کر کے مَیں نے منسلکہ فہرست مرتب کی ہے۔ اس طرح ہم سب کو معقول رعایت مل جائے گی۔ آپ کو زحمت تو ہوگی، لیکن اس کے سوا چارہ نہیں۔

اس دن تحسین فراقی صاحب کے ہاں محفل میں جو دوست شریک تھے، اُن سب کی خدمت میں میرا اسلام پہنچا دیجیے۔

منسلکہ خط اور فوٹو اسٹیٹ زاہد منیر عامر صاحب کے لیے ہے۔ فوٹو اسٹیٹ مولانا ظفر علی خاں کے ایک خط (بنام مولوی عبدالحق) کا ہے۔ انتہائی فحش خط ہے۔ اردو میں شاید ہی ایسا خط کبھی لکھا گیا ہو۔ عامر صاحب چونکہ ظفر علی خاں کے خطوط جمع کر رہے ہیں، اُن کی خواہش پر یہ خط اُنھیں بھیج رہا ہوں۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۸-۱-۹۰ء

....

۱۔ لاہور کے دورے میں ۳۰ ردسمبر ۱۹۸۹ء کو خواجہ صاحب شام ساڑھے چار بجے میرے ہاں تشریف لائے۔ تحسین فراقی اور محمد اکرام چغتائی ان کے ہمراہ تھے۔ بہت اچھی صحبت رہی۔

۳۸

محترمی ومکرمی، سلام مسنون

ایک خط لکھا تھا، اِن سائی کلوپیڈیا آف اسلام کے سلسلے میں، جواب سے محروم ہوں۔ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ برادرم تحسین فراقی صاحب کا سایہ آپ پر بھی پڑنے لگا ہے، حالانکہ مجھے اُمید تھی کہ وہ آپ کے سائے میں راہِ راست پر آ جائیں گے۔

وزیر آباد کے ایک صاحب تھے: سید کرامت علی گوشہ نشین۔ اُنھوں نے ایک کتاب لکھی تھی: اقبال کا شاعرانہ زوال، جو ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی تھی۔ کیا یہ کتاب آپ کی نظر سے گزری ہے[۱]؟ ڈاکٹر اکبر حیدری کشمیری[۲] نے حیدر آباد دکن سے لکھا ہے کہ اُنھیں یہ کتاب دستیاب ہوئی ہے۔ اُنھیں سید کرامت علی کے حالات مطلوب ہیں۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
۲۶۔۲۔۹۰ء

....

۳۹

مکرمی ومحترمی، سلام مسنون

دو تین روز ہوئے، آپ کو ایک خط لکھا تھا، اُمید ہے ملا ہو گا۔ آج آپ کے ۱۸ اور

۱۔ یہ کتاب میرے علم میں تھی۔ مصنف کا نام سلامت علی نہیں، برکت علی گوشہ نشین (پ: یکم جنوری ۱۸۸۳ء) ہے۔ انھوں نے اقبال کا شاعرانہ زوال (۱۹۳۱ء) کے علاوہ خادمانہ تبدیلیاں (۱۹۵۵ء) اور مؤدبانہ تبدیلیاں (۱۹۵۶ء) بھی تالیف کی تھیں۔ ان کتابوں میں کلام اقبال کی اغلاط اور زبان و بیان کی خامیوں کے بعد، اقبال کی شاعری پر اصلاح دی گئی ہے۔ معروف اقبال شناس ڈاکٹر ایوب صابر (پ: ۲؍جنوری ۱۹۴۰ء) نے ان کتابوں کا تجزیہ اپنی کتاب اقبال دشمنی: ایک مطالعہ (جنگ پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۳ء) میں کیا ہے۔ ایوب صابر صاحب اِن دنوں (۲۹؍اگست ۲۰۰۷ء) بطور ایچ ای سی ایمی نٹ پروفیسر، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد میں صدر شعبۂ اقبالیات کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ متعدد کتابوں کے مصنف اور مؤلف ہیں۔

۲۲ر فروری کے لکھے ہوئے دو خط ایک ساتھ ملے۔ میری چٹ کے گم ہونے اور ملنے کا قصہ دلچسپ رہا[۱]۔ مجھے دراصل سرکاری تخمینے کی ضرورت ہے، یعنی سیلز ڈپو والے مجھے لکھیں گے کہ اتنی رقم بھجوادو، مَیں ڈرافٹ بھیج دوں گا اور پھر کتابیں آئیں گی۔ سرکاری تخمینے میں ۵۰% رعایت وضع کی جائے گی، ترسیل اور جلد بندی کے اخراجات شامل کیے جائیں گے۔ اس کام میں خاصی تاخیر ہوگئی ہے۔ اُمید ہے، آپ کی توجہ شامل حال رہی تو مزید تاخیر نہیں ہوگی۔

ڈاکٹر ابن فرید صاحب نے مجھ سے آپ کا فون نمبر طلب نہیں کیا تھا، ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ مَیں اُنھیں نہ بتاتا۔ یہ نمبر میرے پاس ہے[۲]۔

مَیں نے اپنے مذکورہ خط میں ایک کتاب کے بارے میں لکھا تھا۔ اگر یہ آپ کی نظر سے گزری ہو تو مطلع فرمایئے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
۲۸۔۲۔۹۰ء

<u>پس نوشت:</u>

اس مہینے کے شروع میں آپ کے شاگرد زاہد منیر عامر صاحب کراچی آئے تھے۔ ان سے مل کر خوشی ہوئی۔ بہت سلجھے ہوئے نوجوان ہیں۔

م خواجہ

....

۱۔ خواجہ صاحب نے ایک چٹ پر اردو دائرہ معارف اسلامیہ کی مطلوبہ جلدوں کی تفصیل درج کر کے بھیجی تھی۔ یہ چٹ کاغذات میں گم ہوگئی تو مَیں پریشان رہا، بعدازاں دستیاب ہوگئی تھی۔

۲۔ ڈاکٹر (محمود مصطفیٰ صدیقی) ابن فرید (۲۸ر اکتوبر ۱۹۲۵ء۔ ۸ر مئی ۲۰۰۳ء) بھارت کے معروف نقاد، افسانہ نگار اور ادیب۔ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں عمرانیات کے استاد رہے۔ چار سال تک ملک عبدالعزیز یونی ورسٹی، جدہ میں تدریسی فرائض انجام دیے۔ بہت سے علمی و ادبی رسالوں (دانش، معیار، نئی نسلیں، ادیب وغیرہ) کی ادارت کی۔ وہ مصر میں ایک کانفرنس میں شرکت کے بعد کراچی پہنچے تھے اور خواجہ صاحب سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ چند روز بعد وہ لاہور آئے تھے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے، راقم کا مضمون: ڈاکٹر ابن فرید: 'اپنی دنیا آپ پیدا کر' کی ایک مثال، مشمولہ ترجمان القرآن، جولائی ۲۰۰۳ء۔

۴۰

محترمی ومکرمی، سلام مسنون

کل آپ سے فون پر بات ہوئی تھی، اُس کے مطابق -/۱۰۵۵۰ روپے کا ڈرافٹ بھیج رہا ہوں۔ یہ آپ کے نام کا ہے اور حبیب بنک کی اُسی برانچ کا، جس میں آپ کا حساب ہے، اس لیے ہاتھ کے ہاتھ کیش ہو جائے گا۔

کل اچانک فون کٹ گیا، ورنہ مَیں کچھ دیر اور سماعت کے مزے لوٹتا۔ آپ کے پاس دوسروں کے جو مضامین برائے اشاعت رکھے ہیں، بھجوا دیجیے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ

۲۱۔۳۔۹۰ء

....

۴۱

محترمی ومکرمی، سلام مسنون

آپ کا شکریہ کیا ادا کروں کہ آپ تو نیکی کے کام کرتے ہی رہتے ہیں۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے اور خوش رکھے۔

پرسوں آپ کا خط مع بلٹی ملا تھا، آج کتابیں منگوا لیں[۱]۔

مزید کتابیں منگوانے کے لیے مَیں نے اس لیے کہا تھا کہ یونی ورسٹی کو ادا شدہ رقم کا واپس ملنا مشکل کام ہوتا ہے۔ اب جبکہ آپ اپنے ناخنِ تدبیر سے اس گتھی کو سلجھا چکے ہیں، مجھے یونی ورسٹی کی کتابیں مطلوب نہیں ہیں۔ میری دلچسپی کی ساری کتابیں میرے پاس ہیں۔ پروفیسر مشیر الحق، وائس چانسلر سری نگر یونی ورسٹی کی ہلاکت کی خبر آپ نے سن لی ہوگی۔ بے حد صدمہ ہوا۔ مرحوم نہایت بلند درجہ اسکالر تھے۔ کئی بہت اچھی کتابوں کے مصنف۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ بڑے

۱۔ مَیں نے پنجاب یونی ورسٹی پریس کی مطبوعہ کتابیں اور اردو دائرہ معارف اسلامیہ کی جلدیں بھجوائی تھیں۔

عمدہ انسان۔ ایسے شخص کا خود مسلمانوں، یعنی کشمیری حریت پسندوں کے ہاتھوں ہلاک ہونا ایک افسوس ناک سانحہ ہے۔ گزشتہ سال 'شام ہمدرد' کے سلسلے میں مرحوم کراچی آئے تھے تو اُن سے ملاقات ہوئی تھی[۲]۔ لکھنؤ میں ان کے داماد ڈاکٹر شاہ عبدالسلام ہیں۔ ان سے میرے مراسم ہیں۔ یہ بھی اردو کے بہت اچھے محقق ہیں۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۴۔۴۔۹۰ء

....

۴۲

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

۱۵؍اپریل کو ایک خط لکھا تھا، شاید وہ آپ کو نہیں ملا۔
مَیں نے عرض کیا تھا کہ آپ کے پاس ڈاکٹر گیان چند وغیرہ کے جو مضامین ہیں، وہ بھیج دیجیے۔ دائرے اور قومی زبان وغیرہ میں چھپوادوں گا[۱]۔ زندگی میں آپ نے حمزہ فاروقی کی کتاب پر جو شذرہ لکھا ہے[۲]، اُس سے وہ بہت خوش ہیں۔ کہنے لگے: اگر ہاشمی صاحب کراچی میں

۲۔ پروفیسر مشیر الحق (یکم اگست ۱۹۳۳ء۔ ۱۰؍اپریل ۱۹۹۰ء) کشمیر یونی ورسٹی، سری نگر کے وائس چانسلر تھے۔ انھیں اغوا کیا گیا اور پھر گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ خفیہ ایجنسیوں کی کارستانی تھی۔

(۴۲)

۱۔ ڈاکٹر گیان چند نے اپنے چند مضامین رسائل میں اشاعت کے لیے مجھے بھجوائے تھے۔ ان میں سے ایک ('خضر راہ' کا قدیم متن) تو مَیں نے اورینٹل کالج میگزین میں شائع کرادیا تھا۔ باقی مضامین خواجہ صاحب کو بھجوادیے تھے۔

۲۔ محمد حمزہ فاروقی (پ: ۲۷؍جنوری ۱۹۴۵ء) کی کتاب حیات اقبال کے چند مخفی گوشے (ادارۂ تحقیقات پاکستان، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور، ۱۹۹۸ء) پر میرا ایک تعارفی مضمون ہفت روزہ زندگی لاہور (۲۷؍اپریل تا ۳؍مئی ۱۹۹۰ء) میں شائع ہوا تھا۔ فاروقی صاحب ادیب، محقق اور سفرنامہ نگار ہیں۔ ایک زمانے میں انھوں نے روزنامہ جسارت کراچی کے ادبی صفحے پر دعویٰ کیا تھا کہ 'خامہ بگوش' ان کا قلمی نام ہے اور کالم 'سخن در سخن' وہی لکھتے ہیں، چہ خوب!

ہوتے تو مَیں اُن کی دعوت کرتا۔ مَیں نے عرض کیا: کراچی میں مَیں اُن کا نمایندہ ہوں۔ آپ دعوت کیجیے، ثواب اُن تک پہنچادوں گا۔ سو یہ خط اس لیے لکھ رہا ہوں کہ آپ کی نمایندگی کر کے کام و دہن کی آزمایش سے گزر چکا ہوں۔

آزمایش کا لفظ اس لیے استعمال کیا ہے کہ کھانے کے ساتھ اُن کی گفتگو بھی مجھے نگلنی پڑی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گفتگو ہضم ہوئی نہ کھانا۔ اُس دن سے پیٹ خراب ہے۔ اتنی عمر گزرنے کے بعد معلوم ہوا کہ صحبت خراب ہو تو پیٹ بھی خراب ہو جاتا ہے۔

مَیں نے اپنے سابقہ خط میں یہ عرض بھی کیا تھا کہ اب مجھے پنجاب یونی ورسٹی کی کسی کتاب کی ضرورت نہیں۔ فہرست دیکھی تو معلوم ہوا، سب کتابیں میرے پاس ہیں۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۷-۵-۹۰ء

....

۴۳

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

آپ کے شاگرد آئے تھے۔ ڈرافٹ، تبصرہ اور کتاب کے دو نسخے ملے، ممنون ہوں۔

میرا پچھلا خط آپ کو شاید نہیں ملا، جس میں مَیں نے گزارش کی تھی کہ کیا جرنل آف دی ریسرچ کے تمام شمارے قیمتاً مل سکتے ہیں؟ مجھے غالب نمبر کی خاص طور پر ضرورت ہے[۱]۔ تبصرہ حسبِ منشا شائع ہو جائے گا۔

دوسرا خط برادرم فراقی صاحب کے لیے ہے۔ ایک عرصے سے اُن کا کوئی خط نہیں آیا۔ وہ اپنے نام کے جزوِ آخر کی مناسبت سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں، جبکہ مَیں یہ چاہتا ہوں کہ وہ

۱۔ جرنل آف ریسرچ، پنجاب یونی ورسٹی کا تحقیقی مجلہ ہے۔ اس زمانے میں اردو اور پنجابی کے معروف شاعر اور نقاد اور شعبۂ انگریزی کے صدر نشین پروفیسر محمد اسماعیل بھٹی (م: ۱۵ر ستمبر ۱۹۹۰ء) اس کے مدیر تھے۔ ان کے عنایت کردہ سابقہ تمام دستیاب شمارے مَیں نے خواجہ صاحب کو ارسال کر دیے تھے، جن میں غالب نمبر بھی شامل تھا۔

'وصالی' بن جائیں۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش

مشفق خواجہ

۱۶۔۷۔۹۰ء

....

۴۴

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

یہ خط مَیں ایک نہایت ضروری کام سے لکھ رہا ہوں۔ اُمید ہے، آپ توجہ فرمائیں گے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ ڈاکٹر وحید قریشی کی خدمت میں ارمغانِ علمی پیش کرنے کا خیال بیک وقت آپ کے اور میرے ذہن میں آیا تھا۔ آپ کے مشورے سے کام شروع کر دیا گیا تھا۔ اب تک ایک درجن سے زیادہ مقالے موصول ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر گوہر نوشاہی نے ڈاکٹر صاحب کی سوانح حیات لکھنے کا وعدہ کیا تھا۔ یہ کام بھی تقریباً مکمل ہے۔ یہ کام کب کا مکمل ہو چکا ہوتا، لیکن کراچی کے حالات کی وجہ سے کام آگے نہ بڑھ سکا۔ میرے علاقے میں مہینے میں پندرہ پندرہ دن کرفیو نافذ رہا۔ حالات کی بہتری کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اس کام میں مزید تاخیر بھی مناسب نہیں ہے، لہٰذا مَیں نے سوچا کہ یہ سارا کام آپ کے حوالے کر دیا جائے، آپ یہ کتاب لاہور سے چھپوا لیجیے۔ کچھ اور مقالے بھی لکھوا لیجیے۔

اب مسئلہ رقم کی فراہمی کا ہے۔ اس سلسلے میں میرے ذہن میں دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ کچھ دوستوں کا مالی تعاون حاصل کیا جائے اور کتاب کی پیشگی قیمت وصول کی جائے۔ مالی تعاون کے لیے مَیں کوشش کر سکتا ہوں۔ کچھ اپنے پاس سے دوں گا اور کچھ دوسروں سے لوں گا۔ مجھے اُمید ہے کہ اس طرح کم از کم پندرہ ہزار روپیہ جمع ہو جائے گا۔ دوسری صورت یہ ہوگی کہ ارمغانِ علمی کے پیشگی خریدار بنائے جائیں۔ کتاب کی قیمت اگر ۱۵۰/- روپے ہو تو پیشگی خریدار سے سو روپے لیے جائیں۔ اس طرح مَیں اپنے طور پر کم از کم سو خریدار بنا سکتا ہوں۔ کچھ آپ اور تحسین فراقی صاحب اور بعض دوسرے لوگ بھی خریدار بنا لیں گے۔ تمام رقم آپ کو بھیج دی جائے گی اور

آپ کتاب کو چھپوالیں گے۔ کتاب کی طباعت کے بعد جو آمدنی ہو وہ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کو پیش کردی جائے۔ ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کسی پبلشر سے معاملہ کرلیا جائے اور وہ کتاب کی دس فیصد رائلٹی ڈاکٹر صاحب کو ادا کردے[۱]۔

میرا یہ خط ڈاکٹر تحسین فراقی صاحب کو دکھا دیجیے اور اُن سے مشورہ کرکے جواب لکھیے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۳۰-۸-۹۰ء

....

۴۵

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

بہت دنوں سے آپ سے رابطہ نہیں ہے۔ کبھی کبھار تحسین فراقی صاحب سے فون پر بات ہوتی ہے تو آپ کی خیریت معلوم ہو جاتی ہے۔

اس وقت یہ خط ایک غرض سے لکھ رہا ہوں (ہر خط ہی غرض سے لکھتا ہوں)۔ سیّد اسعد گیلانی نے تین چار سال پہلے مسافرانِ عدم کے نام سے ایک کتاب چھاپی تھی۔ سرزمینِ منصورہ ہی سے چھپی تھی[۱]۔ مجھے اس کی ضرورت ہے۔ ازرہِ کرم ناشر سے کہہ دیجیے کہ اس کا ایک نسخہ مجھے وی پی پی

۱۔ ارمغانِ علمی کی اشاعت کے لیے خانہ فرہنگ ایران، اسلام آباد نے کچھ جزوی مالی اعانت کی تھی۔ پیشگی خریدار بنانے کا منصوبہ روبعمل نہ آسکا۔ کتاب ہم نے تیار و مرتب کردی، القمر انٹر پرائزز، لاہور نے شائع کردی اور مرتبین کو حقِ محنت کے طور پر چند نسخے مل گئے، جو انھوں نے دوستوں میں بانٹ دیے۔

(۴۵)

۱۔ ۲۷ مرحوم شخصیات کے تعارفی مضامین پر مشتمل یہ کتاب: حسنات اکیڈمی، منصورہ، لاہور نے ۱۹۸۷ء میں شائع کی تھی۔ اس کے مصنف ڈاکٹر سید اسعد گیلانی (۱۰ اپریل ۱۹۲۲ء۔ ۳ اپریل ۱۹۹۲ء) افسانہ نگار، ادیب، سیرت نگار، صحافی اور تحریک ادبِ اسلامی کے ایک نمایاں علمبردار تھے۔ عمر بھر جماعت اسلامی سے وابستہ اور آخری زمانے میں پاکستان کی قومی اسمبلی کے ممبر رہے۔ تفصیل دیکھیے: ایم اے اردو کا مقالہ: اسعد گیلانی بطور ناول نگار از نوید انور۔ مخزونہ: اسلامیہ یونی ورسٹی بہاول پور لائبریری۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کی مرتبہ کتاب: یاد نامۂ سید اسعد گیلانی، ادارۂ معارفِ اسلامی، لاہور، ۲۰۰۷ء۔

سے بھیج دے۔ رعایت اس لیے ضروری ہے کہ اس گروہ کی کتابوں کی خریداری پر صَرف شدہ رقم کی نسبت سے گناہ ہوتا ہے۔ مَیں کم سے کم گناہ کا خواہاں ہوں۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۲-۳-۹۱ء

....

۴۶

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

گرامی نامہ ملا اور کتاب اقبالیاتی جائزے بھی[۱]۔ ان عنایات کے لیے بے حد ممنون ہوں۔ آپ نے بہت اچھا کیا کہ بکھرے ہوئے مضامین کو یک جا کر دیا۔ اب ان سے استفادہ کرنا عام اور آسان ہو جائے گا۔ یہ بے حد معلوماتی مضامین ہیں، ان کی کتابی صورت میں یک جائی بے حد ضروری تھی۔ کتاب کا دوسرا نسخہ طاہر مسعود صاحب کو پیش کر دوں گا[۲]۔

اب تو ہندوستانی ادیب اُسی طرح کثرت سے آ رہے ہیں جس طرح ہندوستان سے بُری خبریں آتی ہیں۔ ایسے لوگ کم ہوتے ہیں، جن سے مل کر خوشی ہو۔ اسلوب احمد انصاری صاحب[۳] ایسے ہی کم لوگوں میں سے ہیں۔ اُن سے تین چار ملاقاتیں ہوئیں اور خاصی مفید۔ کتابیں ہندوستان سے البتہ ایک سے ایک بہتر آ رہی ہیں۔ خصوصاً شمس الرحمٰن فاروقی، وارث علوی اور

۱۔ راقم کا مجموعۂ مضامین۔ ناشر: گلوب پبلشرز لاہور، ۱۹۹۰ء۔ یہ مجموعہ اضافوں کے ساتھ اب اقبال اکادمی پاکستان، لاہور سے زیرِ طباعت ہے۔

۲۔ طاہر مسعود (پ: ۷؍ جنوری ۱۹۵۷ء) معروف صحافی، ادیب اور استاد۔ بطور صحافی اور کالم نگار متعدد اخبارات و رسائل (جنگ، جسارت، پاکستان اور تکبیر وغیرہ) سے منسلک رہے۔ ۱۹۸۴ء میں شعبۂ ابلاغ عامہ، کراچی یونی ورسٹی سے وابستہ ہوئے۔ صدر شعبہ رہے۔ ان دنوں وہیں پروفیسر ہیں۔

۳۔ پروفیسر اسلوب احمد انصاری (پ: ۱۹۲۵ء) نامور نقاد اور ادیب۔ طویل عرصے تک علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں انگریزی زبان و ادب کے استاد اور صدر شعبہ رہے۔ شش ماہی تنقیدی مجلّے نقد و نظر کے مدیر۔ چند تصانیف: ادب اور تنقید۔ نقشِ غالب۔ نقشِ اقبال۔ اقبال: حرف و معنی۔ آئینہ خانے میں۔ Arrows of Intellect۔ اقبال کی منتخب نظمیں اور غزلیں۔

بعض دوسرے نقادوں کی کئی اچھی اچھی کتابیں آئی ہیں۔ فاروقی نے غالبؔ اور میرؔ پر جو کتابیں لکھی ہیں، وہ اگر مل جائیں تو ضرور ملاحظہ کیجیے[۴]۔ وارث علوی نے تو اکٹھی چار کتابیں شائع کی ہیں۔ دو تنقیدی مجموعے ہیں، ایک افسانے پر کتاب ہے اور ایک بیدی پر۔ معلوم نہیں، آپ نے وارث علوی کو پڑھا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو ضرور پڑھیے۔ اگرچہ یہ شخص، آپ کے نقطۂ نظر سے، خاصا 'غیر شرعی' نظر آئے گا، لیکن باتیں فکر انگیز کرتا ہے[۵]۔

تحقیق نامہ[۶] کی پروف ریڈنگ آخری مراحل میں ہے۔ اس کتاب نے بہت وقت لے لیا۔ پہلے تو مضامین کی نظر ثانی کی، پھر پروف ریڈنگ کے دوران کئی صفحات تبدیل کرنا پڑے۔ دوسروں کی غلطیاں پکڑتے پکڑتے اپنی غلطیاں بھی پکڑنی شروع کر دیں! حالانکہ یہ کام مجھے اپنے سے بہتر لوگوں کے لیے چھوڑ دینا چاہیے تھا۔

اگر زحمت نہ ہو تو حسنات اکیڈمی والوں کو فون کر دیجیے کہ ماہر القادری کے سیاحت نامہ[۷] کی ایک اَور جلد بھیج دیں۔ یہ مَیں ہندوستان کے ایک دوست[۸] کو بھیجوں گا، کیونکہ اس میں اُن کا ذکر ہے۔ حسنات اکیڈمی والے آپ کی ضمانت پر مجھے کتابیں بل کے ساتھ بذریعہ رجسٹری بھیج دیتے ہیں، مَیں رقم منی آرڈر سے بھیج دیتا ہوں۔

۴۔ شمس الرحمٰن فاروقی (پ: ۳۰ ستمبر ۱۹۳۵ء) نامور نقاد، ادیب اور دانش ور، مدیر: شب خون۔ چند تصانیف: شعر، غیر شعر اور نثر، سبز اندر سبز، افسانے کی حمایت میں، تنقیدی افکار۔ اِن دِنوں (نومبر ۲۰۰۷ء) قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی کے ڈائریکٹر ہیں۔

۵۔ وارث علوی (۱۱ جون ۱۹۲۸ء) اردو تنقید میں اپنے تیکھے اور منفرد لب و لہجے کے سبب شہرت رکھتے ہیں۔ احمد آباد سینٹ زیورس کالج میں انگریزی کے استاد رہے۔ چند تصانیف: تیسرے درجے کا مسافر، اے پیارے لوگو، حالی...... مقدمہ اور ہم، خندہ ہائے بے جا، افسانہ اور افسانہ نگار، راجندر سنگھ بیدی کا فن۔

۶۔ تحقیق نامہ خواجہ صاحب کے سات تحقیقی مقالات کا مجموعہ ہے۔ ناشر: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۱ء۔

۷۔ جناب ماہر القادری (۳۰ جولائی ۱۹۰۷ء۔ ۱۲ مئی ۱۹۷۸ء) کے احوالِ سفر پر مبنی سیاحت نامہ (مرتب: طالب الہاشمی) ادارۂ الحسنات، لاہور سے ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا تھا۔ اس میں افریقہ، ترکی، بیروت، سعودی عرب اور برطانیہ وغیرہ کے اسفار کا ذکر ہے۔

۸۔ دوست سے مراد (جیسا کہ آیندہ خط سے واضح ہوتا ہے) بھارت کے نامور ادیب، شاعر، محقق اور غالب شناس، کالی داس گپتا رضا (۲۵ اگست ۱۹۲۵ء۔ ۲۱ مارچ ۲۰۰۱ء) ہیں۔ وہ ۲۲ سال تک بسلسلۂ کاروبار جنوبی افریقہ میں مقیم رہے۔ پھر بمبئی آ گئے، یہیں انتقال ہوا۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۵-۵-۹۱ء

....

۴۷

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

چند روز ہوئے، ایک خط لکھا تھا۔ امید ہے، ملا ہوگا۔

عبدالقوی دیسنوی صاحب[۱] کا خط آپ کے نام موصول ہوا ہے، یہ منسلک ہے۔ شاعر کے ایڈیٹر افتخار امام صدیقی آج کل کراچی میں ہیں۔ اگر آپ اپنی نئی کتاب اُنھیں تبصرے کے لیے بھیج سکیں تو اچھا ہو۔ وہ اس کتاب کو میری میز پر دیکھ کر اسے حاصل کرنے کے لیے بے قرار ہو گئے۔ صدیقی صاحب ایک ہفتے تک یہاں رہیں گے۔ اگر اجازت ہو تو طاہر مسعود والی کتاب انھیں دے دوں۔ طاہر صاحب کے لیے دوسری بھجوا دیجیے گا[۲]۔

مظفر حسین برنی صاحب[۳] سے مَیں نے وعدہ کیا تھا کہ اقبال کے ایک دو خط بھیجوں گا۔ مندرجہ ذیل دو خط دستیاب ہوئے ہیں۔ ازرہِ کرم مطلع فرمائیے کہ یہ دونوں خط کسی مجموعے میں شامل تو نہیں:

۱۔ حیدر آباد دکن میں ایک صاحب تھے: محمد احمد اللہ منصور حیدر آبادی۔ ان کی ایک چھوٹی سی کتاب آفتاب ہند چھپی تھی۔ اس میں پنڈت نہرو کے بارے میں منظومات ہیں۔ کتاب پر سالِ طباعت درج نہیں، لیکن یہ طے ہے کہ کتاب آزادی کے بعد چھپی ہے، کیونکہ نہرو کے نام کے ساتھ 'وزیر اعظم ہندوستان' لکھا ہے۔ اس کتاب کے آخر میں مصنف کے نام مختلف لوگوں کے

۱۔ دیکھیے خط ۲۵، حاشیہ ۱۔
۲۔ ان دنوں ماہ نامہ شاعر کے مدیر جناب افتخار امام صدیقی (پ: ۱۶ رنومبر ۱۹۴۷ء) کراچی آئے ہوئے تھے۔ 'نئی کتاب' سے مراد راقم کا مجموعہ مضامین اقبالیاتی جائزے تھا، جو افتخار امام صدیقی صاحب کو پیش کر دیا گیا تھا۔ طاہر مسعود کا تعارف دیکھیے: خط ۳۶، حاشیہ ۲۔
۳۔ مظفر حسین برنی (پ: ۱۴ راگست ۱۹۲۳ء) سابق آئی سی ایس، بھارت کے متعدد صوبوں کے گورنر بھی رہے۔

خطوط ہیں۔ خط کی نقل ورق کے دوسری طرف ملاحظہ کیجیے۔ اگر یہ خط کسی مجموعے میں نہیں ہے تو برنی صاحب کے کام کا ہے[۴]۔

۲۔ ۲۹ رمئی ۱۹۳۳ء کو علامہ اقبال نے ڈاکٹر ریاض الحسن کے نام ایک خط (انگریزی) لکھا تھا، جس میں میسولینی کا ذکر ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ یہ خط چھپ چکا ہے، لیکن یہ یاد نہیں کہ عکس چھپا ہے یا نہیں۔ اگر عکس نہیں چھپا تو یہ بھی اُن کے کام آ جائے گا[۵]۔

حوالے کی ساری کتابیں موجود ہیں اور مَیں دیکھ سکتا ہوں، لیکن آپ چونکہ اقبال کے اِن سائی کلو پیڈیا ہیں، اس لیے مجھے یہ اطمینان رہے گا کہ آپ کی سند حاصل ہے۔ اگر آپ جلد جواب عنایت فرما سکیں تو کرم ہوگا۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۳۔۶۔۹۱ء

....

۴۸

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کے دونوں گرامی نامے مل گئے تھے۔ خطوطِ اقبال کے متعلق آپ نے جو معلومات فراہم کی ہیں، اُس کے لیے شکر گزار ہوں۔ آپ کی کتاب کا جو نسخہ (زائد) میرے پاس تھا، وہ مَیں نے افتخار امام صدیقی صاحب کو پیش کر دیا۔ اُس پر لکھ دیا کہ یہ مصنف کی طرف سے ہے۔ وہ آپ کو بمبئی پہنچ کر خط لکھیں گے (اب تو اُنھیں وہاں پہنچے ہوئے دو ہفتے ہو چکے ہیں)۔ الحسنات والوں کی طرف سے سفر نامہ ماہر القادری[۱] مل گیا تھا، عید سے ایک روز پہلے۔ اب پرسوں منی آرڈر

۴۔ مَیں نے فوراً خواجہ صاحب کو مطلع کر دیا کہ مذکورہ خط اقبال کے کسی مجموعۂ مکاتیب میں شامل نہیں ہے۔ ان دنوں برنی صاحب اقبال کے مکتوبات جمع کر رہے تھے۔ ان کا مرتبہ: کلیاتِ مکاتیب اقبال چار جلدوں میں اردو اکادمی، دہلی سے چھپ چکا ہے۔

۵۔ اس خط کا انگریزی متن مع اردو ترجمہ، راقم کے مرتبہ مجموعے: خطوطِ اقبال (لاہور، ۱۹۷۶ء) میں شامل ہے، البتہ عکس اس میں نہیں چھپا۔ اس خط کا ذکر خط ۱۷ میں بھی آ چکا ہے۔

(۴۸)

۱۔ سیاحت نامہ جس کا ذکر خط ۴۶ کے حاشیے میں آ چکا ہے۔

سے اُنھیں رقم بھیج دوں گا۔ یہ نسخہ مَیں نے کالی داس گپتا رضا کے لیے منگوایا ہے۔ اس میں اُن کا ذکر ہے۔

تحسین فراقی صاحب سے دس بارہ روز قبل فون پر بات ہوئی تھی۔ وہ شاید واپسی پر کراچی آئیں۔ خدا کرے کہ ایسا ہو[۲]۔ دیکھنا چاہتا ہوں کہ لیلیٰ مجنوں پر مقالہ لکھنے کے بعد ان کی کیا حالت ہے[۳]۔

بہت عرصہ ہوا، سکندر علی صاحب مرحوم[۴] نے علامہ اقبال کے کچھ خطوط (بنام شاد) کے عکس مجھے بھیجے تھے۔ یہ عکس آپ کی خدمت میں ارسال ہیں۔ از رہِ کرم ان کو ملاحظہ فرمایئے۔ اگر ان میں کوئی کام کی بات ہو (جو پہلے عام نہ ہو چکی ہو) تو مطلع فرمایئے۔ یہ خط مطبوعہ ہیں یا غیر مطبوعہ۔ مطبوعہ ہیں تو کیا متن کا کوئی فرق ہے؟ کیا یہ عکس پہلے کبھی چھپے ہیں؟...... یہ عکس بھی مَیں مظفر برنی صاحب کو بھیجنا چاہتا ہوں۔ اگر ان عکوس کی کچھ اہمیت ہو تو ایک مختصر سا مضمون لکھ کر چھپوا دیجیے۔ آپ ان کے مزید عکس بنوا کر اپنے پاس رکھ لیجیے اور یہ مجھے لوٹا دیجیے۔ کیا مظفر برنی صاحب کے لیے یہ مفید ہوں گے؟

حمزہ فاروقی آج کل لندن میں ہیں۔ عیدالفطر کے فوراً بعد چلے گئے تھے۔ جولائی کے آخر تک واپس آئیں گے۔ عقیل صاحب کو آپ کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ محمد صلاح الدین صاحب (تکبیر) کے ایک عزیز میرٹھ سے آئے ہیں، یہ حفیظ جالندھری پر پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ منصورہ ہی میں ٹھہریں گے۔ ان کی جو مدد ہو سکے، اُس سے دریغ نہ فرمایئے گا۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ حفیظ کو ہندوستان میں پوچھا جا رہا ہے۔

اِدھر ایک اچھی کتاب شائع ہوئی ہے خطباتِ رشید احمد صدیقی۔ ضخیم بھی ہے اور خاصی مہنگی بھی۔ اس کا دیباچہ جو لطیف الزماں خاں نے لکھا ہے، نہایت واہیات ہے۔ اس میں

۲۔ فراقی صاحب نظامی گنجوی کانفرنس (۲۱ر جون ۱۹۹۱ء) میں شرکت کے لیے تبریز، ایران گئے تھے۔ خواجہ صاحب کی توقع کے مطابق واپسی پر وہ کراچی رُکے اور خواجہ صاحب سے ملاقات کی۔

۳۔ اسی زمانے میں ان کی نگرانی میں ایک مصری طالب علم ابراہیم محمد ابراہیم (پ: ۳۱ر دسمبر ۱۹۶۲ء) عربی اور اردو شاعری: لیلیٰ مجنوں کا تقابلی مطالعہ کے عنوان سے پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ لکھ رہے تھے۔ ابراہیم جامعہ الازہر، قاہرہ میں شعبہ اردو کے استاد رہے۔ آج کل (یکم اگست ۲۰۰۷ء) اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور سے بطور مترجم و محقق وابستہ ہیں۔

۴۔ سکندر علی وجد (۱۲ر فروری ۱۹۱۴ء۔ ۱۶ر مئی ۱۹۸۳ء) ریاست حیدرآباد، دکن کی نامور شخصیت اور معروف شاعر۔

سید معین الرحمٰن[۵]، آل احمد سرور، اسلوب احمد انصاری اور ابن فرید کے بارے میں نہایت واہیات انداز سے لکھا گیا ہے۔[۶]

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۷۔۶۔۹۱ء

....

۴۹

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

اب کے تو آپ نے خط کے جواب میں تاخیر کا عالمی ریکارڈ قائم کر دیا۔ مَیں تو اس حد تک مایوس ہوا کہ بھول چکا تھا کہ آپ کو جواب طلب خط لکھ رکھا ہے، لیکن آپ کا کرم کہ آپ نہیں بھولے۔ شکر گزار ہوں کہ آپ نے وقت نکال کر خطوطِ اقبال بنام شاد کے بارے میں معلومات بہم پہنچائیں۔ ایک بات البتہ تشنۂ جواب رہ گئی کہ ان خطوں کے عکس بھی کہیں شائع ہوئے ہیں یا

۵۔ ڈاکٹر سید معین الرحمٰن (م: ۱۵راگست ۲۰۰۵ء) معروف غالب شناس اور ادیب۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں صدر شعبہ اردو اور ڈین رہے۔ بہت سی کتابوں کے مصنف۔

۶۔ خطباتِ رشید احمد صدیقی (مرتبین: مہر الٰہی ندیم علیگ+لطیف الزماں خاں) مکتبہ دانیال، کراچی، ۱۹۹۱ء۔ مقدمے میں لطیف الزماں خاں صاحب نے مختلف اصحاب کے بارے میں اس طرح اظہارِ خیال کیا ہے: مسز ثریا حسین (سابق صدر شعبہ اردو، مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ) تیسرے درجے کی مخلوق ہیں۔ (ص۵) سرور صاحب، سنا ہے بڑے سمجھ دار آدمی ہیں (انسان نہیں)۔ (ص۶) سرور صاحب کے شاگرد قاضی عبدالستار...... کا ایک جملہ لکھتا ہوں: سرور صاحب! آپ کیا بیچتے ہیں؟...... قاضی صاحب بڑے ذہین، راست گو، نڈر اور بے باک انسان ہیں۔ صاف گوئی ہی ان کی پہچان ہے۔ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ سرور صاحب کا اپنا کچھ نہیں ہے، نہ خیالات، نہ افکار، نہ طرزِ بیان۔ (ص۱۱) [اسلوب احمد انصاری کا ذکر کرتے ہوئے] مالک رام صاحب کی سفارش پر غالب اکیڈمی، دلّی سے ادبی انعام حاصل کر لینا اور بات ہے۔ اچھی نثر، اچھے اسلوب میں لکھنا اور بات۔ (ص۲۵) [ڈاکٹر سید معین الرحمٰن کے بارے میں] سیّد صاحب انگریزی سمجھتے ہوں، مجھے اس بارے میں شبہ ہے۔ (ص۳۶) اُس وقت معین صاحب بمشکل ٹیاؤں ٹیاؤں کرتے ہوں گے۔ (ص۴۱)۔ ابنِ فرید گدھ ہیں، افسوس کہ وہ 'راجہ گدھ' بھی نہیں صرف 'کلّی گدھ' ہیں۔ (ص۴۳)

نہیں؟ اگر نہیں تو پھر یہ عکس برنی صاحب کے کام آ جائیں گے۔

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ نے اس دوران میں دو کتابوں کے مسودے مکمل کر لیے اور ان کی طباعت شروع ہو گئی۔ میری کتاب تحقیق نامہ طباعت کے لیے تیار ہے، لیکن مغربی پاکستان اردو اکیڈمی کے مالی حالات،.......... کے علمی و ذہنی معاملات کی طرح دگرگوں ہیں۔ اس کی کتابت اپنے پاس سے کرائی تھی، سوچتا ہوں باقی اخراجات بھی خود ہی برداشت کر لوں، تا کہ دوسرے ہر طرح کے نقصان سے محفوظ رہیں۔

ارمغان علمی کے لیے یہی صورت سب سے بہتر ہے کہ کسی پبلشر سے معاملہ کر لیا جائے۔[1] دس بارہ مضامین موجود ہیں، کچھ اَور لکھوا لیے جائیں تو ایک اچھی ضخامت کی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ مَیں اکتوبر کے آخر میں لاہور آ رہا ہوں، جو مضامین موجود ہیں، وہ ساتھ لیتا آؤں گا۔ جن لوگوں کے وعدے ہیں اور جن سے مضامین لکھوانے ہیں، اُن کی فہرست بھی لاؤں گا۔ یہ سب کچھ آپ کے حوالے کر دوں گا۔ مَیں نے جہاں سے کام چھوڑا ہے، وہاں سے آپ شروع کر دیجیے۔ اس میں تمام مضامین مختلف علمی و ادبی موضوعات پر ہوں گے۔ ڈاکٹر صاحب کے بارے میں صرف دو مضامین ہوں گے۔ ایک تو اُن کی سوانح حیات، جو گوہر نوشاہی صاحب نے مرتب کرنے کا وعدہ کیا ہے (ان کو یاد دہانی کا خط آج ہی لکھ رہا ہوں) اور دوسرے کتابیات وحید، یہ مطبوعہ صورت میں موجود ہے۔ دو چار اضافے ہوں گے۔ آپ اپنے قریبی لوگوں کو تو مقالے لکھنے کی دعوت دے ہی دیجیے، مثلاً سب سے پہلے آپ خود، پھر ڈاکٹر تحسین فراقی، مولانا نعیم صدیقی وغیرہ۔

مَیں خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت کا طالب۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ

۲۸-۹-۹۱ء

....

۱۔ جیسا کہ ایک سابقہ خط میں ذکر ہوا، لاہور کے ایک ناشر القمر انٹر پرائزز سے اشاعتِ کتاب کا معاملہ طے ہو گیا تھا۔

۵۰

براد رِمکرّم، سلام مسنون

گرامی نامہ ملا اور اس سے پہلے تصویری کارڈ بھی ملا تھا۔ بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے سفر کے دوران بھی یاد رکھا اور واپس آ کر بھی[۱]، ورنہ اکرام چغتائی[۲] تو حسینانِ یورپ میں ایسے کھو جاتے ہیں کہ دورانِ سفر دوستوں کو اور واپس آ کر اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں۔ (اکرام چغتائی کے بارے میں ایک جملہ سہیل عمر صاحب کے نام کے خط میں بھی ہے۔ دونوں جملوں کو ملا کر پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ مَیں کیا کہنا چاہتا ہوں)۔

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ سفر کی رُوداد لکھ رہے ہیں۔ ذرا مفصّل لکھیے گا، اتنی تفصیل کہ اوسط ضخامت کی ایک کتاب بن جائے۔ لوگ بے مقصد سفر کرتے ہیں اور سفر نامے کے نام پر طومار نویسی اور خرافات نگاری کرتے ہیں، آپ کا سفر تو با مقصد بھی تھا اور نتیجہ خیز بھی۔ مجھے زیادہ دلچسپی اس سے ہے کہ پیرس میں آپ کا کیا حال ہوا۔ کاش مَیں وہاں آپ کے ساتھ ہوتا اور دیکھتا کہ آپ نگاہوں سے کس طرح کام لے رہے ہیں۔ کیا پیرس میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی[۳]؟

اس کا افسوس ہوا کہ بیشتر دوستوں کو دہلی کا ویزا نہیں ملا[۴]۔ دراصل غلطی دوستوں ہی کی ہے۔ ویزا کی درخواست میں سیمی نار کا ذکر ہی نہیں کرنا چاہیے تھا۔ حیدر آباد سندھ سے بھی اسی وجہ سے کوئی نہیں جا سکا۔ کراچی سے طاہر مسعود، مسعود احمد برکاتی[۵] اور شجاع احمد زیبا[۶] دہلی گئے ہیں۔

۱۔ سپین اور فرانس کے سفر (نومبر، دسمبر ۱۹۹۱ء) کے دوران میں راقم نے خواجہ صاحب کو تصویری کارڈ بھیجے تھے۔ واپس لاہور آ کر احوالِ سفر کے ذکر پر مشتمل خط روانہ کیا۔

۲۔ محمد اکرام چغتائی (پ: ۲۲؍اکتوبر ۱۹۴۱ء) نامور محقق، نقاد اور مصنف۔ سابق ڈائریکٹر اردو سائنس بورڈ۔ انھیں انگریزی کے ساتھ جرمن زبان پر بھی دسترس حاصل ہے۔ خواجہ صاحب سے ان کے بے تکلفانہ مراسم تھے۔

۳۔ اس سفر کی رُوداد پوشیدہ تری خاک میں ...... کے نام سے شائع ہو چکی ہے (دارالتذکیر لاہور، ۲۰۰۲ء)۔ اس پر خواجہ صاحب نے ایک مختصر 'تقدیم' تحریر کی تھی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے ملاقات کا ذکر بھی مذکورہ سفر نامے میں شامل ہے۔

۴۔ انجمن ترقی اردو ہند نے متعدد دوستوں کو 'مولوی عبدالحق سیمی نار' میں مدعو کیا تھا، مگر ویزا کسی کو نہیں ملا۔

۵۔ مسعود احمد برکاتی (پ: ۱۵؍اگست ۱۹۳۳ء) ہمدرد کے شعبۂ تصنیف و تالیف سے منسلک، نونہال کے مدیر۔ حکیم محمد سعید مرحوم کے قلمی دستِ راست۔ بچوں کے ایک سربرآوردہ ادیب۔

۶۔ پروفیسر شجاع احمد زیبا (۱۹۲۲ء۔۱۹۹۵ء) شاعر، ادیب اور ماہرِ تعلیم، علی گڑھ سے .... ←

دوستوں سے کہیے کہ اُنھوں نے سیمی نار کے لیے جو مقالے لکھے ہیں، وہ ڈاکٹر خلیق انجم کو جلد از جلد بھجوا دیں، کیونکہ وہ ایک ضخیم کتاب شائع کرنے والے ہیں۔ اچھا ہے کہ یہ سب مقالے اُس کتاب میں شامل ہو جائیں۔

اُمید ہے، ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے میری کتاب تحقیق نامہ آپ کی خدمت میں پیش کر دی ہوگی۔

تحسین فراقی صاحب کے بیٹے کی بیماری تشویش کا باعث ہے[۷]۔ خدا کرے، یہ بچہ اب تک پوری طرح صحت یاب ہو چکا ہو۔ تحسین صاحب نے ایک دوا کے لیے مجھ سے کہا تھا، جو پاکستان میں نہیں ملتی۔ کئی لوگوں کو پیغام بھیج چکا ہوں، ابھی کسی کی طرف سے مثبت جواب نہیں ملا۔ توقع ہے کہ چند روز میں یہ دوا مل جائے گی۔ تحسین فراقی صاحب کو مَیں نے خط لکھا ہے، آپ بھی فون پر مطلع کر دیجیے گا۔

منسلکہ خط سہیل عمر صاحب کو پیش کر دیجیے۔ یہ خط پڑھ لیجیے، اس میں جس کلیات حصّہ فارسی کا ذکر ہے، وہ آپ ہی کے نام پوسٹ کر رہا ہوں۔ مجھے اقبال اکیڈیمی کا نیا پتا معلوم نہیں ہے[۸]۔ جب کبھی اقبال اکیڈیمی جانا ہو، یہ کتاب اور خط سہیل صاحب کو دے دیجیے گا۔ زحمت دہی کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ

۳-۱-۹۲ء

....

بقیہ: ایم اے، ایل ایل بی۔ پاکستان آنے کے بعد چند سال ڈان اور امروز میں کام کیا۔ قومی زبان کے مدیر رہے۔ پھر مختلف کالجوں میں اردو کے استاد رہے۔ ۱۹۸۰ء میں سراج الدولہ کالج کے پرنسپل کے منصب سے سبک دوش ہوئے۔ طویل عرصہ مولوی عبدالحق سے رفاقت رہی۔

۷۔ یہ ذکر ہے تحسین فراقی صاحب کے چھوٹے بیٹے عثمان کا، جس کی آنکھوں کے لینز اپنی جگہ سے ہٹ (dislocate) گئے تھے۔

۸۔ ان دنوں اقبال اکادمی، ماڈل ٹاؤن میں واقع کرائے کے ایک مکان میں کام کر رہی تھی۔

۵۱

برادرِ مکرم، سلام مسنون

۱۷رجون کا گرامی نامہ آج ۲۴رجون کو ملا۔ تاخیر کا سبب کرفیو ہے، جو میرے علاقے میں نافذ ہے۔ گزشتہ چھ سات برسوں سے کراچی کی قسمت میں یہی کچھ لکھا ہے!

سرسید سیمی نار کے لیے ڈاکٹر خلیق انجم صاحب نے مجھے ذاتی طور پر خط تو لکھا ہے، لیکن انجمن کے نام کوئی خط نہیں آیا۔ مَیں نے جواباً اُنھیں لکھا ہے کہ وہ انجمن اور حکیم محمد سعید[۱] کو وفد بھیجنے کے لیے خط لکھیں۔ جب یہ خطوط آجائیں گے تو مَیں کوشش کروں گا کہ آپ دونوں کے نام کسی ایک وفد میں شامل ہو جائیں[۲]۔

ویزے کے سلسلے میں آپ ہرگز یہ ظاہر نہ کیجیے گا کہ سے می نار میں شرکت کے لیے جارہے ہیں۔ ذاتی وجوہ بیان کیجیے گا۔ ہندوستانی سفارت خانہ سے می نار وغیرہ میں شرکت کے لیے ویزا جاری نہیں کرتا...... بابائے اردو سے می نار میں جو لوگ انجمن اور ہمدرد کی طرف سے گئے تھے، اُنھوں نے ذاتی وجوہ کی بنا پر ویزے لیے تھے۔ جنھوں نے ایسا نہیں کیا تھا، وہ نہیں جاسکے تھے۔

کوئٹہ جاتے ہوئے کراچی ضرور تشریف لایئے۔ اچھا ہے، کچھ وقت آپ کے ساتھ گزر جائے[۳]۔

ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے درست بتایا کہ دو کتابوں پر کام مکمل کر لیا ہے۔ ایک تو کالموں کا انتخاب ہے[۴] اور دوسری کلیاتِ یگانہ۔ کالموں پر بہت وقت ضائع ہوا۔ نظرِ ثانی اِس انداز سے کی ہے کہ بعض کالموں کا حلیہ بگڑ گیا ہے، یعنی انھیں ازسرِ نو لکھا ہے۔ یگانہ کا متن مرتب کر لیا ہے، اب حواشی لکھ رہا ہوں۔ اور بھی کئی کام شروع کر رکھے ہیں۔ جب کسی کام سے اکتا جاتا ہوں تو دوسرا کام ہاتھ میں لے لیتا ہوں۔

۱۔ ہمدرد والے حکیم محمد سعید (م: ۱۷را کتوبر ۱۹۹۸ء)۔

۲۔ دونوں سے مراد راقم اور تحسین فراقی ہیں۔ دعوت نامہ ہمیں ملا تھا، مگر ویزے کے مرحلے سے قبل بعض دوسری وجوہ سے ہم دونوں بھارت نہ جاسکے۔

۳۔ کوئٹہ نہ جاسکا، خواجہ صاحب سے متوقع ملاقات بھی نہ ہو سکی۔

۴۔ یہ ذکر ہے کالموں کے پہلے مجموعے خامہ بگوش کے قلم سے کا۔ یہ انتخاب مظفر علی سید مرحوم نے کیا تھا اور نظرِ ثانی مصنف نے کی۔ (ناشر: پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور، ۱۹۹۵ء)

اقبال ایوارڈ[۵] کے سلسلے میں لاہور کا پروگرام ہے۔ دیکھیے سہیل عمر صاحب کب اس کی میٹنگ رکھتے ہیں۔

تحسین صاحب سے میرا سلام کہیے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۴۔۶۔۹۲ء

....

۵۲

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

گرامی نامہ مورخہ ۳ر دسمبر موصول ہوا، اس عنایت کے لیے ممنون ہوں۔

قومی زبان کے ادارۂ تحریر میں میرے نام کی شمولیت میری مرضی کے بغیر ہوئی ہے[۱]۔ مَیں نے کہہ دیا ہے کہ آیندہ میرا نام شائع نہ کیا جائے۔ انجمن سے میرا تعلق ہے اور بہت سے معاملات میں شریک رہتا ہوں، لیکن کام کی حد تک، نام کہیں نہیں آنے دیتا۔ پچھلے دنوں انجمن کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لیے ڈاکٹر اسلم فرخی[۲] کے فرائض صرف مطبوعات کی حد تک محدود کر دیے گئے تھے،

۵۔ 'قومی صدارتی اقبال اوارڈ' ہر تین سال کے دورانیے میں اقبال پر بہترین تحقیقی وتنقیدی (ایک اردو اور ایک انگریزی) کتاب پر دیے جاتے ہیں۔ اردو کتاب پر اوارڈ اب سالانہ ہو گیا ہے۔ اوارڈ وفاقی حکومت کی طرف سے دیے جاتے ہیں، مگر اس کا اہتمام اقبال اکادمی کے سپرد ہے۔ خواجہ صاحب اردو اوارڈ کمیٹی کے رکن تھے۔

(۵۲)

۱۔ انھی دنوں، ماہ نامہ قومی زبان کراچی کے ادارۂ تحریر میں مشفق خواجہ صاحب کا نام بھی شائع ہونے لگا تھا۔ مَیں نے خواجہ صاحب کو لکھا: اس ادارت میں تو آپ کے تصنیفی و تحقیقی کام کا حرج ہوگا۔ اس پر انھوں نے یہ وضاحت کی۔

۲۔ ڈاکٹر محمد اسلم فرخی (پ: ۲۳ر اکتوبر ۱۹۲۳ء) ادیب، محقق، نقاد اور براڈ کاسٹر۔ شعبۂ اردو، کراچی یونی ورسٹی کے سابق استاد۔ خواجہ صاحب پر ان کا مفصل مضمون، جسارت میگزین کراچی میں شائع ہوا۔ یہ قومی زبان کے مشفق خواجہ نمبر فروری ۲۰۰۶ء میں بھی شامل ہے۔

اس لیے قومی زبان سے اُن کا کوئی تعلق نہیں رہا تھا۔ ایک دن عالی صاحب[۳] دفتر گئے اور یہ ہدایت دے آئے کہ ادارۂ تحریر میں میرا نام بھی شامل کر دیا جائے۔ مجھے اس کا اُس وقت علم ہوا، جب رسالہ شائع ہو چکا تھا۔

آیندہ آپ کو قومی زبان ہی نہیں، اردو بھی باقاعدگی سے ملتا رہے گا۔

قومی زبان کا نومبر کا شمارہ شائع ہوا تھا۔ یہ رسالہ ایک مہینے کی تاخیر سے شائع ہو رہا تھا، نومبر میں دو شمارے شائع کر کے تاخیر کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

لاہور آنے کا مسئلہ یہ ہے کہ سہیل عمر صاحب نے دسمبر کے دوسرے ہفتے میں میٹنگ[۴] رکھنے کے لیے کہا تھا، مگر اس مہینے میں میری یہاں کی مصروفیات بہت زیادہ ہیں، اس لیے مَیں نے اُنھیں لکھا ہے کہ میٹنگ جنوری کے دوسرے ہفتے میں رکھیے۔

پچھلے دنوں ڈاکٹر وحید قریشی صاحب یہاں تشریف لائے، پانچ روز قیام کیا۔ بہت اچھا وقت اُن کے ساتھ گزرا۔

اب تو آپ لوگوں کے دہلی جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ۲۸ر نومبر کو ڈاکٹر گیان چند کو یہاں آنا تھا (بابائے اردو یادگاری لیکچر کے لیے)، اُنھیں بھی ویزا نہیں ملا۔

اس انتظار میں ہوں کہ مَیں لاہور جاؤں یا آپ کراچی تشریف لائیں تو آپ سے تفصیلی گفتگو ہو۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۷۔۱۲۔۹۲ء

....

۵۳

برادرِ مکرم، سلام مسنون

آپ سے فون پر بات ہو گئی تھی، اس لیے فوراً جواب نہیں لکھا۔ آج آپ کا تبصرہ قومی

۳۔ جمیل الدین عالی (پ: ۲۰ر جنوری ۱۹۲۶ء) نامور ادیب، شاعر اور کالم نگار۔ بہت سے اہم حکومتی مناصب پر فائز رہے۔ متعدد علمی و ادبی اوارڈ حاصل کیے۔ انجمن ترقی اردو پاکستان کے بڑے اہم ذمہ دار۔ ۲۰۰۷ء میں اُنھیں اکادمی ادبیات پاکستان کا 'کمالِ فن اوارڈ' بھی ملا۔

۴۔ اقبال اوارڈ کمیٹی کی میٹنگ۔

زبان کے لیے بھجوادیا ہے۔اس کا آخری پیراگراف قلم زد کردیا ہے، جس میں آپ نے انجمن ترقی اردو اور بعض دوسرے اداروں کو غیرت دلانے کی کوشش کی ہے[1]۔

آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اقبال ایوارڈ کی میٹنگ ۱۵رجنوری کو ہے، مَیں ۱۴ کو لاہور پہنچ جاؤں گا اور چار پانچ روز قیام کروں گا۔آپ سے اِن شاءاللہ ملاقات نہیں، ملاقاتیں ہوں گی۔ ارمغان وحید قریشی کا سارا مواد (بقول اہلِ جماعت: لوازمہ)[2] ساتھ لیتا آؤں گا۔

گوجرانوالہ سے ایک رسالہ شائع ہوتا ہے مفیض ،اس کے تازہ شمارے میں ڈاکٹر حسن اختر نے اپنی بیٹی (شازیہ اختر) کے نام سے ڈاکٹر افتخار صدیقی کی کتاب عروجِ اقبال کے بارے میں ہرزہ سرائی کی ہے۔کیا یہ رسالہ آپ کی نظر سے گزرا ہے[3]؟

پروفیسر محمد ابراہیم ڈار کی کتاب مضامین ڈار کیا آپ کی نظر سے گزری ہے؟ پروفیسر محمد اسلم صاحب[4] نے بتایا ہے کہ اس کا ایک نسخہ پنجاب یونی ورسٹی لائبریری میں ہے۔اگر زحمت نہ ہو تو مطلع فرمائیے کہ یہ کتاب کب چھپی تھی، کہاں سے چھپی تھی اور کس نے مرتب کی تھی۔دیباچہ کس نے لکھا تھا[5]۔

باقی باتیں لاہور میں ہوں گی۔

۱۔ یہ تبصرہ معیار و تحقیق ، ۲: پٹنہ (مرتبہ: عابد رضا بیدار) پر تھا، جس میں بھارتی جامعات کے سندی تحقیقی مقالات پر مفصل تبصرے اور مضامین شامل ہیں۔اس پر میرا تبصرہ، بصورتِ مضمون قومی زبان میں شائع ہوا۔آخری پیرے میں انجمن ترقی اردو پاکستان اور ایسے ہی دیگر اداروں سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ بھی پاکستان کے سندی مقالوں پر ایسے جائزوں کا اہتمام کریں۔شاید آخری پیراگراف کا انداز '......تری غیرت کو کیا ہوا' کا سا تھا، خواجہ صاحب نے اسے قلم زد کردیا۔

۲۔ ماہر القادری نے ایک بار بہ دلائل قرار دیا تھا کہ 'مواد' کے بجائے 'لوازمہ' زیادہ موزوں لفظ ہے۔ان سے متاثر ہو کر جماعت اسلامی کے بعض اہلِ قلم کے ہاں بھی مواد (matter) کے بجائے 'لوازمہ' کا چلن ہونے لگا۔اس صورتِ حال پر یہ خواجہ صاحب کا طنزِ لطیف ہے۔

۳۔ اس سلسلے میں دیکھیے: ''تصریحات''، ص ۲۷۸۔

۴۔ پروفیسر محمد اسلم (م: ۶راکتوبر ۱۹۹۸ء) محقق، نقاد، مورخ اور تذکرہ نگار۔پنجاب یونی ورسٹی کے شعبۂ تاریخ میں استاد اور آخر میں صدرِ شعبہ رہے۔بہت سی کتابوں کے مصنف و مؤلف، خصوصاً خفتگانِ کراچی، خفتگانِ خاکِ لاہور، وفیاتِ مشاہیرِ پاکستان۔

۵۔ مضامینِ ڈار پروفیسر محمد ابراہیم ڈار (۴راگست ۱۹۰۴ء۔۱۷رمئی ۱۹۵۳ء) کے علمی و تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔یونی ورسٹی لائبریری سے مذکورہ کتاب نکلوا کر مَیں نے مطلوبہ کوائف خواجہ صاحب کو لکھ دیے تھے۔ڈار صاحب نے ۱۹۲۷ء میں یا ایک آدھ سال پہلے اورینٹل کالج، لاہور سے

.... ←

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۹۹۲ء کا آخری دن

....

۵۴

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

لاہور میں آپ سے ملاقاتوں کی خوش گوار یادوں سے لدا پھندا، ۳ رفروری کی رات کو مَیں کراچی پہنچا۔ درمیان میں چند روز اسلام آباد، مری، حسن ابدال اور ٹیکسلا کی سیر کی۔

یہاں پندرہ دنوں کی ڈاک جمع تھی، پھر لاہور میں جو کتابیں حاصل کی تھیں، وہ بھی میری عدم موجودگی میں یہاں پہنچ چکی تھیں۔ چند روز اِن چیزوں کے ساتھ بسر کیے اور پھر اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا۔

اب کے سفر میں ارمغان علمی کا بوجھ میرے سر سے اُتر کر آپ کے سر پر منتقل ہو گیا۔ مجھے خوشی ہے کہ اب یہ کام بہتر طور پر انجام پائے گا۔ آپ کو زحمت تو ہو گی، جو مضامین مَیں نے آپ کو دیے ہیں، اُن کی فہرست مجھے بھجوا دیجیے، تا کہ مَیں مزید اہلِ علم سے مضامین حاصل کرنے کی کوشش کروں۔ ان مضامین کے عنوانات سامنے ہوں گے تو موضوعات کی تکرار سے بچا جا سکے گا۔[۱]

اب کے نعیم صدیقی صاحب سے مختصر ملاقات رہی۔ جی چاہتا تھا کہ اُن سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کروں، مگر ایک دوسری جگہ جانے کا وعدہ کر چکا تھا، اس لیے بادلِ ناخواستہ اس محفل

بقیہ: ایم اے عربی کیا تھا۔ یونی ورسٹی میں عربی کے ریسرچ سکالر رہے۔ اس حیثیت میں انھوں نے جاحظ کی کتاب البخلاء کا ترجمہ انگریزی میں کیا تھا۔ بعد ازاں وہ بمبئی چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔ کتاب پر دیباچہ ڈاکٹر سید عبداللہ کا ہے۔

(۵۴)

۱۔ ارمغان علمی کا ذکر ۲ رفروری ۱۹۸۷ء کے خط میں آ چکا ہے۔ خواجہ صاحب اقبال اوارڈ کمیٹی کی میٹنگ میں شرکت کے لیے لاہور آئے تو انھوں نے ارمغان کے سلسلے میں کاغذات اور مضامین میرے سپرد کر دیے۔ مجلس مشاورت و ادارت میں چند نئے ناموں کا اضافہ کیا گیا اور مجلس ادبیاتِ مشرق کا 'دفتر' بھی کراچی سے لاہور منتقل ہو گیا۔

سے اُٹھنا پڑا[۲]۔

آپ کے دولت خانے پر ظفر حجازی صاحب سے ملاقات رہی۔ اُن سے مل کر خوشی ہوئی۔ اُن کا نورانی چہرہ اب تک آنکھوں میں ہے۔ دائرہ معارف کی آخری جلد عنایت کر کے اُنھوں نے مجھے اور آپ کو، دونوں کو بھاگ دوڑ سے بچا لیا۔ مَیں نے اُن سے وعدہ کیا تھا کہ ڈاکٹر سید عبداللہ کے جو خطوط وہ جمع کر چکے ہیں، اُنھیں پہلی جلد کی صورت میں شائع کر دیں تو دوسری جلد کے لیے بہت سے خطوط پیش کر دوں گا۔ کراچی کے منشی ریاض الدین کے نام کئی خطوط مَیں نے قومی زبان یا کسی دوسرے رسالے میں چھپوائے تھے۔ کیا یہ اِن کی نظر سے گزرے ہیں؟ یہ خطوط مسرور اکبر آبادی صاحب نے میری فرمایش پر مرتب کیے تھے[۳]۔

آپ نے غرناطہ کا جو خوبصورت یادگاری ایش ٹرے دیا تھا، وہ مَیں نے ایسی جگہ رکھا ہے کہ ہر وقت نظر پڑتی رہے۔ اسے بطور ایش ٹرے استعمال کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں ہے۔ اس کا حُسن مجروح ہو جائے گا۔ ایسی خوب صورت چیز سے یہ سلوک بدذوقی کا ثبوت ہوگا[۴]۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ

۱۲-۲-۹۳ء

....

۲۔ ان دنوں جناب نعیم صدیقی، اچھرہ کے ذیلدار پارک میں مقیم تھے۔ اس ملاقات میں تحسین فراقی، جعفر بلوچ اور راقم بھی خواجہ صاحب کے ہمراہ تھے۔ خواجہ صاحب نے چند تصاویر بھی بنائی تھیں۔ غالباً نعیم صاحب سے یہ ان کی آخری ملاقات تھی۔

۳۔ پروفیسر محمد صدیق ظفر حجازی (پ: ۵ راگست ۱۹۴۵ء) طویل عرصے تک بسلسلہ تدریس اردو زبان و ادب مختلف کالجوں سے منسلک رہے۔ ملازمت سے سبک دوش ہو کر ان دنوں (یکم اگست ۲۰۰۷ء) ادارۂ معارف اسلامی، لاہور کے ڈپٹی ڈائریکٹر ریسرچ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ انھوں نے ڈاکٹر سید عبداللہ کے خطوط جمع کیے تھے، مگر ان کی ترتیب و اشاعت ہنوز شرمندۂ تکمیل ہے۔

۴۔ مَیں نے غرناطہ سے خرید کردہ ایک خوب صورت راکھ دان (ash tray) انھیں اندلس کے تحفے کے طور پر پیش کیا تھا۔ اس میں غرناطہ کے محلات کی تصویر بنی ہوئی تھی، اس طرح اس راکھ دان کی ایک حیثیت سجاوٹ کی ایک چیز (decoration piece) کی بھی تھی۔

۵۵

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

کراچی آتے ہی آپ کو خط لکھا تھا، مگر جواب سے محروم ہوں۔ میرے خط میں کئی باتیں جواب طلب تھیں۔ اس دوران میں اقبالیات سے متعلق آپ کا کتابچہ ملا تھا۔ ممنون ہوں کہ آپ نے یاد رکھا۔

اکرام چغتائی صاحب کا خط آیا ہے کہ ارمغانِ علمی کے لیٹر پیڈ اُنھیں ابھی نہیں ملے۔ وہ بعض بیرونی اسکالرز کو خط لکھنا چاہتے ہیں۔ لیٹر پیڈ تو آپ جلد از جلد چھپوا ہی لیجیے۔ اس دوران میں مَیں نے مندرجہ ذیل حضرات سے مضامین لکھنے کے لیے کہا ہے۔
۱۔ ڈاکٹر محمد سلیم اختر[1] (اسلام آباد)، ۲۔ ڈاکٹر حنیف فوق[2]، ۳۔ ڈاکٹر اسلم فرخی۔
۴۔ پروفیسر لطیف اللہ[3]۔

اگلے دو مہینے میں یہ مضامین مل جائیں گے۔ ہندوستان بھی جس کو خط لکھوں گا، مضمون کے لیے تقاضا کروں گا، اُمید ہے خاصے مضامین جمع ہو جائیں گے۔ مَیں نے عرض کیا تھا کہ جو مضامین مَیں نے آپ کو پیش کیے تھے، اُن کی فہرست مجھے بھیج دیجیے، تاکہ یہ معلوم رہے کہ کن کن حضرات کے مضامین آپ کے پاس ہیں۔

ایک ذاتی زحمت دینا چاہتا ہوں۔ سید ضمیر جعفری صاحب[4] اپنے رسالے چہار سو میں کرنل خواجہ عبدالرشید کے لیے ایک گوشہ مرتب کر رہے ہیں۔ خواجہ صاحب کے اقبال سے متعلق

۱۔ ڈاکٹر محمد سلیم اختر (پ: ۵؍دسمبر ۱۹۴۶ء) پی ایچ ڈی (تاریخ)، ڈی لٹ (فارسی)۔ تاریخ کے نامور عالم۔ متعدد کتابوں اور ۸۰ سے زائد مقالات کے مؤلف و مصنف۔ ثقافتی کونسلیٹ، اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد سے وابستہ رہے۔ سابق مدیر اعزازی سہ ماہی پیغام آشنا۔ اِن دِنوں (۹؍نومبر ۲۰۰۷ء) لاہور میں مقیم ہیں۔

۲۔ ڈاکٹر حنیف فوق (پ: ۲۶؍دسمبر ۱۹۲۶ء) نقاد اور ادیب۔ ڈھاکا، کراچی اور انقرہ کی جامعات میں اردو زبان و ادب کے استاد رہے۔

۳۔ پروفیسر لطیف اللہ (پ: ۱۵؍جولائی ۱۹۵۸ء) معلم، بلند پایہ سکالر اور مترجم۔ تصوف اور اس کے متعلقات پر متعدد تصانیف و تالیفات شائع کیں، مثلاً نفائس الامدادیہ یا تصوف اور سریّت، حسین بن منصور حلاج: ایک تحقیقی جائزہ، کلمات الصادقین (ترجمہ)، مطلوب الطالبین (ترجمہ)، ملفوظاتِ شاہ مینا (ترجمہ)، کتابِ عشق (ترجمہ)۔

۴۔ سید ضمیر جعفری (م: ۱۲؍مئی ۱۹۹۹ء) معروف مزاح نگار اور ادیب۔

مضامین کا مجموعہ (انگریزی) میں شائع ہو چکا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اس کے بارے میں ایک مختصر تعارفی مضمون تحریر فرما دیں[5]۔

آپ کا عنایت کردہ ایش ٹرے ہر وقت نظروں کے سامنے رہتا ہے اور یہ یاد دلاتا رہتا ہے کہ آپ نے مجھے سرزمینِ اندلس میں بھی یاد رکھا تھا۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
۲۱-۳-۹۳ء

....

۵۶

برادرِ محترم و مکرم، سلام مسنون

برادرم تحسین فراقی صاحب کا خط آیا ہے کہ آپ نے لیٹر ہیڈ کی کتابت کرا لی ہے اور اب مجھے بھیج رہے ہیں کہ مَیں دیکھ لوں۔ اس میں خواہ مخواہ تاخیر ہوگی۔ میرے دیکھنے کی ضرورت نہیں، آپ لیٹر ہیڈ چھپوا لیجیے۔ ادارے کا نام اور پتا انگریزی میں ضرور ہونا چاہیے، تاکہ بیرونی اسکالرز کو اکرام چغتائی صاحب خطوط لکھیں تو اُنھیں سہولت ہو۔

میرے دو خطوں کے جواب واجب ہیں۔ ایک تو مَیں نے پرسوں لکھا ہے۔

ایک ضروری بات۔ آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ ایوب صابر کی کتاب دبستان ہزارہ میرے لیے حاصل کریں گے[1]۔ آپ بس اتنا کیجیے کہ مصنف یا ناشر کو ہدایت کر دیجیے کہ کتاب وی پی پی سے بھیج دے۔ مَیں نے کسی تبصرے میں پتا دیکھ کر خط لکھا تھا تو اِس کا کوئی جواب نہیں آیا تھا۔

۵۔ کرنل ڈاکٹر خواجہ عبدالرشید (۱۹۱۲ء۔۱۹۸۳ء) نامور معالج، مؤرخ، محقق اور بلند پایہ اسکالر۔ وہ مشفق خواجہ کے تایا زاد بھائی تھے۔ افسوس کہ ان کے مجموعۂ مضامین Iqbal, Quran and Western World (پروگریسو بکس لاہور، ۱۹۷۸ء) پر مَیں کچھ نہ لکھ سکا۔ مجھے نہیں معلوم کہ چہار سو نے کرنل صاحب پر کوئی گوشہ شائع کیا یا نہیں۔

(۵۶)

۱۔ یہ ہزارہ کے شعرا کا تذکرہ ہے، ایوب صابر صاحب نے ایک نسخہ، خواجہ صاحب کو پیش کر دیا تھا۔

کل کی ڈاک سے تحسین فراقی صاحب کی کتاب نقد اقبال ملی[۲]۔ یہ ایک اچھا کام ہوگیا۔

کسی نے بتایا کہ چند روز ہوئے، فراقی صاحب ٹیلی ویژن پر دکھائی دیے تھے۔ کیا اب وہ ٹی وی کے ڈراموں وغیرہ میں حصہ لینے لگے ہیں؟ ملاقات ہو تو مبارک باد پیش کر دیجیے گا۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۳-۳-۹۳ء

....

۵۷

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

اقبالیات کے تین سال[۱] ملی، ارمغان علمی کے رائٹنگ پیڈ ملے۔ ان عنایات کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ آپ کی کتاب کے بارے مَیں کیا لکھوں کہ آپ کی سابقہ کتابوں کی طرح، یہ آپ کی تلاش و تحقیق اور دید و دریافت کا عمدہ نمونہ ہے۔ اس سے کتنی ہی نئی باتیں معلوم ہوئیں۔ خدا آپ کو خوش و خرم رکھے کہ آپ نے مجھے خوش کیا۔

اب یقین آ گیا کہ ارمغانِ علمی کا کام جلد پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔ مَیں نے دو تین مضمون اَور حاصل کر لیے ہیں، جلد ہی بھیجوں گا۔ دو تین مضمون عنقریب ملنے والے ہیں۔ بہت سے لوگوں کو ہندوستان بھی خطوط لکھے ہیں، حوصلہ افزا جوابات موصول ہوئے ہیں۔ اس رائٹنگ پیڈ کا ایک کاغذ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کو بھی دکھا دیجیے۔ وہ کم از کم فی الحال اسی سے خوش ہو جائیں۔

رائٹنگ پیڈ برادرم اکرام چغتائی صاحب کو بھی دے دیجیے۔ وہ بیرونی ممالک کے بعض اہلِ

۲۔ نقد اقبال: حیاتِ اقبال میں (بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۹۲ء) مختلف اہلِ قلم کے ایسے تنقیدی مقالات کا مجموعہ ہے، جو اقبال کی زندگی میں لکھے اور شائع کیے گئے۔ تدوینِ مقالات میں فراقی صاحب نے صحتِ متن، تخریجِ اشعار اور حسبِ ضرورت مختصر حواشی دینے کا اہتمام بھی کیا ہے۔

(۵۷)

۱۔ راقم کی کتاب اقبالیاتی ادب کے تین سال (۱۹۸۷ء تا ۱۹۸۹ء) الحمرا پبلی کیشنز، لاہور نے ۱۹۹۳ء میں شائع کی تھی۔ یہ اقبالیاتی ادب کا سہ سالہ جائزہ ہے۔

علم کو خط لکھیں گے[۲]۔

برادرِ عزیز تحسین فراقی صاحب کہاں ہیں؟ بہت دنوں سے اُن کا خط نہیں آیا۔ وہ میری بُری عادتوں میں شامل ہیں۔ بُری عادتیں، آپ جانتے ہیں کہ ہر شخص کو عزیز ہوتی ہیں۔ اُن کا خط نہ آئے تو ہر شے میں کسی شے کی کمی محسوس ہوتی ہے۔

آج کل ہندوستان سے بہت سی اچھی اچھی کتابیں لگاتار آ رہی ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ یہ کتابیں آپ کی نظر سے بھی گزریں۔ کچھ کتابیں مکرّر بھی آ گئی ہیں۔ یہ آپ کی اور تحسین صاحب کی امانت ہیں۔ جلد ہی ان کی فہرست بھیجوں گا۔ جو آپ کی پسند کی ہوں گی، ارسال کر دوں گا۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۲-۵-۹۳ء

....

۵۸

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

پہلے آپ کا رجسٹری پیکٹ ملا اور پھر لفافہ، ان عنایات کے لیے ممنون ہوں۔

کتاب اور کتابچہ مولانا ابو سلمان صاحب[۱] کو بھیج دیے گئے۔ قومی زبان کے لیے تبصرہ پروفیسر شجاع احمد زیبا صاحب سے لکھواؤں گا۔ کتاب اُن کو پیش کر دی ہے۔ زیبا صاحب روزانہ میرے ہاں آتے ہیں اور لکھنے پڑھنے کا کام کرتے ہیں۔ دوسرا نسخہ تبصرے کے ساتھ انجمن بھجوا دوں گا[۲]۔

اکرام چغتائی صاحب کو آپ کا خط دے دیا ہے اور مَیں نے بھی تاکید کر دی ہے کہ وہاں سے کچھ اہلِ علم سے مضامین لکھوا کر لائیں[۳]۔ چغتائی صاحب نے قیام تو میرے ہاں کیا تھا، لیکن

۲۔ چغتائی صاحب کو پیڈ دیے گئے۔ انھوں نے خط لکھے ہوں گے، مگر ہمیں ان کے توسط سے کوئی مضمون نہ مل سکا۔

(۵۸)

۱۔ ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری (پ: ۳۰ جنوری ۱۹۴۰ء) اردو زبان و ادب کے استاد رہے۔ مؤرخ اور محقق۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے متخصص، ان پر بہت سی کتابوں کے مصنف، مؤلف اور ناشر۔

۲۔ غالباً مَیں نے اقبالیاتی ادب کے تین سال کے دو نسخے تبصرے کے لیے بھجوائے تھے۔

۳۔ اکرام چغتائی بہت دنوں سے کراچی میں مقیم تھے اور وہیں سے بیرونِ ملک جانے ......←

زیادہ تر وہ اپنے کاموں سے باہر ہی رہے۔ میرے ساتھ رات کو طویل نشستیں رہتی تھیں۔ بہت دلچسپ اور مزے مزے کی باتیں اُن سے سنیں۔ خوشی ہوئی کہ یورپ جا کر وہ صرف علمی کام ہی نہیں کرتے، غیر علمی تانک جھانک میں بھی خاصا وقت صرف کرتے ہیں۔

ارمغان علمی کے سلسلے میں ایک اَور مقالہ حاصل کرلیا ہے، حمید نسیم صاحب[۴] نے شاد عظیم آبادی پر لکھا ہے۔ حمید نسیم صاحب کی تحریر (املا) تقریباً ناخوانا ہے۔ ہاتھ میں رعشہ ہے۔ اس مقالے کو نقل کرا رہا ہوں، پھر مصنّف کو دکھا کر آپ کو بھیج دوں گا؛ اُن دو مقالوں کے ساتھ، جو پہلے وصول ہو چکے ہیں۔ مقالوں کے سلسلے میں آپ نے کس کس سے رابطہ کیا؟ پروفیسر لطیف اللہ (کراچی) ڈاکٹر حنیف فوق (کراچی) ڈاکٹر اسلم فرخی (کراچی) اور ڈاکٹر محمد سلیم اختر (اسلام آباد) کے مقالے بھی جلد مل جائیں گے[۵]۔ کچھ اَور لوگوں کو بھی خط لکھ رکھے ہیں۔

ستمبر میں قومی زبان کا مالک رام نمبر شائع ہوگا۔ اس کے لیے آپ بھی کسی موضوع پر ضرور لکھیے[۶]۔ برادرم تحسین فراقی صاحب کو کل ہی خط لکھا ہے، مگر اُن سے گزارش کرنا بھول گیا، لہٰذا آپ اُن سے میری طرف سے کہیے کہ مالک رام پر وہ بھی کچھ لکھیں۔

معین الدین عقیل صاحب کا جاپان سے خط آیا ہے۔ وہاں وہ بہت خوش ہیں[۷]۔ آپ کو بھی اُنھوں نے لکھا ہوگا۔ کراچی میں آج کل شدید گرمی ہے، اُس پر بجلی کی آنکھ مچولی۔ اس سے کام کا بہت نقصان ہو رہا ہے۔ اکثر دوپہر کا سونا اور رات کو دیر تک کام کرنا معطل ہو جاتا ہے۔

بقیہ: والے تھے۔ چونکہ وہ بھی ارمغان علمی کی مجلس ادارت و مشاورت کے رُکن تھے، اس لیے مَیں نے خواجہ صاحب کے توسّط سے، بذریعہ خط، اُن سے گزارش کی تھی کہ وہ بیرونِ ملک سے کچھ مقالات حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

۴۔ حمید نسیم (۱۹۲۰ء۔۱۹۹۸ء) معروف ادیب، نقاد، شاعر اور براڈ کاسٹر۔ ان کی کتاب اقبال: ایک عظیم شاعر کو ۱۹۹۱ء۔۱۹۹۳ء کا قومی صدارتی اقبال ایوارڈ ملا۔ آخری زمانے میں حمید نسیم نے پانچ جلدوں میں قرآن پاک کی تفسیر تعارف القرآن لکھی تھی۔ شاد عظیم آبادی پر اُن کا مقالہ ارمغان علمی میں شامل نہ ہو سکا۔

۵۔ مذکورہ چاروں اصحاب کے مقالے ہمیں نہیں مل سکے تھے۔

۶۔ راقم، مالک رام صاحب پر مضمون نہ لکھ سکا۔ مالک رام (۲۲ر دسمبر ۱۹۱۲ء۔ ۱۶راپریل ۱۹۹۳ء) اردو کے معروف محقق، ادیب اور تذکرہ نگار۔ مرزا غالب اور ابوالکلام آزاد ان کی دلچسپی کے خاص موضوع تھے۔

۷۔ معین الدین عقیل اُن دنوں جاپان کی ٹوکیو یونی ورسٹی فار فارن سٹڈیز سے بطور استاذ اردو، وابستہ تھے۔ اس حیثیت میں وہ سات برس تک ٹوکیو میں مقیم رہے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۷۔۶۔۹۳ء

....

۵۹

برادرِ مکرم، سلام مسنون

امید ہے، آپ ایبٹ آباد کے پُر سکون ماحول میں تعطیلات گزار کر واپس لاہور آ چکے ہوں گے۔ ان تعطیلات سے آپ نے فائدہ بھی خوب اٹھایا ہوگا۔ کم از کم سفرنامہ اندلس تو مکمل کرلیا ہوگا[۱]۔

ارمغان علمی کے سلسلے میں مضامین موصول ہو رہے ہیں۔ ابھی چند روز پہلے دو مقالے (ڈاکٹر انصار اللہ[۲] اور حمید نسیم کے) مَیں نے فراقی صاحب کو بھیجے ہیں کہ آپ کو پیش کر دیں۔ مزید مقالے ملنے کی بھی توقع ہے۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب سے مَیں نے درخواست کی ہے کہ علی گڑھ کے اہلِ علم سے مقالے حاصل کر کے بھیجیں۔ ضخامت کے معاملے میں میرا خیال ہے کہ کم از کم پانچ سو صفحات تو ہوں۔ اس سے کم ضخامت کی کتاب صاحبِ ارمغان کی ضخامت کے شایانِ شان نہیں ہوگی۔ کمپوزنگ ابھی نہ کرائیے، بلکہ یہ کام ناشر ہی کرائے تو بہتر ہے۔ فی الحال مقالوں کی ایڈیٹنگ کر لیجیے اور اس سال کے آخر تک نئے مقالوں کا انتظار کر کے جنوری ۱۹۹۴ء سے طباعت کا کام شروع کرا دیجیے۔

آپ سے مَیں نے رئیس احمد جعفری کی اقبال شناسی پر جو مقالہ لکھوایا تھا، وہ تو ۱۹۸۹ء ہی میں یادگاری مجلّے میں شائع ہو گیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ یہ آپ کو بھیجا گیا تھا۔ یقیناً ڈاک

۱۔ اس زمانے میں تعطیلاتِ گرما کے دوران کچھ دنوں یا ہفتوں کے لیے مَیں ایبٹ آباد چلا جاتا تھا۔ ۱۹۹۳ء کے جولائی اگست میں تقریباً ڈیڑھ ماہ وہاں مقیم رہا۔ سفرنامۂ اندلس کا کچھ حصہ تحریر کیا۔ اسی دوران ۲۳، ۲۴ راگست کو باڑا گلی میں منعقدہ، شعبۂ اردو پشاور یونی ورسٹی کے ادبی سیمی نار میں بھی شریک ہوا۔

۲۔ نامور محقق اور نقاد ڈاکٹر محمد انصار اللہ (پ: ۴ر جنوری ۱۹۳۶ء) شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں استاد رہے۔ ان کا مضمون 'اردو نثر پر ہندو مذہب کا اثر' ارمغانِ علمی میں شامل ہے۔

کی بدانتظامی کی نذر ہو گیا۔ یہ مجلہ اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ اس میں آپ کے دو مضمون ہیں۔ ایک تو اقبال شناسی کے حوالے سے اور دوسرا دید و شنید پر تبصرہ ہے[۳]۔ میرے پاس اس کے زاید نسخے ضرور ہوں گے۔ اِن شاء اللہ جلد ہی پیش کروں گا۔

سہاوری صاحب[۴] نے بڑا کرم کیا کہ اپنی آپ بیتی کے ساتھ ایک دو اَور کتابیں بھی بھیج دیں۔ آپ بیتی چونکہ مَیں نے قیمتاً طلب کی تھی، اس لیے اس کی قیمت کا چیک اُنھیں بھیج دیا، جوازرہِ کرم اُنھوں نے قبول کر لیا، مگر دبستان ہزارہ اب تک نہیں ملی۔ مجھے اس کی قیمت معلوم نہیں ہے، ورنہ پیشگی چیک بھیج دیتا۔ اگر آپ نے تحفۃً بھجوائی تو مجھے خوشی نہیں ہوگی۔ اگر کوئی از خود کتاب بھجوادے تو دوسری بات ہے، ورنہ ضرورت کی کتابیں مَیں خرید کر ہی خوش ہوتا ہوں۔

معین الدین عقیل صاحب کا خط میرے پاس بھی آیا تھا، اِن شاء اللہ جلد ہی اُنھیں خط لکھوں گا۔

اودھ پنچ کے متفرق شمارے دیکھنے کے لیے ایک لائبریری سے منگوائے تھے۔ ان میں دو جگہ علامہ اقبال کا مختصر حوالہ نظر آیا...... طنزیہ انداز میں۔ مَیں نے آپ کے لیے عکس بنوا لیے، بھیج رہا ہوں۔

۷/اگست کو ڈاکٹر مختار الدین احمد کراچی تشریف لا رہے ہیں۔ یقیناً وہ لاہور بھی جائیں گے۔ آپ سے ملاقات ہوگی......۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۴-۸-۹۳ء

....

۳۔ یہ ذکر ہے: مجلہ بہ یادگار رئیس احمد جعفری کا۔ مجھے اپنا نسخہ نہیں مل رہا تھا، اس لیے خواجہ صاحب سے ایک اَور نسخہ طلب کیا۔ جعفری مرحوم کی تصنیف: دید و شنید کے نئے اڈیشن (کراچی ۱۹۸۷ء) پر مَیں نے ایک مفصل تبصرہ لکھا تھا، یہ تبصرہ بھی مذکورہ مجلے میں شامل تھا۔

۴۔ ادیب، نقاد اور شاعر پروفیسر اسرار احمد سہاوری (جولائی ۱۹۲۱ء- ۲۶/فروری ۲۰۰۶ء) اسلامیہ کالج، گوجرانوالہ میں اردو زبان و ادب کے استاد رہے۔ ماقبل مختلف ملازمتیں کیں۔ ان کی مذکورہ آپ بیتی سرمایۂ حیات کے نام سے ۱۹۸۶ء میں گوجرانوالہ سے چھپی تھی۔

۶۰

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

ارمغانِ علمی کے لیے ۹ مقالے بھیج رہا ہوں۔ یہ مقالے ایک غلط فائل میں رکھ دیے تھے، آج کسی کام سے اس فائل کو نکالا تو یہ گم شدہ، بلکہ فراموش شدہ دولت ہاتھ آگئی۔ ان میں رشید حسن خاں کا بھی ایک مقالہ ہے۔ ان کا ایک مقالہ پہلے بھی بھیج چکا ہوں (دکنی ادب کی تدریس)۔ یاد نہیں آتا کہ ان کے دو مقالے کیوں حاصل کیے گئے۔ جو مقالہ آپ کے پاس پہلے سے ہے، دیکھ لیجیے کہ وہ کسی اَور کا تو نہیں۔ اگر دونوں انھیں کے ہیں تو املا والا مقالہ واپس کر دیجیے، اسے مَیں اردو میں چھپوا دوں گا۔[۱]

ارمغان میں جتنے اہلِ قلم کے مضامین ہیں، اُن سب کے سوانحی کوائف بھی آخر میں شامل ہونے چاہییں۔ آپ کو جن مقالہ نگاروں کے حالات دستیاب نہ ہوں، مجھے لکھیے۔ مَیں فراہم کر دوں گا۔ یہ کام زاہد منیر عامر صاحب سے بھی لیا جا سکتا ہے[۲]۔ مفتی محمد رضا فرنگی محلی کے مقالے میں ایک جگہ تصحیح کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر نیر مسعود کے مقالے کے پہلے صفحے پر مَیں نے اس سلسلے میں یادداشت لکھ دی ہے۔ ارمغان کے دو مقالہ نگاروں کا پہلے ہی انتقال ہو چکا ہے۔ مفتی محمد رضا فرنگی محلی اور ڈاکٹر سہیل بخاری۔ تیسرے شانتی رنجن بھٹا چاریہ بھی ۱۵ رستمبر کو چل بسے[۳]۔ تینوں سے میرے بڑے گہرے مراسم تھے۔ بھٹا چاریہ تو میرے محسن تھے۔ میرے کام کی کتابیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر حاصل کرتے تھے اور بھیجتے تھے۔ میری فرمایش پر بھی کرم فرماتے تھے۔ انتقال سے صرف گیارہ روز پہلے میرے لیے ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک مخطوطے کا عکس بھیجا تھا۔ تین سو سے زاید صفحات تھے۔ (یہ عکس مَیں نے تحسین فراقی صاحب کے لیے منگوایا تھا۔ کمبل پوش کے سفرنامے کا

۱۔ جناب رشید حسن خاں (دسمبر ۱۹۲۵ء۔ ۲۶ رفروری ۲۰۰۶ء) نے اپنا پہلا مضمون 'دکنی ادب کی تدریس' واپس منگا لیا تھا اور ایک نیا مضمون 'املا کا بنیادی مسئلہ' عنایت کیا تھا، جو ارمغانِ علمی میں شامل ہے۔

۲۔ ارمغانِ علمی کے مقالہ نگاروں کے سوانحی کوائف ڈاکٹر اورنگ زیب عالمگیر نے مرتب کیے تھے۔

۳۔ ان اصحاب کے حسب ذیل مقالے ارمغانِ علمی میں شامل ہیں:

☆ ڈاکٹر نیر مسعود (پ: ۱۶ رنومبر ۱۹۳۶ء)...... واجد علی شاہ پر نظر ثانی۔

☆ مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی (۱۹۱۷ء۔ ۱۹۹۰ء)...... فرحت الناظر ین کی دوسری جلد۔

☆ شانتی رنجن بھٹا چاریہ (۱۹۳۰ء۔ ۱۹۹۳ء)...... کلکتہ اور اطراف کے کتب خانوں میں محفوظ اردو مخطوطات۔

فارسی ترجمہ یا فارسی اصل؟) یہ عجیب اتفاق ہے کہ بھٹا چاریہ نے چند ماہ پہلے میری فرمایش پر اپنے حالات زندگی بھی لکھ بھیجے تھے[۴]۔

ابھی یہ خط لکھنے کے دوران ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کا فون آیا۔ بتا رہے تھے کہ اقبال اکیڈیمی کی گورننگ باڈی کا اصرار ہے کہ وہ اکیڈیمی کو سنبھال لیں۔ مَیں نے مشورہ دیا ہے کہ یہ بات مان لیں۔ ڈاکٹر صاحب کے انکار کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر کوئی شہرت بخاری اکیڈیمی کی شہرت خراب کرنے آ جائے گا[۵]۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی بتایا کہ گوہر نوشاہی آئے تھے اور اُن کے انٹرویو کا بقیہ حصّہ بھی ٹیپ کر کے لے گئے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ مَیں نے ارمغان کے لیے گوہر نوشاہی صاحب سے کہا تھا کہ وہ ڈاکٹر صاحب کی سوانح عمری لکھ دیں۔ اُنھوں نے ڈاکٹر صاحب اور اُن کے والد مرحوم کے انٹرویو لیے تھے اور آدھا کام کر لیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے اسلام آباد سے چلے آنے کی وجہ سے یہ کام آگے نہیں بڑھا۔ اب مَیں نے گوہر نوشاہی صاحب کو لکھا تھا کہ وہ اس کام کو مکمل کر دیں۔ ارمغان میں ڈاکٹر صاحب کی کتابیات بھی شامل کر لینی چاہیے۔ چند سال پہلے جو کتابیاتِ وحید چھپی تھی، اُسے ڈاکٹر صاحب ہی سے اَپ ٹو ڈیٹ کرا لیجیے[۶]۔

ارمغان کے لیے جو مقالات مَیں نے بھیجے ہیں، اُن کے اصل مسودات کو محفوظ رکھیے۔ ان کے فوٹو اسٹیٹ بنوا کر اُن پر ایڈیٹنگ کی جائے تو بہتر ہوگا۔ اصل مقالات (بخطِ مصنّفین) مَیں اپنے پاس محفوظ کرنا چاہوں گا۔

آپ کا سفرنامہ کس حال میں ہے۔ کب تک کتابی صورت میں شائع ہوگا[۷]؟

دبستان ہزارہ تو اب ملتی ہے نہ جب ملتی ہے، آخر کب تک انتظار کرنا ہوگا۔ اب تو اس قسم کی ایک کتاب اٹک کے بارے میں بھی چھپ گئی ہے۔ دبستان کے مصنف سے کہیے کہ اب وہ

۴۔ بھٹا چاریہ، علمی معاملات میں بہت تعاون کرنے والے شخص تھے۔ مجھے کتابیات اقبال (۱۹۷۷ء) کی تیاری میں اُن کا تعاون حاصل رہا۔ انھوں نے بہت سے حوالے فراہم کیے اور بعض مطبوعات بھی مہیا کیں۔

۵۔ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب، اکادمی کی مجلسِ حاکمہ کی قرارداد پر اکادمی کے ناظم مقرر ہوئے (۱۲/جون ۱۹۹۷ء)۔ ماقبل ناظم پروفیسر شہرت بخاری (م: ۱۱/اکتوبر ۲۰۰۱ء) تھے۔

۶۔ ڈاکٹر گوہر نوشاہی کا مضمون 'ڈاکٹر وحید قریشی...... سوانح و شخصیت' ارمغان علمی میں شامل ہے۔ کتابیاتِ وحید کو رفاقت علی شاہد نے ازسرِ نو مکمل و مرتب کیا اور یہ بھی ارمغان کا حصّہ بنی۔

۷۔ مراد ہے پوشیدہ تری خاک میں، جو پہلے 'سفرنامہ اندلس' کے عنوان سے نقوش میں چھپا، بعد ازاں اضافوں کے ساتھ ۲۰۰۲ء میں دارالتذکیر، لاہور نے اسے کتابی صورت میں شائع کیا۔

بطور ہرجانہ اٹک والی کتاب [۸] بھی میرے لیے حاصل کریں اور دونوں کتابیں قیمتاً مرحمت فرمائیں۔ اپنے مطلب کی کتابیں خرید کر ہی پڑھنے میں مزہ آتا ہے۔

مَیں حسب معمول اپنے کاموں میں مصروف ہوں اور خوش کہ اپنی مرضی سے وقت ضائع کرتا ہوں۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۱۔۱۱۔۹۳ء

....

۶۱

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

گرامی نامہ ملا اور سفرنامے کے باقی اجزا بھی، یاد فرمائی کے لیے ممنون ہوں۔ سفرنامہ پڑھ رہا ہوں، اِن شاء اللہ جلد ہی اس سلسلے میں کچھ عرض کروں گا۔ بہاول پور میں آپ سے اور ڈاکٹر فراقی صاحب سے ملاقات نعمتِ غیر مترقبہ تھی۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ آپ دونوں اپنی مصروفیات سے وقت نکال سکیں گے، البتہ اس کا افسوس رہا کہ بہت کم وقت کے لیے آپ کا ساتھ رہا۔ صرف ۲۷ گھنٹے۔ اب اس کی تلافی اگلے مہینے کے آخر میں کروں گا [۱]، لاہور میں میرا قیام ۲۱ر دسمبر سے ۵ر جنوری تک رہے گا۔ کچھ خاندانی مصروفیات ہیں، اس کے بعد آپ حضرات ہی کے ساتھ وقت گزرے گا۔

ڈاکٹر ممتاز احمد خاں کراچی کے کسی کالج میں لیکچرار ہیں، فکشن ان کا موضوع ہے اور اسی پر پی ایچ ڈی کی ہے۔ آپ انھیں قومی زبان کی معرفت خط لکھیے۔ ان کے گھر کا پتا معلوم نہیں۔ کبھی

۸۔ اب یاد نہیں پڑتا کہ 'اٹک والی کتاب' سے خواجہ صاحب کی مُراد کیا تھی؟ دبستانِ ہزارہ انھیں بھیج دی گئی تھی۔

(۶۱)

۱۔ تحسین فراقی اور راقم بذریعہ ریل گاڑی بہاول پور پہنچے تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر اور خواجہ صاحب ریلوے اسٹیشن پر موجود تھے۔ خواجہ صاحب کے ساتھ دو شب و روز وہاں گزارے۔ کچھ وقت وہاں کی سنٹرل لائبریری میں گزرا۔ بعض احباب، خصوصاً سید سعید احمد سے ملاقاتیں رہیں۔ ایک روز لال سوہانرا پارک کی سیر کی۔

کبھار ان سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ اچھے آدمی ہیں[۲]۔

برنی صاحب کا خط دلچسپ ہے۔ وہ آپ کے جواب سے خاصے بدمزہ ہوئے ہوں گے۔ برنی صاحب نے لکھا ہے کہ کلیات کی تیسری جلد جون میں چھپ جائے گی۔ کیا یہ چھپ گئی ہے؟[۳]

آپ بنگلہ دیش ضرور جائیں، بہت اچھا تجربہ ہوگا[۴]۔ مَیں تو ذہنی طور پر آج تک مشرقی پاکستان کی علاحدگی کو قبول نہیں کر سکا۔ یہ دراصل ہمارے گناہوں کا نتیجہ ہے کہ بنگالی ہم سے الگ ہو گئے، ورنہ وہ تو ہم سے بہتر مسلمان ہیں۔ آج بھی بنگال میں اسلام سے مخلص مسلمانوں کی تعداد ہم سے زیادہ ہے۔

دبستان ہزارہ مل گئی ہے۔ پروفیسر ایوب صابر صاحب کو شکریے کا خط بھیج دیا ہے۔ ساتھ ہی کتاب کی قیمت بھی بصورت چیک پیش کر دی ہے۔ اُن کا یہی احسان بہت ہے کہ انھوں نے کتاب بھیج دی، تحفتہً کتابیں حاصل کرنا اچھا نہیں لگتا۔ اگر کوئی خود کتاب بھیج دے تو دوسری بات ہے۔ فرمایش کی قیمت ادا کرنا ضروری ہے۔

آپ کے پچھلے خط میں ارمغان کے بارے میں کچھ باتیں لکھی تھیں۔ املا کے سلسلے میں چند موٹی موٹی باتیں الگ کاغذ پر لکھ کر منسلک کر رہا ہوں[۵]۔ رشید حسن خاں وغیرہ کی سفارشات پر کاملاً عمل کرنا ناممکن ہے۔ نارنگ صاحب نے تو اردو املا کے پہلے ایڈیشن میں جو سفارشات پیش کی تھیں، دوسرے ایڈیشن میں اُن میں سے اکثر واپس لے لیں[۶]۔

۲۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خاں (پ: ۱۴؍ ستمبر ۱۹۴۶ء) معلم، نقاد اور ادیب۔ ناول پر تنقید ان کا اختصاص ہے۔ اس موضوع پر ان کی متعدد کتابیں چھپ چکی ہیں۔ آزادی کے بعد اردو ناول پر انھیں پہلا 'وزیر اعظم انعام برائے ادب (تحقیق و تنقید)' دیا گیا۔ ان دنوں (۲؍ اگست ۲۰۰۷ء) انجمن ترقی اردو (پاکستان)، کراچی کے مشیر علمی و ادبی اور قومی زبان کے مدیر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

۳۔ مظفر حسین برنی صاحب نے ایک خط میں مجھ پر کچھ طنز و تعریض کی تھی، مَیں نے یہ خط اور اس پر اپنے جواب کی نقل خواجہ صاحب کو ملاحظہ کے لیے بھیجی تھی...... کلیات سے مراد ہے: کلیاتِ مکاتیبِ اقبال۔

۴۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی (م: ۱۹۱۴ء۔ ۱۹۹۹ء) کا بنا کردہ رابطۃ الادب الاسلامی العالمیہ ہر سال بھارت کے کسی شہر میں کسی علمی و ادبی موضوع پر سیمی نار منعقد کرتا تھا۔ راقم اور تحسین فراقی صاحب کو بالالتزام ہر سال دعوت نامہ موصول ہوتا۔ ۱۹۹۴ء کا سیمی نار ۲۱ تا ۲۳؍ جنوری کو چٹاکانگ، بنگلہ دیش میں منعقد ہو رہا تھا۔ شریک ہونے کا ارادہ تھا، مگر نہ جا سکے۔

۵۔ خواجہ صاحب کے مرسلہ اس کاغذ [ہدایت نامۂ املا] کا عکس اگلے صفحے پر دیا جا رہا ہے۔

۶۔ املا سے متعلق بعض امور طے کرنے کے لیے ترقی اردو بیورو، دہلی نے ۱۹۷۳ء میں ایک املا کمیٹی مقرر کی تھی۔ (صدر: ڈاکٹر سید عابد حسین۔ ارکان: رشید حسن خاں اور گوپی چند نارنگ) (باقی ص ۱۲۵ پر)

۱۔ الفاظ ملا کر نہ لکھے جائیں: کیلیے - آئینگے
نہ کے لیے - نہ آئیں گے

۲۔ معمّا، تمنّا لازماً الف سے لکھے جائیں

۳۔ الف پر ختم ہونے والے الفاظ کے آخر میں ہمزہ نہیں ہوگا دعاء - ماوراء
نہ دعا - نہ ماورا

۴۔ وہ تمام الفاظ جن کے آخر میں ے ہو اور ے سے پہلا حرف کے نیچے زیر ہو
وہ دو ے سے لکھے جاتے ہیں۔ جیسے لیے دیے پیے جیے کیے، دیکھیے دیجیے
انھیں لئے، جئے وغیرہ لکھنا درست نہ ہوگا — لیکن جن الفاظ میں ے سے
پہلے حرف پر زبر ہو وہ ہمزہ سے لکھے جاتے ہیں جیسے آئے، گئے، لائے وغیرہ

۵۔ چھینی، اُٹھیں لازماً ھ دوچشمی سے لکھے جاتے ہیں۔

۶۔ آرائش، فرمائش وغیرہ میں ی پر ہمزہ نہیں ہوگا۔

۷۔ علیحدہ کو علاحدہ لکھا جائے کہ یہ تلفظ مروج ہو گیا ہے۔
ادنیٰ کو ادنا
مگر اعلیٰ اس صورت میں رائج ہے لہٰذا اسے یوں ہی رہنے دیا جائے

ارمغان کے لیے موصولہ مقالوں میں سے جو چھپ گئے ہیں، وہ اگر ہندوستان میں چھپے ہوں تو اُنھیں ارمغان میں شامل کر لینا چاہیے۔ غلطی میری ہے کہ اتنے دنوں تک یہ مقالے میرے پاس پڑے رہے۔ کوئی کہاں تک انتظار کرتا۔

انجمن کی کتابیں آپ کو اور تحسین فراقی صاحب کو بھجوانے کی کوئی صورت جلد ہی نکالوں گا۔

آٹھ دس روز ہوئے تحسین صاحب کو خط لکھا تھا۔ وہ جواب دینے میں خاصے بحرالکاہل ہیں۔ اس بحر میں کبھی کبھار ہی کوئی موج اُٹھتی ہے۔ اُن کی نئی کتاب کیا ہے اور کب آ رہی ہے؟

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش

مشفق خواجہ

۲۵-۱۱-۹۳ء

....

۶۲

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

مَیں نے کراچی آتے ہی پہلا کام یہ کیا تھا کہ آپ کو اور برادرم تحسین فراقی صاحب کو خطوط لکھے تھے۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ میرا خط آپ کو نہیں ملا، کیوں کہ آپ نے اپنے خط میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ تحسین فراقی صاحب نے جواب نہیں لکھا، لیکن جعفر بلوچ صاحب[۱] کے خط سے مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ میرا خط اُنھیں مل گیا ہے۔ مَیں نے اُنھیں کتابوں کا ایک پیکٹ رجسٹری سے بھیجا تھا، اُسی میں خط بھی رکھ دیا تھا۔ اس پیکٹ میں جلیل قدوائی صاحب کی کتاب (چند اور اکابر چند

بقیہ: کمیٹی کی سفارشات پر مبنی املا نامہ بیورو نے مئی ۱۹۷۴ء میں شائع کیا۔ اس پر بہت تنقید ہوئی، بیورو نے ایک نظرثانی کمیٹی بنائی، جو توسیع شدہ املا کمیٹی تھی، پھر اردو املا کی ایک ورکشاپ منعقد ہوئی۔ مزید غور و خوض کے بعد ۱۹۹۰ء میں املا نامہ کا نظرثانی اڈیشن شائع کیا گیا۔ (مرتب: گوپی چند نارنگ)۔ خواجہ صاحب کا اشارہ اسی طرف ہے۔

(۶۲)

۱۔ پروفیسر جعفر بلوچ (پ: ۲۷ر جنوری ۱۹۴۷ء) نامور شاعر، محقق اور ادیب۔ فی البدیہ گوئی میں خاص ملکہ رکھتے ہیں۔ علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خاں اور راجا عبداللہ نیاز ان کی دلچسپی کے خاص موضوع ہیں۔ متعدد کتابوں کے مصنف و مؤلف۔ اردو زبان و ادب کے استاد رہے۔ ملازمت سے سبک دوشی کے بعد ان دنوں (۲ر اگست ۲۰۰۷ء) تصنیف و تالیف میں مشغول ہیں۔

اور معاصر) کا ایک نسخہ آپ کے لیے بھی تھا[۲]۔ فراقی صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ وہ آیندہ خط لکھنے میں تساہل سے کام نہیں لیں گے۔ میرے خط میں بعض جواب طلب باتیں تھیں، مگر انھوں نے توجہ نہیں کی۔ فون کر کے اُن سے کہیے کہ فوراً جواب دیں۔ ایک اَور خط بھی چند روز پہلے اُنھیں ایک ضروری معاملے میں لکھا ہے۔

لاہور میں آپ نے ازرَہِ کرم میرے ساتھ اپنا قیمتی وقت صرف کیا۔ اس کا شکریہ اس لیے ادا نہیں کروں گا کہ مَیں تو لاہور جاتا ہی آپ جیسے چند مخلصین کی خاطر ہوں۔ ڈاکٹر وحید قریشی، آپ اور تحسین صاحب کے بغیر تو مَیں لاہور کا تصور ہی نہیں کر سکتا۔ اور اب اس فہرست میں جعفر بلوچ صاحب بھی شامل ہیں۔

اب کے لاہور میں ایسی افراتفری میں قیام رہا کہ بہت سے اہم موضوعات پر آپ سے بات نہیں ہو سکی۔ ارمغانِ علمی کے علاوہ ایک اور کام بھی مَیں نوٹ کر کے لے گیا تھا کہ آپ سے رہنمائی حاصل کروں گا۔ مَیں نے سنا ہے کہ مولانا تاجور نجیب آبادی پر ایم اے کی سطح پر کچھ کام ہوئے ہیں۔ ایک تو اُن کی علمی و ادبی خدمات پر مقالہ لکھا گیا ہے، دوسرے اُن کے رسالے شاہکار کا اشاریہ بنایا گیا ہے۔ یہ بھی سنا گیا ہے کہ کسی اسکالر نے حال ہی میں اُن پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ کر یونی ورسٹی میں داخل کیا ہے۔ ازرہِ کرم مطلع فرمایئے کہ ان اطلاعات میں کہاں تک صداقت ہے[۳]۔

آپ کے سفرنامے کے باقی باب مکمل ہوئے یا نہیں؟ مجھے تو اس کے پڑھنے میں بہت لطف آیا۔ آج کل جو سفرنامے لکھے جاتے ہیں، اُن میں جھوٹ کی اتنی آمیزش ہوتی ہے کہ پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ دو سال پہلے ایک صاحب نے ہندوستان کا سفرنامہ لکھا تھا (قمر علی عباسی نام ہے ان کا)۔ اس میں انھوں نے یہ بتایا ہے کہ شاعر ناصر زیدی ان کے ساتھ تھے۔ اُن سے متعلق بہت

۲۔ جلیل قدوائی (۱۹۰۴ء۔۱۹۹۶ء) ادیب، شاعر، افسانہ نگار اور نقاد۔ ابتدائی دَور میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں اردو کے لیکچرار رہے، مگر جلد ہی محکمہ اطلاعات کی ملازمت اختیار کر لی۔ متعدد کتابوں کے مصنف۔

۳۔ مَیں نے خواجہ صاحب کو مطلع کیا کہ ان دنوں تاجور نجیب آبادی پر شعبہ اردو، اسلامیہ کالج، سول لائنز، لاہور کے استاد لطیف ساحل پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے کام کر رہے ہیں اور شاہکار کا اشاریہ نہیں بنایا گیا۔ علامہ تاجور نجیب آبادی (م: ۳۰ رجنوری ۱۹۵۱ء) معروف شاعر، ادیب اور عالم (فاضل دیوبند) تھے۔ اصلاحِ شعر میں تلامذہ کا ایک وسیع حلقہ (اختر شیرانی، احسان دانش، ہری چند اختر، جگن ناتھ آزاد، میلا رام وفا وغیرہ) رکھتے تھے۔

سے واقعات درج کیے ہیں، مگر یہ صاحب ساتھ نہیں گئے تھے۔ ان سے منسوب ساری باتیں فرضی ہیں۔ اس کے برعکس بیگم اور بچے ساتھ گئے تھے، اُن کا سفر نامے میں ذکر ہی نہیں ہے (شاید اُن سے سچے واقعات 'منسوب' کرتے ہوئے ڈرتے ہوں گے)[۴]۔ ایسے عالم میں آپ کے سفر نامے نے اس لیے لطف دیا کہ مجھے یقین تھا کہ اس کا ایک ایک لفظ سچا ہے۔ آپ کا اندازِ بیان بھی دل آویز ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ اس کے باقی باب بھی چھپنے سے پہلے پڑھ لوں۔

ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب اپنی والدہ محترمہ کی بیماری کی وجہ سے کراچی میں ہیں، اُنھوں نے بتایا کہ وہ ۱۸ر دسمبر کو مقتدرہ کا چارج چھوڑ چکے ہیں۔ دیکھیے ان کی جگہ کون آتا ہے۔ ویسے میرا دل کہتا ہے کہ اس جگہ ڈاکٹر جمیل جالبی ہی کا دوبارہ تقرر ہوگا اور ہونا بھی چاہیے کہ اُنھوں نے بہت اچھے اچھے کام کیے ہیں۔

آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔ آمنہ سلام لکھوا رہی ہیں۔ والد صاحب قبلہ کی خدمت میں آداب۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۲-۱-۹۴ء

....

۶۳

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

۲۲ر جنوری کو ایک خط لکھا تھا۔ اُمید ہے، ملا ہوگا۔ اس میں ایک دو باتیں جواب طلب تھیں۔

آج کل ڈاکٹر صابر کلوروی یہاں ہیں۔ میرے کتب خانے کی سیر کر رہے ہیں۔ گوشۂ اقبالیات کی طرف متوجہ ہوئے تو مَیں نے اُن سے کہا کہ رسالہ *تنویر* کا اقبال نمبر نظر آئے تو اُسے الگ کرلیں۔ یہ رسالہ دستیاب ہوگیا ہے۔ کلوروی صاحب اپنے لیے اس کا عکس بنوائیں گے، مَیں نے اُن سے کہا ہے کہ آپ کے لیے بھی بنوالیں۔ اس طرح آپ کی ایک پرانی فرمائش پوری

۴۔ قمر علی عباسی (پ: ۱۳ر جون ۱۹۳۸ء) ناول، افسانہ اور سفرنامہ نگار (*دِلّی دور ہے*)۔ طویل عرصہ ریڈیو پاکستان سے وابستہ رہے۔ ناصر زیدی (پ: ۸ر اپریل ۱۹۴۳ء) شاعر، ادیب اور کالم نویس۔

ہوگئی![1]۔

مَیں نے پچھلے خط میں عرض کیا تھا کہ مولانا تاجور نجیب آبادی پر پنجاب یونی ورسٹی میں کیا کیا کام ہوئے ہیں۔ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ گورنمنٹ کالج، لاہور کے لطیف ساحل نے پی ایچ ڈی کے لیے مقالہ داخل کر دیا ہے۔ اب آپ صرف یہ بتا دیجیے کہ ایم اے کی سطح پر کوئی مقالہ لکھا گیا ہے یا نہیں۔ علامہ تاجورؔ کے رسالے شاہکار کا اشاریہ بھی شاید کسی طالب علم نے بنایا ہے، کیا یہ درست ہے[2]؟

اورنگ زیب عالم گیر صاحب کا خط آیا ہے کہ وہ ۲۰ر فروری کو یونی ورسٹی جوائن کر رہے ہیں۔ یہ آپ کے شعبے میں اِن شاء اللہ عمدہ اضافہ ثابت ہوں گے[3]۔

مَیں نے پچھلے خط میں یہ بھی پوچھا تھا کہ آپ کے سفرنامے کے باقی باب مکمل ہوئے یا نہیں؟

آج ہی تحسین فراقی صاحب کا خط آیا ہے۔ اُس سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے بچے کی صحت کی طرف سے پریشان ہیں۔ کوئی نئی پیچیدگی پیدا ہوگئی ہے۔ اللہ اپنا فضل کرے۔ میری طرف سے پوچھ لیجیے گا۔ اُنھوں نے لکھا ہے کہ مَیں خط میں بچے کی بیماری کا ذکر نہ کروں[4]۔ جلیل قدوائی صاحب لاہور سے جہلم واپس جا چکے ہیں۔ گزشتہ جمعہ کو اُن کا فون آیا تھا۔ بینائی کی کمی اور تنہائی کی زیادتی کی وجہ سے پریشان ہیں۔ اچھا ہوا، آپ اُن سے مل لیے۔ آپ لوگوں کے ساتھ اُن کی جو تصویریں اتاری تھیں، معلوم نہیں، کس طرح ضائع ہوگئیں۔ فلم میں ان تصویروں کی جگہ خالی ہے۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ شاید میرے کیمرے میں کوئی خرابی ہوگئی ہے۔ بہت افسوس ہوا کہ یہ یادگار تصویریں تھیں[5]۔

۱۔ کتابیاتِ اقبال کے سلسلے میں مجھے عرصے سے رسالہ تنویر کے اقبال نمبر کی تلاش تھی۔ خواجہ صاحب کے ہاں سے اس کا عکس مل گیا۔

۲۔ گذشتہ خط کے حاشیے میں وضاحت آ چکی ہے۔ تاجور پر ایم اے کا مقالہ بھی نہیں لکھا گیا۔

۳۔ ڈاکٹر اورنگ زیب عالم گیر ۲۰ر فروری ۱۹۹۴ء کو شعبہ اُردو، اورینٹل کالج، لاہور سے بطور لیکچرر وابستہ ہوگئے تھے۔

۴۔ خط ۵۰ کے حاشیہ ۹ میں ذکر آ چکا ہے۔ ان دنوں عثمان، سروسز ہسپتال میں داخل تھا، جہاں آپریشن کے ذریعے اس کا دوسرا لینز بھی نکال دیا گیا۔

۵۔ خواجہ صاحب جنوری میں لاہور آئے۔ اتفاق سے انھی دنوں جلیل قدوائی ایجوکیشن ٹاؤن میں اپنی بیٹی کے ہاں مقیم تھے۔ ایک شام ہم (تحسین فراقی، جعفر بلوچ اور راقم) خواجہ صاحب کی معیت میں قدوائی صاحب سے ملنے گئے۔ اس موقع پر خواجہ صاحب نے متعدد تصاویر بھی بنائی تھیں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۵-۲-۹۴ء

....

۶۴

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

صابر کلوروی صاحب آج تشریف لائے اور اُنھوں نے آپ کا خط، کتابوں کے ساتھ دیا۔ اُن کی موجودگی میں ڈاک آئی تو آپ کا ۱۴ اپریل کا خط بھی مل گیا۔ ان سب عنایات کے لیے ممنون ہوں، مگر یہ عنایات نامکمل ہیں۔ جو کتابیں آپ نے غالب لائبریری اور انجمن کے لیے بھیجی ہیں، ان کا ایک نسخہ میرے لیے بھی آنا چاہیے۔ میرے پاس ان کے ہندوستانی ایڈیشن بھی نہیں ہیں۔

خامہ بگوشیاں کرنے کا قطعاً ارادہ نہیں تھا، مگر صلاح الدین صاحب کا اصرار اور مسلسل اصرار میرے ارادے پر حاوی رہا۔ ساڑھے تین برس تک مَیں کوئی نہ کوئی عذر اس خیال سے پیش کرتا رہا کہ بالآخر وہ بھول جائیں گے کہ خامہ بگوش کا کالم اُن کے ہاں چھپتا تھا، مگر جب بھی وہ کسی غیر ملکی دورے سے واپس آتے تو تقاضا پہلے سے زیادہ شدید ہوتا۔ تکبیر کے قاری ہر جگہ اُنھیں یاد دلاتے کہ یہ کالم دوبارہ جاری ہونا چاہیے۔ آخر وہی ہوا، جو ہونا تھا۔ کالم شروع تو کر دیا ہے، مگر ابھی طبیعت ادھر نہیں آئی۔ اس کا میرے معمولات پر خاصا اثر ہوا ہے۔ مَیں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں، جو قلم برداشتہ لکھتے ہیں۔ کم از کم دو مرتبہ پورا مسودہ ضرور لکھتا ہوں اور پھر آخر وقت تک کاٹ چھانٹ کرتا ہوں۔ میرے حق میں دعا کیجیے کہ یہ مشکل آسان ہو۔ کالم ۲۳/ مارچ کے شمارے سے شروع ہوا ہے، اس کے بعد کے شمارے میں کالم نہیں تھا۔ اب تک تین کالم چھپ چکے ہیں، کل چوتھا آئے گا۔[1]

۱۔ ۱۹۸۴ء میں جب محمد صلاح الدین صاحب نے تکبیر جاری کیا تو اس کے پہلے شمارے ہی سے اس میں خامہ بگوش کا کالم چھپنا شروع ہوا۔ اگست ۱۹۹۰ء تک یہ سلسلہ باقاعدگی کے ساتھ جاری رہا، پھر خواجہ صاحب نے بادلِ ناخواستہ بعض ذاتی وجوہ سے کالم لکھنے سے معذرت کر لی۔ مارچ ۱۹۹۴ء کے شروع میں سعودی عرب کے دورے سے واپس آ کر صلاح الدین صاحب نے خواجہ صاحب کو فون کیا کہ اس مرتبہ مَیں نے حرمین میں دعا کی ہے کہ آپ لکھنے پر آمادہ ہو جائیں۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں: 'اتنے چھوٹے سے کام کے لیے اتنی بڑی بارگاہ میں دعا کرنے کی کیا ضرورت تھی، مَیں ہر خدمت کے لیے ←..........

مَیں ۲۱ر مارچ کو اسلام آباد گیا، ۲۹ کو واپس آیا۔ چار دن اسلام آباد میں اور ایک ایک دن حسن ابدال، جہلم اور مری بھوربن میں گزارا۔ حسن ابدال میں تاریخی مقامات دیکھے۔ اکبری نورتن میر فتح اللہ شیرازی اور اُن کے بھائی میر ہمام کا مقبرہ دیکھا۔ جہلم میں جلیل قدوائی صاحب سے ملاقات کی۔ وہاں وہ اپنے بیٹے بریگیڈیر خالد قدوائی کے پاس مقیم ہیں۔ وہاں آرام و آسایش کراچی کی نسبت بہت زیادہ ہے، مگر 'ادبی تنہائی' سے پریشان ہیں۔ میرے ساتھ آمنہ تھیں، ڈاکٹر گوہر نوشاہی اور ڈاکٹر سلطانہ بخش بھی تھیں۔ ہم لوگوں سے مل کر وہ خوش ہوئے اور اصرار کرتے رہے کہ کم از کم ایک رات ہم اُن کے ہاں قیام کریں، مگر ممکن نہ تھا۔

اسلام آباد میں ایک روز زاہد منیر عامر صاحب کا فون آیا تھا اور اُنھوں نے اطلاع دی کہ آپ بھی اسلام آباد آ رہے ہیں۔ مَیں نے اُنھیں اپنا فون نمبر لکھوا دیا کہ آپ کو دے دیں۔ منتظر رہا، مگر افسوس! آپ نہ آ سکے۔ عجیب اتفاق ہے کہ انھیں دنوں میرزا ادیب صاحب بھی وہیں تھے، مگر ہم دونوں ایک دوسرے کی موجودگی سے بے خبر رہے۔ بعد میں اُن کے خط سے معلوم ہوا کہ وہ کسی کتاب کی رونمائی کے سلسلے میں وہاں گئے۔ اب کے اسلام آباد میں تین روز ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کے ساتھ گزرے۔ اتنا وقت ہم دونوں نے لاہور میں بھی کبھی اکیلے میں نہیں گزارا۔

حمید نسیم صاحب کی کتاب میں طباعت کی خاصی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ اُنھوں نے ایک غلط نامہ بنا کر دیا ہے، اُس کا عکس بھیج رہا ہوں۔ دوسری کاپی ڈاکٹر تحسین فراقی صاحب کو دے دیجیے۔ حمید نسیم صاحب کی کتاب، اقبال پر لکھی گئی کتابوں سے بہت مختلف ہے۔ حکیم الامت کے وہ قائل نہیں، شاعر اقبال کو وہ مانتے ہیں۔ اس کتاب پر اگر آپ کہیں تبصرہ کر دیں تو بہت اچھا ہو[۲]۔

آپ کے پہلے دونوں خط بھی مل گئے تھے۔ ان کے جواب میں تاخیر اس لیے ہوئی کہ اسلام آباد سے واپس آنے کے بعد طبیعت ناساز رہی، اس لیے معمول کے مطابق کام نہ کر سکا۔ اب ان دونوں خطوں کو سامنے رکھ کر جواب لکھتا ہوں، مگر پہلے یہ کہ رسالہ تنویر کراچی کا اقبال نمبر بصورت عکس آپ کو مل گیا، اچھا ہوا۔ اس کی بس تاریخی اہمیت ہے، کوئی خاص بات نہیں۔

تاجور پر ایم اے کا جو مقالہ لکھا گیا تھا، مجھے اس کا عکس چاہیے، لیکن مَیں آپ پر بار نہیں ہونا

بقیہ: حاضر ہوں۔ میرے اس جواب پر وہ بے حد خوش ہو گئے۔ یوں چار سال کے تعطل کے بعد دوبارہ خامہ بگوشیوں کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اس موضوع کا مزید ذکر خط: ۱۴۰ اور ۰ ۷ میں بھی ملے گا۔

۲۔ راقم اس پر تبصرہ نہ لکھ سکا۔

چاہتا، اگر آپ عکس کے اخراجات وصول کرنے پر آمادہ ہوں تو بنوا دیجیے [۳]۔ دراصل اس قسم کے کام تو مجھے پڑتے ہی رہیں گے، اس لیے آپ تکلف سے کام نہ لیں۔ منصورہ سے ایک کتاب یادگار لمحات از عاصم صدیقی شائع ہوئی ہے، اس کی بھی مجھے ضرورت ہے۔ پبلشر المنار بک سنٹر۔ اُن سے کہیے وی پی کر دیں یا آپ خرید کر، مذکورہ عکس کے ساتھ ارسال فرما دیجیے۔ اس کی قیمت بھی عکس کی لاگت کے ساتھ بھیج دوں گا [۴]۔

خطوط [۵] کی ترتیب کے سلسلے میں آپ نے جو لکھا ہے، وہ واقعی خاصا مشکل کام ہے، لیکن یہ آسان ہو سکتا ہے، اس طرح کہ ہر مکتوب نگار کو ایک نمبر دے دیجیے۔ جب اُس کا خط آئے، اُس نمبر کے لفافے میں رکھ دیجیے۔ مَیں یہی کرتا ہوں۔ اب تک تقریباً دو ہزار لفافے بن چکے ہیں، اور بعض لوگوں کے خطوں کی تعداد سیکڑوں میں ہے۔ جیسے مالک رام، میرزا ادیب، ڈاکٹر سید عبداللہ۔ یہ تو میرے نام کے خط ہوئے، دوسروں کے نام کے خطوں کا بھی ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے، اُسے بھی اسی طرح مرتب کر رہا ہوں۔ مَیں خود نہیں کرتا، کوئی نہ کوئی اہل کار میری نگرانی میں یہ کام کرتا رہتا ہے۔ غیر اہم خطوں کو مَیں ضائع کر دیتا ہوں، لیکن نسبتاً غیر اہم ادیبوں کے خطوط ایک ہی نمبر کے تحت رکھ دیتا ہوں۔ ان لفافوں میں ان ادیبوں سے متعلق اخباری رائے اور مضامین وغیرہ بھی رکھے جاتے ہیں، مگر میرے پاس یہ ذخیرہ اتنا بڑا ہے کہ اسے سنبھالنا میرے بس کی بات نہیں۔ پریشان ہوں کہ کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد۔

امید ہے اورنگ زیب صاحب نئے ماحول سے مانوس ہو گئے ہوں گے۔ دوسری جگہ پر زاہد منیر عامر آ جائیں تو بہت اچھا ہو۔ اس نوجوان کا مستقبل روشن نظر آتا ہے [۶]۔

سفرنامہ مکمل ہو گیا ہو تو مسودہ بھجوا دیجیے۔ پیرس کا سفرنامہ اس میں بطور ضمیمہ شامل کر دیجیے [۷] کہ پیرس کا سفر بھی اصل سفر ہی کی وجہ سے ہوا تھا، ورنہ یہ روداد بن لکھی رہ جائے گی۔

۳۔ تاجور پر ایم اے کا مقالہ دستیاب ہوا، نہ اس کا عکس بن سکا۔

۴۔ یادگار لمحات (مرتب: عاصم نعمانی، نہ کہ صدیقی) مولانا مودودی کے ملفوظات وغیرہ کا مجموعہ ہے۔ ناشر: ادارہ معارف اسلامی، لاہور، ۱۹۹۴ء۔

۵۔ مشاہیر اور احباب کے آمدہ خطوط کسی ترتیب سے رکھنے اور محفوظ کرنے کا مسئلہ درپیش تھا، خواجہ صاحب نے یہ ترکیب بتائی۔

۶۔ زاہد منیر صاحب ۲۶ جنوری ۱۹۹۵ء کو بطور لیکچرار، شعبہ اُردو سے وابستہ ہو گئے تھے۔

۷۔ پھر وہی ذکر ہے، راقم کے سفرنامہ اندلس پوشیدہ تری خاک میں...... کا۔ خواجہ صاحب کے حسب ہدایت مَیں نے اس میں سفر پیرس کا احوال بھی شامل کر دیا تھا۔

جی ہاں مَیں ترجمان القرآن کا خریدار ہوں اور اس میں آپ کے تبصرے دیکھتا رہتا ہوں۔ آپ نے فرصت کے منتظر کاموں کی جو فہرست لکھی ہے، اُس میں تقریباً سبھی کام بہت اہم ہیں، مگر سب سے اہم مولانا نصر اللہ خاں عزیز کی سرگزشت کی تدوین ہے۔ اسے آپ جس قدر جلد کر سکیں، اچھا ہے[۸]۔

سویا مانے سے اسلام آباد میں ملاقات ہوئی تھی۔ وہ جاپانی سفارت خانے میں 'مشیر امور افغانستان' ہے[۹]۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تحسین فراقی صاحب یونی ورسٹی سینٹ کا انتخاب لڑ رہے ہیں۔ خدا کرے کہ ملکی سینٹ کا انتخاب بھی لڑیں۔ دوسرا خط اُن کے نام اسی لفافے میں رکھ رہا ہوں، یہ اُنھیں دے دیجیے۔ یہاں سے ایک نامعقول کتاب خطوطِ جوش چھپی ہے۔ اس کے نمونے کے چند صفحے بھیج رہا ہوں۔ یہ بھی تحسین صاحب کے لیے ہیں، تاکہ اُنھیں معلوم ہو کہ اردو میں کیا کیا کچھ چھپ رہا ہے۔ پچھلے دنوں پرانے رسالوں کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ اقبال کی نظم 'تنہائی' کا منظوم ترجمہ نظر آیا اور ایک طویل نظم، جو علامہ اقبال کو خطاب کر کے لکھی گئی ہے۔ ان دونوں کے عکس بھیج رہا ہوں۔ شاید آپ کے کسی کام آئیں۔

زیبا صاحب[۱۰] بیمار ہو گئے، لہٰذا اب آپ کی کتاب (تین سال)[۱۱] پر ادیب سہیل صاحب سے تبصرہ لکھواؤں گا۔...... میر حجاز کے لیے دلی شکریہ قبول فرمائیے[۱۲]۔

دیکھیے، آپ کے طویل خط کے جواب میں مَیں نے بھی طویل خط لکھ ڈالا۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

۸۔ معروف صحافی، ادیب اور شاعر ملک نصر اللہ خاں عزیز (۱۸۹۷ء۔۱۹۷۶ء) اپنی یادداشتیں اپنے ہفت روزہ ایشیا لاہور میں لکھتے رہے۔ راقم نے اقساط جمع کر لی تھیں اور انھیں کتابی صورت میں مرتب کرنے کا ارادہ تھا، اسی اثنا میں اختر حجازی صاحب نے ۱۹۹۴ء میں انھیں کتابی صورت میں زندگی کی گزرگاہوں کے عنوان سے تسنیم پبلی کیشنز، لاہور سے شائع کرا دیا، چنانچہ راقم نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔

۹۔ سویا مانے یاسر (پ: ۲۰ مارچ ۱۹۶۴ء) نے ۱۹۹۱ء میں اورینٹل کالج، لاہور سے ایم اے اردو کی سند حاصل کی تھی۔ تقریباً تین برس تک اسلام آباد میں واقع سفارت خانہ جاپان میں خدمات انجام دینے کے بعد، اب وہ اوساکا یونی ورسٹی آف فارن سٹڈیز (جاپان) میں ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں۔ ان کا تفصیلی ذکر راقم کے سفرنامۂ جاپان...... سورج کو ذرا دیکھ (لاہور، ۲۰۰۷ء) میں ملے گا۔

۱۰۔ شجاع احمد زیبا مراد ہیں۔ تعارف دیکھیے: خط ۵۰ کا حاشیہ ۶۔

۱۱۔ اقبالیات کے تین سال، ۱۹۸۷ء۔۱۹۸۹ء

۱۲۔ راقم کی کتاب: علامہ اقبال اور میر حجاز۔ بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۹۴ء۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۹-۴-۹۴ء

....

۶۵

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کے دونوں خط بھی ملے اور کتابیں بھی، ان عنایات کے لیے بے حد ممنون ہوں۔ تاخیر سے جواب دینے کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ کراچی میں زمینی بلائیں ہی کیا کم تھیں کہ اب ۳؍ جولائی سے آفاتِ سماوی نے بھی ادھر کا رخ کر رکھا ہے۔ ایسی بارشیں پہلے کبھی نہیں ہوئیں۔ زندگی کے تمام معمولات میں بے ترتیبی آ گئی ہے، اور اُس پر یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ خدا جانے کیا ہو؟ جس مکان میں کتابوں کے سوا اور کچھ نہ ہو، اُس کے لیے مسلسل بارشیں بے حد ضرر رساں ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اب تک سب کچھ محفوظ رہا ہے۔

آپ کی مصروفیات کا حال معلوم ہوا۔ آدمی کو زندہ رہنے کے لیے سب کچھ کرنا پڑتا ہے اور کرنا چاہیے۔ آپ جو نصابی کام کر رہے ہیں[۱]، لازماً اُس کا مالی فائدہ ہوگا۔ ایسا کام کیوں چھوڑا جائے، جبکہ آج کل کے حالات میں جائز آمدنی کے اندر زندگی بسر کرنا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔ کالم نگاری سے میں بیزار ہوں۔ جس روز کالم لکھنا ہوتا ہے، میری جان عذاب میں ہوتی ہے، مگر اس کا معقول معاوضہ ملتا ہے، اِس لیے سب کام چھوڑ کر یہ کام کرتا ہوں۔

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تحسین فراقی صاحب کو نقوش ایوارڈ ملا ہے[۲]۔ آج ہی اُنھیں بھی مبارک باد کا خط لکھ رہا ہوں۔

سویا مانے آج چند گھنٹوں کے لیے کراچی میں تھے۔ وہ کسی دفتری کام سے سنگاپور جا رہے ہیں۔ اُن کا فون آیا، وہ ملنا چاہتے تھے، مگر میرے علاقے میں کل سے گولیاں چل

۱۔ گورنمنٹ کالج، سرگودھا کے زمانے میں راقم نے برادرم پروفیسر محمد احسان الحق صاحب کے اشتراک سے انٹرمیڈیٹ (اردو لازمی مضمون) کے لیے تفہیمِ اردو تالیف کی تھی، جو اب تک شائع ہو رہی ہے۔ نصاب میں تبدیلیوں کی روشنی میں اس میں ہر سال ردّ و بدل اور حذف و اضافے کرنے پڑتے تھے۔ اُن دنوں ایسے ہی 'نصابی کام' میں مصروف تھا۔

۲۔ تحسین صاحب کو ان کے مقالے 'علامہ اقبال اور مسلم نشاتِ ثانیہ' پر ۱۹۹۳ء کا 'نقوش اوارڈ' ملا تھا۔

رہی ہیں۔ متعدد افراد زخمی اور ہلاک ہو چکے ہیں، لہٰذا مَیں نے اُنھیں آنے سے منع کر دیا، اب وہ واپسی پر کراچی آئیں گے تو ملاقات ہوگی۔ سویا مانے کا مقالہ بہت اچھا ہے۔ مَیں نے ان سے کہا کہ اب یہ چھپ جانا چاہیے۔ اُنھوں نے بتایا کہ زاہد منیر عامر صاحب اس پر نظر ثانی کریں گے، اس کے بعد یہ چھپے گا۔ غلام عباس پر یہ مقالہ شائع ہوگا تو بہت سی نئی چیزیں سامنے آئیں گی[۳]۔

تحسین صاحب کو رشید حسن خاں صاحب نے جائزہ کلیاتِ مکاتیب اقبال کے تبصرے پر مبارک باد دی[۴]۔ یہ بڑی بات ہے۔ خان صاحب جیسے سخت گیر آدمی کسی کو ذرا کم ہی مبارک باد دیتے ہیں۔ ویسے اس جائزے کی اشاعت سے وہ بہت خوش ہوئے ہوں گے، کیونکہ آج کل نثار احمد فاروقی سے تعلقات کچھ کشیدہ ہیں۔ فاروقی صاحب نے فسانۂ عجائب پر ایک سخت مضمون لکھا ہے۔ بے شمار غلطیوں کی نشان دہی کی ہے۔ رشید حسن خاں صاحب نے اس کے جواب میں جو مقالہ لکھا ہے، وہ بھی بہت عالمانہ ہے، سارے اعتراضات رَد کر دیے ہیں۔ یہ دونوں مقالے آج کل میں چھپے ہیں[۵]۔ مَیں نے دائرے والوں سے کہا ہے کہ وہ ان دونوں مقالوں کو یک جا شائع کر دیں۔ دائرے آپ کو ملتا ہوگا۔ اس کے لیے اگر آپ کچھ لکھیں تو ممنون ہوں گا۔ ممنون ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مَیں مضامین کی فراہمی میں ان کی مدد کرتا رہتا ہوں۔ کیا یہ آپ کو مل رہا ہے؟ غالب کے تنِ مردہ میں بھی جان ڈالنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ تخلیقی ادب کا بچا کھچا 'مال' ان کو دے دیا ہے۔

سویا مانے کا ذکر مَیں نے اپنے کالم میں نہیں کیا تھا، معین الدین عقیل صاحب نے کیا تھا۔ عقیل صاحب پچھلے دنوں چند روز کے لیے کراچی آئے تھے۔ اُن سے ایک مختصر سی ملاقات ہوئی تھی۔ وہ آج کل ایک طویل تفریحی سفر پر ہیں۔ آپ سے تو مراسلت ہوگی۔

۳۔ یہ ان کا ایم اے اردو کا مقالہ تھا: غلام عباس، سوانح و فن کا تحقیقی جائزہ (نگران: ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا) ناشر: سنگ میل، لاہور، ۱۹۹۶ء۔ زاہد منیر عامر صاحب نے اس مقالے پر نظر ثانی کی تھی۔

۴۔ مظفر حسین برنی کے مرتبہ کلیات مکاتیب اقبال جلد سوم پر یہ تفصیلی تبصرہ پہلے سیارہ لاہور (فروری ۱۹۹۴ء) میں چھپا، اب یہ تحسین فراقی کے مجموعۂ مضامین اقبال: چند نئے مباحث (اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۷ء) میں شامل ہے۔

۵۔ فسانۂ عجائب (مدوّنہ: رشید حسن خاں، انجمن ترقی اردو دہلی) پر ڈاکٹر نثار احمد فاروقی (۲۹ جون ۱۹۳۴ء۔ ۲۸ نومبر ۲۰۰۴ء) نے ایک تنقیدی مضمون شائع کیا تھا، رشید حسن خاں کا جوابی مضمون راقم کی نظر سے نہیں گزرا۔

ادیب سہیل بیچارے کتاب کے تبصرے میں جو کچھ لکھ گئے، اس سے اُنھیں معذور سمجھیے، کیونکہ وہ ان امور سے کچھ زیادہ واقف نہیں ہیں۔

اردو آپ کو باقاعدگی سے ملے گا۔ پچھلے شمارے بھی بھیجنے کے لیے کہہ دیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالحق کا دہلی سے خط مجھے بھی آیا ہے۔ اُنھوں نے مجھے نظام خطبات کے سلسلے میں مدعو کیا ہے[6]۔ میرے بارے میں اُنھیں کچھ غلط فہمی ہے، ورنہ مَیں ان کاموں کا اہل نہیں ہوں۔ معذرت کا خط لکھ دیا ہے۔

تاجور پر اگر کوئی مقالہ نہیں لکھا گیا تو بات ختم ہو جاتی ہے۔ خدا کرے، ساحل صاحب اس موضوع کا حق ادا کر دیں[7]۔ تاجور نے اردو کی بڑی خدمت کی ہے۔ اُن کے مضامین کی اشاعت بہت ضروری ہے۔

افتخار امام کے بارے میں مَیں نے جو کچھ کالم میں لکھا ہے، وہ محض تفنّنِ طبع کے لیے ہے۔ اس کالم کو اُنھوں نے بھی پسند کیا ہے۔ اچھا اب اجازت دیجیے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۳-۸-۹۴ء

اقدار کا متعلقہ شمارہ یا مضمون کا عکس جلد ہی بھیجوں گا[8]۔

....

۶۔ ڈاکٹر عبدالحق (پ: ۲۹ر مارچ ۱۹۳۹ء) اس زمانے میں دہلی یونی ورسٹی کے صدر شعبۂ اردو تھے۔ شعبۂ اردو ہر سال کسی نامور شخصیت کو سالانہ 'نظام خطبات' کے سلسلے میں خطبے کے لیے مدعو کیا کرتا تھا۔ پروفیسر عبدالحق معروف اقبال شناس، ادیب اور نقاد ہیں۔ دہلی یونی ورسٹی سے سبک دوشی کے بعد کچھ عرصہ اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونی ورسٹی میں وزٹنگ پروفیسر رہے۔ ان دنوں جواہر لعل نہرو یونی ورسٹی میں پروفیسر اے ریطس ہیں۔

۷۔ ۲۲ر جنوری ۱۹۹۴ء کے خط کے حاشیہ ۳ میں اس کی وضاحت آ چکی ہے۔ لطیف ساحل صاحب نے تحقیقی کام تو مکمل کر لیا، مگر ڈگری ابھی تک نہیں مل سکی۔

۸۔ اقــدار کراچی [جنوری ۱۹۹۵ء] میں رشید حسن خاں کا مضمون: 'کلام اقبال کی تدوین' چھپا تھا، مجھے اس کی ضرورت تھی، خواجہ صاحب نے بعد ازاں یہ عکس بھجوا دیا۔ یہ مضمون راقم کی کتاب: اقبـالیـات: تفہیم و تجزیہ (اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۵ء) میں بطور ضمیمہ شامل ہے۔

۶۶

۳۳ ڈی۔۹/۲۶ ناظم آباد
کراچی۔۷۴۶۰۸[۱]

برادر مکرم، سلام مسنون

گرامی نامہ مورخہ ۲۲ ستمبر موصول ہوا، ممنون ہوں۔ دفتر انجمن فون کر کے صورتِ حال معلوم کی تو پتا چلا کہ رسالہ اُردو کے اعزازی پتوں کی فہرست میں آپ کا پتا شامل نہیں ہے۔ سہواً ایسا ہوا۔ اُنھیں ہدایت کی کہ ۹۱ء سے ۹۳ء تک جتنے شمارے چھپے ہیں، آپ کی خدمت میں بھیج دیے جائیں۔ اِن شاءاللہ یہ جلد ہی آپ کو مل جائیں گے۔ ۹۴ء میں کوئی شمارہ شائع نہیں ہوا۔ اس وقت دو شمارے زیرِ طبع ہیں۔

دو تین سال ہوئے ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کو مَیں نے علامہ اقبال کی ایک تحریر بھیجی تھی، جو علی گڑھ یونی ورسٹی میں شعبۂ اُردو کے استاد کے انتخاب کے بارے میں تھی۔ اس میں جلیل قدوائی صاحب کے حق میں رائے دی گئی تھی۔ یہ تحریر انگریزی میں تھی اور اسے ڈاکٹر قریشی صاحب نے اقبال میں شائع کر دیا تھا۔ اب قدوائی صاحب کو اس کی ضرورت ہے تو متعلقہ رسالہ نہیں مل رہا۔ اگر زحمت نہ ہو تو بواپسی ڈاک اس کا عکس مع حوالۂ اشاعت بھجوا دیجیے، بے حد کرم ہوگا[۲]۔

اُمید ہے، آپ اب نصابی کام سے فارغ ہو چکے ہوں گے[۳]۔

خدا کرے، آپ مع متعلقین خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ

۴۔۱۰۔۹۴ء

۱۔ یہ خط، خلافِ معمول، سادہ کاغذ پر ہے، اسی لیے اس کے اوپر دائیں کونے میں پتا ہاتھ سے لکھا ہوا ہے۔

۲۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی نے اردو لیکچرر کے امیدواروں کے کاغذات رائے کے لیے علامہ اقبال کو بھجوائے تھے۔ امیدواروں میں جلیل قدوائی بھی شامل تھے۔ اقبال کی رائے بڑی حد تک ان کے حق میں تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے یہ رائے رسالہ اقبال میں شائع کی تھی یا نہیں؟ (غالباً نہیں) البتہ مجھے کئی سال پہلے ایک اَور ذریعے سے اقبال کی یہ رائے ان کے ایک خط کی صورت میں دستیاب ہوئی تھی، جسے مَیں اپنے ایک مضمون ('اقبال کے پانچ غیر مدون خطوط' مطبوعہ صحیفہ لاہور، اقبال نمبر نومبر ۱۹۷۷ء) میں شائع کر چکا تھا۔ مَیں نے یہی مضمون خواجہ صاحب کو بھجوا دیا۔

۳۔ گذشتہ خط کے حاشیہ ا میں وضاحت آ چکی ہے۔

۶۷

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کے دونوں خط ملے اور اقبال سے متعلق مقالے کا عکس بھی، ان عنایات کے لیے ممنون ہوں۔ علامہ اقبال کی رائے کی ضرورت تھی (جلیل قدوائی کے بارے میں)۔ آپ کے مضمون سے کام چل جائے گا۔ اقبال کا متعلقہ شمارہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

دائرے والوں کو آپ کا پتا دے دیا ہے اور کہا ہے کہ پچھلے چند شمارے آپ کو بھجوا دیے جائیں۔ رسالہ اردو کے شمارے آپ کو بھجوا دیے تھے۔ اُمید ہے، ملے ہوں گے۔

اب کے میرا بہاول پور جانے کا کوئی ارادہ نہیں۔ اگرچہ وہاں کی سنٹرل لائبریری میں گزشتہ صدی کے بعض اخبارات (اودھ اخبار وغیرہ) سے استفادہ کرنا ہے۔ اب اگلے سال میں پروگرام بناؤں گا۔ ویسے مجھے بہاول پور بہت پسند آیا۔ کاش کوئی صورت ایسی ہوتی کہ مَیں اپنے کتب خانے سمیت وہاں 'آباد' ہوسکتا۔ کراچی کی زندگی نہایت تکلیف دہ ہوگئی ہے۔ اپنے کتب خانے کی طرف سے سخت پریشان ہوں کہ کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد۔

سویامانے کا مقالہ بہت اچھا ہے۔ مواد کے اعتبار سے زبان و بیان کی غلطیاں دُور ہو جائیں تو اس کا چھپنا بہت ضروری ہے۔ زاہد منیر عامر صاحب سے کہیے کہ وہ اس کام کو اردو کی خدمت سمجھ کر انجام دیں[۱]۔

آج کل مَیں یگانہ کے سلسلے میں قیامِ پاکستان سے پہلے کے ادبی جرائد دیکھ رہا ہوں۔ بہت بڑا ذخیرہ تو خود میرے کتب خانے میں ہے۔ اقبال کے بارے میں بہت سی چیزیں نظر آ رہی ہیں۔ ان پر نشان لگا کر رکھتا جا رہا ہوں کہ کبھی آپ کراچی تشریف لائیں تو انھیں دیکھیں گے۔

میرے پاس ایک کتاب تحفۂ امانیہ ہے، جو نجف علی خاں اتالیق امیر امان اللہ خاں کی تصنیف ہے۔ یہ صاحب ایک زمانے میں کابل جیل میں نظر بند تھے۔ قید کے دوران انھوں نے مذکورہ عنوان سے ایک پند نامہ منظوم اپنے بیٹے کے لیے لکھا تھا، جو کریمی پریس، لاہور سے شائع ہوا تھا۔ اس کے آخری سرورق پر علامہ اقبال کی یک سطری 'تقریظ' ہے۔ یہ کتاب آپ کی نظر سے گزری ہوگی۔ بہرحال اس وقت یہ سامنے ہے تو اس کی تقریظ نقل کیے دیتا ہوں:

۱۔ دیکھیے: خط ۶۵، حاشیہ ۳

تقریظ

از ترجمانِ حقیقت علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال ملک الشعراء مشرق | سطریں مطابق اصل

مَیں نے یہ نظمیں سرسری نظر سے دیکھ لیں۔ مصنف کا جوشِ عقیدت

قابلِ داد ہے۔
اقبال

یہ عبارت سبز روشنائی میں چھپی ہے۔ امتدادِ زمانہ سے روشنائی اتنی مدھم ہوگئی ہے کہ عکس نہیں بن سکتا۔ کتاب پر سال طباعت درج نہیں ہے، البتہ سرورق نمبر۲ پر انتساب کی عبارت کے نیچے مصنف کے نام کے ساتھ یہ تاریخ درج ہے: ماہ قوس ۱۳۰۲ش۔

شاید آپ کے علم میں ہو کہ لاہور کا مشہور کریمی پریس میرے نانا کا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد میرے ماموں ایک عرصے تک اسے چلاتے رہے[۲]۔ مَیں اس پریس کی طبع کردہ کتابیں جمع کرتا رہتا ہوں۔ مذکورہ کتاب اسی سلسلے میں میرے پاس ہے۔

اقـدار مَیں نہیں خریدتا۔ شروع کے ایک دو پرچے دیکھے تو کوئی خاص بات نظر نہیں آئی۔
رشید حسن خاں کے مضمون کے لیے ایک دوست سے کہہ رکھا ہے، جوں ہی مل گیا، پیش کردوں گا[۳]۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ

۲۶-۱۰-۹۴ء

....

۶۸

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

یہ عجیب اتفاق ہے کہ ۲۶ راکتوبر کو مَیں نے آپ کو خط لکھا، اُسی تاریخ کو آپ نے بھی لکھا،

۲۔ مشفق خواجہ کے نانا میر امیر بخش (م: ۱۹۲۳ء) مشفق خواجہ کے بھائی خواجہ عبدالرحمٰن طارق کے بقول: 'غیر منقسم پنجاب کے سب سے بڑے پبلشر تھے۔ اگر انھیں پنجاب کا نول کشور کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ وہ صاحبِ علم ہی نہیں، ایک عملی مسلمان [بھی] تھے۔ ان کا کتب خانہ کئی ہزار کتابوں پر مشتمل تھا، جو تقسیم ہند کے فوری بعد [دریاے] راوی کے ایک بڑے سیلاب کی نذر ہو گیا'۔ (قومی زبان فروری ۲۰۰۶ء، ص ۲۲۶)
مشفق خواجہ کے ماموں کا نام میر قدرت اللہ تھا۔

۳۔ دیکھیے خط ۶۵، حاشیہ ۸۔

جو آج مجھے ملا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ۲۵ کا لکھا ہوا خط بھی مل گیا۔ میرے خط میں ایک آدھ بات جواب طلب تھی، توجہ فرمائیے۔

ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کتابوں کی طباعت کے سلسلے میں ذرا جلد بازی سے کام لیتے ہیں، اس لیے اُنھوں نے آپ کی کتاب کے سلسلے میں جو کچھ کیا، اُس پر مجھے تعجب نہیں ہوا۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ معاملہ آپ کے حسب منشا طے پا گیا[1]۔ اب اس کے پروف بھی آپ خود پڑھیے گا، ورنہ اتنی غلطیاں ہوں گی کہ آپ پریشان ہو جائیں گے۔ مغربی پاکستان اردو اکیڈیمی اور بزمِ اقبال کی کوئی بھی کتاب اُٹھا لیجیے، اتنی اغلاط نظر آئیں گی، جیسے یہ کتابیں اغلاط کے نمونے کے طور پر چھاپی گئی ہوں۔ اسی لیے مَیں نے اپنی کتاب (تحقیق نامہ) کے لیے شرط لگا دی تھی کہ مَیں اسے کراچی میں چھپواؤں گا۔ آپ کو حیرت ہو گی کہ مَیں نے ایک مرتبہ سارے پروف خود ڈاکٹر صاحب[2] سے بھی پڑھوائے اور اُنھوں نے متعدد اغلاط کی نشان دہی کی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ میری کتاب میں معنوی اغلاط تو مل جائیں گی، کتابت کی غلطی نہیں ملے گی۔

انجمن کی مطبوعات ترجمان القرآن کے لیے بھجوادی جائیں گی۔ آپ کی مطلوبہ کتاب بھی ان میں شامل ہو گی۔

جی ہاں، کشور ناہید والا مضمون اس لائق نہیں تھا کہ قومی زبان میں شائع ہوتا۔ ادیب سہیل دراصل بڑے 'معصوم' قسم کے آدمی ہیں۔ اُنھوں نے غور ہی نہیں کیا کہ محترمہ کیا کچھ لکھ گئی ہیں۔ بہر حال اب یہ طے کیا گیا ہے کہ کسی زندہ ادیب پر کوئی مضمون قومی زبان میں شائع نہیں ہو گا۔ اور اگر شائع کرنا ضروری ہوا تو اُس کی پیشگی اجازت لی جائے گی۔

اب ایک نہایت ضروری کام جو فوری توجہ کا مستحق ہے۔[3]

ممتاز حسن مرحوم سے آپ واقف ہوں گے، ذاتی طور پر بھی اور ایک اقبال دوست کی حیثیت سے بھی۔ ادارۂ یادگارِ غالب کی طرف سے ان کے مضامین کا مجموعہ شائع کیا جا رہا ہے (فی

۱۔ راقم کی کتاب کتابیاتِ اقبال کے نئے اڈیشن کی کتابت (کمپوزنگ) کا مسئلہ تھا۔ اقبال اکادمی کے ناظم، ڈاکٹر وحید قریشی چاہتے تھے کہ مسودہ ان کے حوالے کر دیا جائے، کمپوزنگ اکادمی میں ہو اور راقم باقی مراحل سے لاتعلق ہو جائے۔ مَیں اپنے تجربے کی بنا پر بہتر یہ سمجھتا تھا کہ کتابت حسب منشا خود کراؤں اور پروف خوانی اور تصحیح بھی خود ہی کروں۔ استادِ محترم پہلے تو مصر رہے، پھر انھوں نے اجازت دے دی۔

۲۔ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب۔

۳۔ اصل خط میں اس جملے کے چاروں طرف سرخ قلم سے خط کشید کر کے چوکھٹا بنایا گیا ہے۔

الحال اردو مضامین)۔ کچھ مضامین شان الحق حقی صاحب نے جمع کیے ہیں اور کچھ مَیں نے۔ کمپوزنگ ایک دو روز میں شروع ہو جائے گی۔ ممتاز صاحب نے اقبال پر کئی مضامین لکھے تھے، جن میں اُن کے خطباتِ صدارت بھی شامل ہیں۔ مجھے ان مضامین کی فہرست کی ضرورت ہے۔ چونکہ تمام مآخذ آپ کی نظر میں ہیں، اس لیے آپ چشم زدن میں یہ فہرست بنا سکتے ہیں، لہٰذا میری رہنمائی فرمایئے[۴]۔

آپ کے خط آتے ہیں تو جی خوش ہوتا ہے۔ آپ کے 'پے در پے' خطوں سے مَیں کیوں گھبرانے لگا۔ ہاں، جب خط نہیں آتا ہے تو الجھن ہوتی ہے۔ زندگی کے کاروبار میں میرا خالص منافع آپ ہی جیسے دو چار دوست تو ہیں، جن سے مل کر اور بات کر کے اور جن کو یاد کر کے دلی مسرت ہوتی ہے۔

اکرام چغتائی صاحب سے کبھی ملاقات ہوتی ہے یا نہیں؟ وہ بیچارے آج کل پریشانی میں ہیں۔ چند روز ہوئے، اُن کا فون آیا تھا۔ مَیں مے اُن سے کہا تھا کہ وہ اسلام آباد جا کر میرے چھوٹے بھائی سے ملیں۔ معلوم نہیں، وہ اسلام آباد گئے یا نہیں۔ اب مَیں نے وزیر تعلیم سے اُن کی ملاقات کرانے کا ایک وسیلہ ڈھونڈ لیا ہے۔ اُن کا فون نمبر میرے پاس نہیں ہے۔ ازرہِ کرم اُنھیں فون کر کے کہیے کہ وہ کسی بھی دن رات کو آٹھ بجے سے گیارہ بجے تک مجھے فون کر لیں۔ ۴ اور ۶ رنومبر کے علاوہ۔ جو کچھ اُن سے کہنا ہے، خط میں نہیں لکھا جا سکتا۔ نیز اُن سے یہ بھی کہیے کہ اپنا بائیو ڈیٹا مجھے بھیج دیں۔

عبداللہ قریشی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ کسی اخبار میں خبر نہیں چھپی، اس لیے تاریخ وفات بھی معلوم نہیں ہوئی۔ ازرہِ کرم مطلع فرمایئے کہ اُن کا انتقال کب ہوا۔ کیا آپ نے ان کے بارے

۴۔ ممتاز حسن (۶ راگست ۱۹۰۷ء۔ ۲۸ راگست ۱۹۷۴ء) نامور عالم، نقاد اور اقبال شناس تھے۔ سیکرٹری مالیات، ڈپٹی چیرمین منصوبہ بندی کمیشن اور مینجنگ ڈائریکٹر نیشنل بنک جیسے اہم عہدوں پر فائز رہے، لیکن ان کی شخصیت کا اہم ترین پہلو علم وادب سے ان کی لگن، اہل علم سے فراخ دلانہ تعاون اور ان کی عزت افزائی تھا۔ وہ خود کئی زبانیں جانتے تھے۔
مطلوبہ فہرست حسن اتفاق سے میرے پاس بہت پہلے سے تیار تھی، جب مَیں نے 'علامہ اقبال اور ممتاز حسن' کے عنوان سے ایک مضمون قومی زبان کراچی اپریل ۱۹۷۵ء میں لکھا تھا، چنانچہ یہ فہرست مَیں نے فی الفور خواجہ صاحب کو بھجوا دی۔ بعد ازاں مذکورہ مجموعہ شان الحق حقی نے مقالاتِ ممتاز حسن کے نام سے مرتب کیا اور ۱۹۹۵ء میں اسے ادارۂ یادگار غالب، کراچی نے شائع کیا۔

میں کبھی کچھ لکھا تھا؟ قومی زبان میں ایک دو مضمون چھاپنے کا ارادہ ہے[۵]۔
خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۔۱۱۔۹۴ء

....

۶۹

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

کراچی کے ہنگاموں کی وجہ سے آپ کا خط خاصی تاخیر سے ملا۔ آپ نے جواب مفصل دیا، بڑی زحمت اُٹھائی، بے حد ممنون ہوں۔ آپ کا مضمون میرے ذہن میں نہیں تھا، عکس دیکھا تو یاد آیا کہ نظر سے گزر چکا ہے۔ غالب لائبریری سے مَیں جو مجموعہ شائع کر رہا ہوں، اس میں صرف وہی مضامین ہوں گے، جو اردو میں لکھے گئے ہیں۔ تراجم شامل نہیں ہوں گے۔ اس مجموعے کا ایک حصہ اقبال سے متعلق مضامین پر مشتمل ہوگا۔ اگر آپ اپنے مضمون پر نظر ثانی کر دیں تو اسے اس حصے میں بطور دیباچہ شامل کر لیا جائے۔ بعد میں آپ اقبالیاتِ ممتاز حسن کو وسیع پیمانے پر مرتب کر دیجیے۔ ڈاکٹر معز الدّین کی کتاب بڑی حد تک ناقص ہے اور یہ موضوع آپ جیسے کسی صاحبِ نظر کا منتظر ہے[۱]۔

مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ ممتاز حسن مرحوم کے قدر دان ہیں۔ مجھے ان سے نیاز مندی کا تعلق تھا۔ بے حد شفیق اور مہربان بزرگ تھے۔ ان کی زندگی کے آخری چند برسوں میں

۵۔ عبداللہ قریشی، مورخ، ادیب اور اقبالیات کے متخصص۔ (م: ۱۲/اگست ۱۹۹۴ء)۔ راقم نے ان سے اقبالیات پر ایک مصاحبہ سیارہ لاہور، مئی جون ۱۹۸۸ء میں شائع کرایا تھا۔ اس کی نقل خواجہ صاحب کو ارسال کر دی۔

(۶۹)

۱۔ اقبال اکادمی پاکستان کے سابق ناظم ڈاکٹر معز الدین صاحب نے "اقبال پر ممتاز حسن کے اردو مضامین کا مجموعہ علامہ اقبال: ممتاز حسن کی نظر میں کے نام سے اکادمی سے ۱۹۸۱ء میں شائع کیا تھا۔ انگریزی مضامین بھی اکادمی سے چھپے: *Tribute to Iqbal*، ۱۹۸۲ء، مگر ممتاز حسن کی متعدد تحریریں مذکورہ مجموعوں میں شامل ہونے سے رہ گئیں۔

ان سے اکثر ملاقاتیں رہتی تھیں۔ جس زمانے میں وہ مولوی عبدالحق کے نام اقبال کے خطوط مرتب کر رہے تھے، اس زمانے میں خاصا وقت ان کے ساتھ گزرا تھا۔ کتاب کے دیباچے میں بھی انھوں نے میرا تذکرہ بڑی شفقت سے کیا ہے۔ مَیں نے اپنی زندگی میں ایسا عظیم انسان نہیں دیکھا۔ ہر شخص کی مدد پر آمادہ رہتے تھے۔ ادیبوں کو تو انھوں نے اتنے فائدے پہنچائے اور ایسے ایسے طریقوں سے کہ آپ سنیں تو حیران ہوں۔ پاکستان کے کئی اہم علمی اداروں کے وہ بانی تھے۔ اور شاید ہی کوئی ادارہ ہو، جس کی انھوں نے مدد نہ کی ہو۔ جب وہ برسرِ اقتدار تھے تو لوگ ان کی خوشامد کرتے تھے، لیکن جب وہ ریٹائر ہو گئے تو لوگ ان سے یوں کنارہ کش ہو گئے، جیسے ان کا وجود اور عدم وجود برابر ہو۔ مرحوم کو اس صورتِ حال کا شدید احساس تھا اور مرنے کے بعد تو انھیں بالکل ہی بھلا دیا گیا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ احمد دین والی کتاب [۲] مَیں نے انھیں کے نام منسوب کی تھی اور حامد عزیز مدنی کا یہ شعر لکھا تھا:

وہ لوگ، جن سے تری بزم میں تھے ہنگامے
گئے تو کیا تری بزمِ خیال سے بھی گئے

شان الحق حقی صاحب کو مرحوم سے دلی عقیدت ہے، انھیں کے اشتراک سے ممتاز صاحب کے مضامین کا مجموعہ شائع کیا جا رہا ہے۔ کچھ مضمون ان کے پاس تھے، کچھ مَیں نے جمع کیے ہیں۔ توقع ہے کہ اگلے سال کے شروع میں یہ مجموعہ چھپ جائے گا۔ کمپوزنگ شروع ہو گئی ہے، اس جمعہ کو ڈیڑھ سو صفحات کمپوز ہو کر آ جائیں گے۔ اس مجموعے میں آپ کے مضمون کی شمولیت سے مرحوم کی روح خوش ہو گی۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو اس مضمون کو پڑھ کر بے حد خوش ہوتے۔

آپ نے مرحوم کے جن مضامین کی نشان دہی کی ہے، ان میں سے بعض میرے پاس ہیں۔ ڈاکٹر معز الدین کی کتاب میں شامل متون پر اعتبار نہیں، اصل مآخذ کو دیکھوں گا۔ اگر کوئی مشکل پیش آئی تو آپ کو زحمت دوں گا۔ [۳]

مرحوم عبداللہ قریشی کے بارے میں کراچی میں تو کسی اخبار تک میں کوئی خبر شائع نہیں ہوئی۔

۲۔ اقبال از احمد دین (مرتب: مشفق خواجہ) انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۷۹ء

۳۔ مَیں نے خواجہ صاحب کو لکھا تھا کہ مَیں بھی ممتاز حسن کا مداح ہوں، حالانکہ کبھی ان سے ملاقات نہیں ہوئی، ایک بار (غالباً ۱۹۶۳ء میں) وہ گورنمنٹ کالج سرگودھا میں منعقدہ یومِ اقبال کے جلسے میں آئے تو دُور سے ان کی ایک جھلک دیکھی اور تقریر سنی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ اقبالیاتِ ممتاز حسن مدوّن کی جائے۔

ان کے بارے میں آپ یا اگر کوئی اور لکھ سکے تو قومی زبان کے صفحات حاضر ہیں۔ آپ نے جو انٹرویو لیا تھا، ایک تازہ تمہید کے ساتھ بھجوا دیجیے۔ تمہید میں ان کے مختصر حالات بھی دے دیجیے[۴]۔

اکرام چغتائی صاحب سے رابطہ ہو گیا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے اسلام آباد میں وہ میرے چھوٹے بھائی کے پاس بیٹھے تھے، بھائی نے فون پر ان سے بات کرا دی۔

فروغ احمد صاحب کے انتقال کا بے حد افسوس ہوا[۵]۔ آٹھ دس سال پہلے وہ کراچی میں علاج کے سلسلے میں آئے تھے تو ان سے ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ پاشا رحمان صاحب کے ہاں ان کا قیام تھا۔ چند روز ہوئے پاشا صاحب آئے تھے تو میں نے ان سے کہا تھا کہ وہ فروغ صاحب پر ایک مضمون لکھ دیں۔ ایک تعارفی مضمون قومی زبان کے لیے آپ بھی کسی سے لکھوا دیجیے۔

مرحوم کا ایک طویل غیر مطبوعہ مقالہ غلام عباس پر میرے پاس ہے۔ یہ تخلیقی ادب کے غلام عباس نمبر کے لیے لکھوایا تھا۔ یہ نمبر ایک عرصے سے 'زیرِ طبع' چلا آ رہا ہے۔

تحسین فراقی صاحب کا کیا حال ہے؟ میں نے ان کے خسر کے انتقال پر تعزیت کا خط لکھا تھا، اس کے بعد ان سے کوئی رابطہ نہیں۔ زاہد منیر عامر کے نئے تقرر سے خوشی ہوئی۔ وہ صحیح جگہ پہنچ گئے۔ خدا بخش جرنل کے تازہ شمارے میں ان کا مضمون دیکھا، بہت اچھا مضمون ہے[۶]۔

اورنگ زیب عالم گیر صاحب کا ایک عرصے سے کوئی خط نہیں آیا۔ ان سے کہیے کہ خط لکھیں۔ پچھلے دنوں سہیل عمر صاحب آئے تھے۔ ایک روز ان سے طویل ملاقات رہی۔

باقی سب خیریت ہے۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ

۲۲-۱۱-۹۴ء

....

۴۔ جیسا کہ خط ۶۸ کے حاشیہ ۵ میں بتایا گیا ہے، راقم نے محمد عبداللہ قریشی کا انٹرویو خواجہ صاحب کو بھجوا دیا تھا، کوئی اور مضمون نہ لکھ سکا۔

۵۔ دیکھیے: خط ۱۸، حاشیہ ۳۔

۶۔ خدا بخش جرنل (شمارہ ۷۸-۸۰) میں زاہد صاحب کا مقالہ دیوانِ میر سوز کا نسخۂ کراچی شائع ہوا تھا۔

۷۰

براد رِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

بہت دن ہوئے، آپ کا خط ملا تھا، جو آپ نے محمد صلاح الدین شہید کے بارے میں میرا کالم پڑھ کر لکھا تھا[۱]۔ چونکہ جواب طلب بات کوئی نہیں تھی، اس لیے مَیں اس انتظار میں رہا کہ اس سے پہلے مَیں نے آپ کو جو جواب طلب خط لکھا تھا، اُس کا جواب آ جائے تو لکھوں گا۔ آپ شاید بھول گئے۔ ایک بات اُس خط میں بہت ضروری تھی کہ ممتاز حسن مرحوم کے بارے میں آپ نے جو مضمون لکھا تھا (بحوالہ اقبالیات)، اُس پر نظرِ ثانی کر کے بھیج دیجیے تو اُسے مرحوم کے زیرِ طبع مجموعۂ مضامین میں شامل کر لیا جائے۔ یہ مجموعہ کمپوز ہو چکا ہے[۲]۔ عید کے بعد طباعت کا کام شروع ہو جائے گا، لہٰذا توجہ فرمایئے۔ اُس خط میں کچھ اور باتیں بھی تھیں، اُسے دیکھ کر جواب لکھیے۔

آپ نے لکھا تھا کہ اقدار میں رشید حسن خاں صاحب کا ایک مضمون کلامِ اقبال کی تدوین کے بارے میں چھپا ہے۔ اسے تلاش کیا، مگر نہ ملا۔ یہ دراصل اُس وقت تک شائع ہی نہیں ہوا تھا۔ آپ کو شاید خاں صاحب نے اس کے طبع ہونے کی پیشگی اطلاع دی تھی۔ اقدار کا تازہ شمارہ آیا تو یہ اس میں موجود تھا، اس کا عکس منسلک ہے۔ اس رسالے پر صرف جلد نمبر اور شمارہ نمبر لکھا ہے، تاریخ اشاعت درج نہیں ہے۔ بہر حال یہ جنوری ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا ہے۔ کسی رسالے پر تاریخ اشاعت درج نہ کرنا، نہایت احمقانہ بات ہے۔ بعض رسالوں والے یہ حرکت اس لیے کرتے ہیں کہ لوگ اُن کے پرانے رسالے کو بھی نیا سمجھ کر خریدتے رہیں[۳]۔

ایک مضمون ناطق گلاؤٹھوی کا بھی بھیج رہا ہوں، جو ماہر القادری کے بارے میں ہے۔ فاروق صاحب کو دے دیجیے گا۔ اُنھوں نے چونکہ ماہر صاحب پر کام کیا ہے، اس لیے اُن کے علم میں ہونا چاہیے کہ ماہر صاحب کے بارے میں ایک ایسا مضمون بھی لکھا گیا تھا۔ فاروق صاحب کا

۱۔ محمد صلاح الدین کی شہادت پر مجھے جو رنج و قلق ہوا، اس کا اظہار مَیں نے خواجہ صاحب کا کالم (تکبیر، ۲۹ رد سمبر ۱۹۹۴ء) پڑھ کر ان کے نام ایک خط میں کیا تھا۔ ان کے کالم کا عنوان تھا:

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اِک جان کا زیاں ہے، سو ایسا زیاں نہیں

۲۔ یہ ذکر ہے: مقالاتِ ممتاز کا۔ مَیں نے اپنا مضمون نظرِ ثانی کے بعد خواجہ صاحب کو بھیج دیا تھا، جو زیرِ طبع مجموعے میں شامل ہوا۔ خط ۶۸ حاشیہ ۴ میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔

۳۔ دیکھیے: خط ۶۵، حاشیہ ۸۔

مقالہ کب تک شائع ہو رہا ہے[۴]؟ ماہر صاحب پر یاد آیا کہ طالب ہاشمی صاحب نے اب تک ماہر صاحب کی کتنی کتابیں شائع کی ہیں[۵]؟ اگر ان کی فہرست مل جائے تو وہ کتابیں مَیں منگوالوں گا، جو میرے پاس نہیں ہیں۔

محمد صلاح الدین صاحب کے بعد تکبیر میں لکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ مَیں نے اپنے اس ارادے سے متعلقہ لوگوں کو مطلع بھی کر دیا تھا، لیکن ایک روز رفیق افغان[۶] اور اصمعی صاحب[۷] آ گئے اور اُنھوں نے یہ سلسلہ جاری رکھنے کے لیے کہا۔ آپ یقین کیجیے کہ مَیں صرف اور صرف صلاح الدین صاحب کے لیے لکھتا تھا۔ اس راہ پر مجھے الطاف حسن قریشی صاحب[۸] نے لگایا اور صلاح الدین صاحب نے اس راہ سے ہٹنے نہ دیا۔ کئی مرتبہ دوسرے اخبارات سے پیش کش ہوئی، مگر مَیں نے انکار کر دیا اور تکبیر میں بلا معاوضہ لکھتا رہا۔ سات سال لکھا اور کوئی معاوضہ نہ لیا۔ صلاح الدین صاحب بار بار کہتے رہے کہ دوبارہ کالم شروع کروں، مگر مَیں معذرت کرتا رہا۔ آخر جب اُنھوں نے یہ کہا کہ مَیں نے حرم شریف میں دعا کی ہے کہ آپ دوبارہ کالم لکھنا شروع کریں تو مَیں لکھنے پر مجبور ہوا (اس کی تفصیل مَیں نے مذکورہ کالم میں لکھی تھی)۔ اب محض ایک روایت نبھا رہا ہوں، ورنہ کالم لکھنے کو جی نہیں چاہتا، بلکہ وقت کے ضائع ہو جانے کا احساس ہوتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اب تو جی چاہتا ہے کہ صرف اپنے نامکمل کاموں کو مکمل کروں یا جو مکمل کام رکھے ہیں، اُنھیں نظرِ ثانی کے بعد چھپوا دوں۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ میرے پاس کلاسیکی شعرا پر تقریباً ڈیڑھ سو

۴۔ میرے عزیز دوست اور ایم اے اردو کے ہم جماعت ڈاکٹر عبدالغنی فاروق (پ: یکم جون ۱۹۴۲ء، سابق صدر شعبۂ اردو، گورنمنٹ سائنس کالج، وحدت روڈ، لاہور) کا متذکرہ ڈاکٹریٹ کا مقالہ: ماہر القادری ...... حیات اور ادبی خدمات اس وقت تک شائع نہ ہوا تھا۔ بعد ازاں ۲۰۰۰ء میں ادارہ معارف اسلامی، لاہور نے شائع کیا۔

۵۔ جناب طالب الہاشمی (پ: ۲۶ر ستمبر ۱۹۲۴ء) معروف ادیب، مورخ اور سیرت و سوانح نگار ہیں۔ سوانح صحابہ و اکابرِ امت پر تخصص رکھتے ہیں۔ انھوں نے ماہر القادری کی تحریروں کے متعدد مجموعے مرتب اور شائع کیے ہیں، مثلاً: ہماری نظر میں (کتابوں پر تبصرے) ادبی معرکے (لسانی اور ادبی مباحث) سیاحت نامۂ ماہر (اسفار کی رُودادیں) یادِ رفتگاں ۲ حصے (شخصیات پر مضامین) اور ذکرِ جمیل (نعتیہ کلام)۔ مَیں نے یہ تفصیل خواجہ صاحب کو لکھ دی تھی اور انھوں نے یہ سب مجموعے جمع کر لیے۔

۶۔ صلاح الدین شہید کے داماد اور ہفتہ وار تکبیر کے مدیر منتظم۔

۷۔ ثروت جمال اصمعی: صحافی اور دانش ور۔ اس زمانے میں تکبیر کی مجلسِ ادارت کے اہم رکن تھے۔

۸۔ الطاف حسن قریشی (پ: ۳ر مارچ ۱۹۳۲ء) معروف ادیب، صحافی، دانش ور اور اردو ڈائجسٹ لاہور کے مدیر ہیں۔

غیر مطبوعہ مضامین رکھے ہیں اور ایک درجن سے زیادہ متون مرتب کیے ہوئے موجود ہیں۔ عادت یہ ہے کہ کام کرتا ہوں اور اُٹھا کے رکھ دیتا۔ اب عمر کی اس منزل میں ہوں کہ اس 'عیاشی' کا متحمل نہیں ہوسکتا، اس لیے غیر مطبوعہ کاموں کو چھپوانے کی فکر میں ہوں۔

آج کل ایک پریشانی اَور بھی ہے کہ میرے کتب خانے کا کیا ہوگا۔ ۵۰، ۶۰ ہزار سے زیادہ کتابیں اور رسالے ہیں اور خطوط کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ پہلے سوچا تھا کہ حکیم محمد سعید صاحب کے بیت الحکمت میں جمع کرا دوں، مگر اُس لائبریری کی حالت نہایت خراب ہے۔ حکیم صاحب کی شہرت طلبی اُنھیں غلط راستوں پر لے جارہی ہے۔ جو کام اُنھیں کرنا چاہیے، اُس کی طرف سے غافل ہیں۔ اُن کی لائبریری میں بڑی تعداد بے کار کتابوں کی ہے۔ ڈھنگ کی کتابیں کم ہیں اور وہ بھی وقت پر نہیں ملتیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ لائبریری کتابوں کا جنگل بن گئی ہے۔ مَیں نے سوچا تھا کہ مجلس ادبیات مشرق، کے نام سے ایک ٹرسٹ بنا کر اپنا کتب خانہ محفوظ کر دوں، مگر کراچی کے حالات نے اس منصوبے پر عمل سے باز رکھا۔

تحسین صاحب کہاں ہیں؟ ایک عرصے سے اُن کا کوئی خط نہیں آیا۔ ملاقات ہو تو میرا سلام کہیے، اور یہ بھی کہ ع بے نیازی حد سے گزری...... امید ہے اورنگ زیب صاحب کا آپ خیال رکھتے ہوں گے۔ یہ آدمی مجھے بہت عزیز ہے اور اتنا اچھا لگتا ہے کہ کبھی اس کی وجہ بھی جاننے کی کوشش نہیں کی۔

خدا کرے، آپ مع متعلقین خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
۱۹-۲-۹۵ء

....

۱۷۰

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

گرامی نامہ ابھی کچھ دیر پہلے ملا، بے حد ممنون ہوں۔ آپ کے پہلے خط کا جواب مَیں نے اُسی دن لکھ دیا اور آپ کے مضمون کا شکریہ ادا کیا تھا کہ اس کی شمولیت سے کتاب کی افادیت میں

اضافہ ہوگا[۱]۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا تھا کہ کاشر اسرارِ خودی کا دیباچہ دستیاب نہیں ہوا۔ معلوم ہوتا ہے، میرا خط آپ کو نہیں ملا۔ از رہِ کرم زحمت فرمائیے اور مذکورہ دیباچے کا عکس بھیج دیجیے[۲]۔ کتاب تیار ہے، آپ کا مضمون بھی کمپوز ہو چکا ہے۔

کالموں کے چھپنے کی اطلاع مجھے بھی کتاب نما سے ملی ہے۔ ابھی تک کتاب میرے پاس نہیں آئی[۳]۔ غالب، سہ ماہی اردو، کلیاتِ یگانہ، مقالاتِ ممتاز اور مہمانوں کی یلغار[۴] کی وجہ سے خطوں کے جواب نہیں لکھ سکا۔ برادرم تحسین فراقی اور اورنگ زیب عالم گیر کو چونکہ عاشقانہ قسم کے خطوط لکھتا ہوں، اس لیے اس کام کی فرصت نہیں ملی۔ ان دونوں کو جلد ہی لکھوں گا۔ میرا اسلام پہنچا دیجیے۔

کراچی کے حالات محلّہ وار خراب اور درست ہوتے رہتے ہیں۔ آج کل ہمارے علاقے میں سکون ہے، ملیر اور فیصل کالونی اور بعض دوسرے علاقے حالتِ جنگ میں ہیں۔

آپ کے دونوں شخصی مضامین پڑھے۔ ان دونوں بزرگوں سے مَیں ناواقف تھا۔ آپ کے مضامین سے ان کے شخصی کمالات کا انداز ہوا۔ شرقی صاحب کے جو شعر آپ نے درج کیے ہیں، نہایت عمدہ ہیں[۵]۔

۱۔ یہ مضمون تھا: 'ممتاز حسن، ایک ممتاز اقبال شناس' جو مقالاتِ ممتاز میں شامل کیا جا رہا تھا۔

۲۔ اسرار خودی کے کشمیری ترجمے کاشر اسرار خودی (غلام احمد نازکل گامی، اقبال اکادمی، کراچی، ۱۹۶۹ء) پر ممتاز حسن نے دیباچہ لکھا تھا، (مرقومہ: یکم جون ۱۹۶۷ء) اُسے مقالاتِ ممتاز میں شامل کرنا مقصود تھا۔ مَیں نے اس کا عکس بھجوا دیا تھا۔

۳۔ خواجہ صاحب کے کالموں کا پہلا مجموعہ خامہ بگوش کے قلم سے سب سے پہلے دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اس کی اشاعت کی خبر ماہنامہ کتاب نما دہلی میں چھپی تھی۔

۴۔ ان دنوں خواجہ صاحب ادارہ یادگارِ غالب کے ادبی مجلّے غالب اور انجمن ترقی اردو پاکستان کے سہ ماہی مجلّے اردو کی مجلس ادارت میں شامل تھے اور اس ذمہ داری کے سبب کچھ وقت ان رسالوں کو دیتے تھے۔ خود وہ کلیاتِ یگانہ مرتب کر رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ مقالاتِ ممتاز کی ترتیب و اشاعت کے لیے بھی وہ کوشاں تھے۔ ان مصروفیات پر مستزاد 'مہمانوں کی یلغار'۔

۵۔ مَیں نے اپنے دو مرحوم بزرگوں کے بارے میں مختصر مضامین شائع کیے تھے۔ ایک عبد العزیز شرقی (م: ۴/مارچ ۱۹۹۵ء) کے بارے میں تھا۔ وہ مولانا مودودی کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔ وطن جالندھر تھا، جماعت اسلامی میں شامل رہے، میرے والد کے ملنے والوں میں سے تھے۔ کئی برس سے مدینہ میں مقیم ہو گئے تھے، وہیں فوت ہوئے۔ ان کا مجموعۂ کلام فیوض الحرمین دو تین بار شائع ہو چکا ہے۔ اس کا غالب حصہ نعتوں پر مشتمل ہے۔ 'آئے قضا مدینے میں' کے عنوان سے ان ....←

عبدالغنی فاروق صاحب کا ذکر بھی ایک مضمون میں ہے۔ آپ نے ماہر مرحوم سے متعلق مضمون کا تراشا انھیں دیا تھا، اس کے شکریے میں خط آیا تھا، حالانکہ اس میں شکریے کی کوئی بات نہیں تھی۔ ماہر صاحب کی لاہور سے کون کون سی کتابیں چھپ چکی ہیں۔ اگر ان کی فہرست مل جائے تو مَیں دیکھوں کہ میرے پاس کون سی کتاب نہیں ہے۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۳-۴-۹۵ء

....

۷۲

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

گرامی نامہ ملا، ممتاز حسن کا دیباچہ ملا، متعدد ناشروں کی فہرستیں ملیں، ان سب کرم فرمائیوں کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ممتاز حسن کے مقالات چالیس سے زیادہ جمع ہو گئے ہیں۔ مزید مقالے بھی نظر میں ہیں، لیکن کام یہیں روک دیا ہے۔ جتنے مقالے جمع ہو گئے ہیں، وہی کافی ہیں۔ باقی مقالے آیندہ کبھی شائع کیے جائیں گے۔ آپ کا مقالہ، اقبالیات کے حصے کے شروع میں ہے، گویا کتاب کے اندر ایک کتاب شامل ہے۔ آپ اپنے مقالے کو اگر کسی رسالے میں چھپوانا چاہتے ہیں تو ضرور چھپوایئے۔ اس سے کتاب پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

ماہر القادری مرحوم کی ان دو کتابوں کی مجھے ضرورت ہے۔ (۱) ہماری نظر میں (۲) ادبی معرکے۔ اگر یہ دونوں وی پی سے مجھے مل جائیں تو کرم ہوگا۔ الحسنات اکیڈمی والوں سے کہہ دیجیے۔[۱]

بقیہ: کے بارے میں میرا ایک مختصر مضمون ہفت روزہ ایشیا، لاہور (۲۴ رمارچ ۱۹۹۵ء) میں شائع ہوا تھا۔ دوسرے بزرگ صابر قرنی (م: ۱۳ رجنوری ۱۹۹۵ء) تھے۔ وہ دینی کتابوں کے ناشر تھے (مکتبہ الحسنات لاہور)۔ بہت متدیّن اور نیک شخص تھے۔ ایک عرصے تک خواتین کا رسالہ عفت مرتب کرتے رہے۔ آخر عمر میں تسہیل کلام پاک میں مصروف تھے۔ ان پر میرا مضمون 'صابر قرنی کی یاد میں' ہفت روزہ ایشیا (۲۴ رجنوری ۱۹۹۵ء) میں شائع ہوا تھا۔

(۷۲)

۱۔ ہماری نظر میں رسالہ فاران میں شائع شدہ ماہر القادری کے تبصرۂ کتب کا مجموعہ ہے اور ادبی معرکے زبان و بیان کے مباحث کا مجموعہ۔ ناشر: مکتبہ الحسنات لاہور۔ دونوں خواجہ صاحب کو بھجوا دی تھیں۔

آپ نے کتابوں کی جو فہرستیں بھیجی ہیں، وہ بہت کام کی ہیں[2]۔ ان سے میری دلچسپی کی کئی کتابوں کا علم ہوا۔ افسوس کہ کراچی میں کوئی ایسی دکان نہیں ہے، جہاں پاکستان کی چھپی ہوئی ہر کتاب موجود ہو۔ لاہور میں کراچی کے مقابلے پر سو گنا زیادہ کتابوں کی دکانیں ہیں، مگر وہاں بھی کوئی ایسی دکان نہیں ہے۔ ۱۹۶۴ء میں گلڈ اور انجمن نے مل کر ایک کتاب گھر بنایا تھا، اُس کا ناظم مَیں تھا۔ اس کتاب گھر کے دروازے پر یہ جملہ لکھا تھا: 'کتاب پاکستان میں کہیں بھی چھپی ہو، کسی بھی زبان میں چھپی ہو، یہاں ملے گی'۔ ایک آدمی کا کام ہی یہی تھا کہ وہ رسالوں اور اخباروں میں تبصرے پڑھ کر ناشروں کو خط لکھے اور ہر کتاب کی کم از کم دو کتابیں کتاب گھر کے لیے منگوائے، مگر خریداروں کی عدم دلچسپی سے یہ کتاب گھر نہ چل سکا۔

جی ہاں، کالموں کا انتخاب مکتبۂ جامعہ، دہلی سے شائع ہو گیا ہے[3]۔ ابھی اس کا میرے پاس ایک ہی نسخہ آیا ہے۔ مزید آئیں گے تو آپ کی خدمت میں بھیجوں گا۔ اُنھوں نے اس کے دو ایڈیشن چھاپے ہیں۔ ایک مجلّد دوسرا غیر مجلّد۔ کتاب صاف ستھری چھپی ہے۔

دائرے ایک عرصے سے شائع نہیں ہوا۔ اس کے دو پرچے تیار رکھے ہیں۔ بس یہ آخری پرچے ہوں گے۔ اس کے مدیر پروفیسر حسنین کاظمی صاحب[4] نے بتایا ہے کہ اس کے بعد پرچہ بند کر دیا جائے گا، کیونکہ مسلسل خسارے میں چلانا ممکن نہیں ہے۔ آج تحسین فراقی صاحب کو اور اورنگ زیب صاحب کو بھی خط لکھوں گا۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲-۵-۹۵ء

....

۲۔ مَیں نے لاہور کے مختلف ناشرین کی فہارسِ کتب جمع کر کے خواجہ صاحب کو بھیجی تھیں۔

۳۔ خامہ بگوش کے قلم سے، مرتب: مظفر علی سیّد، فروری ۱۹۹۵ء۔ دوسرا اڈیشن: کو آپرا بک شاپ، لاہور نے ستمبر ۱۹۹۵ء میں شائع کیا۔ اسی ناشر نے اب تیسرا اڈیشن بھی شائع کر دیا ہے، ۲۰۰۷ء۔

۴۔ پروفیسر حسنین کاظمی (پ: ۱۰ر دسمبر ۱۹۳۰ء) ادیب، صحافی اور براڈ کاسٹر۔ مختلف کالجوں میں درس و تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ کالم نگاری بھی کی۔ دائرے، اب بند ہو چکا ہے۔

۴۷

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ اب کے تو مَیں نے ناشایستگی کی انتہا کر دی۔ خط کا جواب لکھا نہ کتابوں کی قیمت بھیجی، مگر آپ سبک ساران ساحل میں سے ہیں، آپ کو کیا معلوم کہ گردابِ بلا میں کسی پر کیا گزرتی ہے۔ پچھلے ڈیڑھ دو مہینے ایسے گزرے، جیسے کوئی ڈراؤنا خواب۔ ڈاک تو آٹھویں دسویں دن آجاتی تھی، مگر خط پوسٹ کرنا ممکن نہ تھا۔ ڈاک خانہ ایسی جگہ ہے کہ کسی دشمن ہی کو بھیجا جاسکتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب صورت حال کچھ بہتر ہوئی ہے[1]۔

مولانا ماہر القادری مرحوم کی کتابیں مل گئی تھیں۔ ان کی قیمت منی آرڈر سے بھجواؤں گا، کیونکہ چیک کیش کرانا بہت مہنگا ہو گیا ہے۔ بنک والے ڈاک اور کمیشن کے نام پر چالیس روپے کاٹ لیتے ہیں۔ منی آرڈر دو سو روپے کا ہو گا۔ وہ رعایت وضع کر لی ہے، جس کی آپ نے اجازت دی ہے۔ اس عنایت کا بے حد شکریہ۔ سعید اللہ صدیق صاحب[2] سے معذرت کر لیجیے گا کہ کراچی کے حالات کی وجہ سے منی آرڈر بھیجنے میں تاخیر ہوئی۔

ممتاز حسن مرحوم کے مقالات کا مجموعہ پریس بھیجنے کے لیے تیار ہے۔ ۲۷۴ صفحات میں مکمل ہوا ہے۔ چالیس سے زیادہ مضامین اس میں ہیں، مگر ابھی بہت سے ایسے ہیں، جو شامل نہیں کیے جاسکے۔ اقبالیات کا حصّہ آخر میں رکھا ہے، اُس کے شروع میں آپ کا مضمون بطور دیباچہ شامل کیا ہے۔

کالموں کا مجموعہ ہندوستان میں چھپا ہے، مَیں وہ ابھی تک آپ کو نہیں بھیج سکا۔ مجھے اُنھوں نے بھیجا ہی ایک نسخہ تھا۔ اب یہ کتاب یہاں شائع ہو رہی ہے۔ اِن شاء اللہ اس مہینے کے آخر تک چھپ جائے گی تو ارسال خدمت کروں گا۔

آپ کے علم میں ہوگا کہ جراح کی اقبال کی خامیاں بمبئی سے چھپ گئی ہے۔ کالی داس گپتا رضا نے شائع کی ہے[3]۔ اقبال کی پہلی بیوی اور شیخ عطاء اللہ کے خطوط بنام آفتاب اقبال

۱۔ ان دنوں، کراچی میں امن وامان کی صورت حالت بہت خراب تھی۔

۲۔ راقم کی ہدایت پر خواجہ صاحب کو مطلوبہ کتابیں بھجوانے کا اہتمام سعید اللہ صدیق (پ: ۱۹۵۸ء) ناظم: مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور نے کیا تھا۔

۳۔ اس کتاب کا پہلا اڈیشن ۱۹۲۸ء میں لاہور سے 'حضرت جراح' کے نام سے چھپا تھا۔ ←.........

ایک ہی جلد میں زیرِ طبع ہیں۔ بیگم آفتاب اقبال چھپوا رہی ہیں[۴]۔

میرا بھی بہت جی چاہتا ہے کہ کراچی سے نکلوں اور لاہور میں کچھ وقت آپ لوگوں کے ساتھ گزاروں، لیکن بعض کاموں کی وجہ سے فی الحال یہاں سے نکلنا مشکل ہے۔ اِن شاء اللہ دسمبر مَیں لاہور آؤں گا۔

اور بھی بہت سی باتیں لکھنے کی تھیں، لیکن وہ تحسین فراقی صاحب کے خط میں لکھ دی ہیں۔ اب ان کی تکرار کیا کروں، آپ اُن کے نام کا خط اُن سے لے کر پڑھ لیجیے۔

خدا کرے، آپ مع متعلقین خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش

مشفق خواجہ

۶-۹-۹۵ء

....

۷۴

برادرِ مکرم، سلام مسنون

کتابوں کی وصولی کی رسید مل گئی تھی۔ سید امجد الطاف مرحوم سے متعلق مضمون قومی زبان میں اشاعت کے لیے دے دیا ہے[۱]۔ آپ کا 'سرکاری' خط بھی مل گیا تھا؛ بے حد شکریہ، مگر آپ کو تو معلوم ہے کہ زندگی بھر جلسوں وغیرہ سے اجتناب کیا ہے، اب آخری وقت میں مسلمان کیا ہوں گا، اس لیے میری دلی معذرت قبول فرمائیے۔ ویسے دسمبر میں لاہور آؤں گا، آپ سے ملاقات

بقیہ: ۱۹۷۷ء میں مصنف کے فرزند عرش ملسیانی نے اسے دہلی سے مصنف جوش ملسیانی (یکم فروری ۱۸۸۴ء۔ ۲۷ر جنوری ۱۹۷۶ء) کے اصل نام سے شائع کرادیا اور دیباچے میں وضاحت بھی کر دی کہ پہلا اڈیشن میرے والد (جوش ملسیانی) کے قلمی نام 'جراح' سے چھپا تھا۔ مذکورہ تیسرا اڈیشن ۱۹۹۴ء میں ممبئی سے کالی داس گپتا رضا نے شائع کرایا۔ گپتا رضا، جوش ملسیانی کے شاگرد تھے۔

۴۔ بیگم آفتاب اقبال (م: ۲۰۰۴ء) نے چند سال بعد اس سلسلے کی دو کتابیں شائع کیں: علامہ اقبال اور ان کے فرزند اکبر آفتاب اقبال کراچی، ۱۹۹۹ء اور اقبال و آفتاب، کراچی، ۲۰۰۲ء۔

(۷۴)

۱۔ سید امجد الطاف (م: ۷ر جولائی ۱۹۹۵ء) پر میرا مضمون قومی زبان جنوری ۱۹۹۶ء میں شائع ہو گیا تھا۔ مرحوم حلقۂ اربابِ ذوق لاہور کے قدیمی رکن اور اعلیٰ پائے کے ادیب، شاعر اور محقق تھے۔ بوقتِ وفات اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونی ورسٹی کے صدر نشین تھے۔

کے لیے۔

مقالات ممتاز چھپ گئی ہے۔ ادارۂ یادگارِ غالب کی طرف سے آپ کو کتاب کے دس نسخے ملیں گے۔ از رہِ کرم کتاب کا ایک ایک نسخہ ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر تحسین فراقی اور ڈاکٹر اورنگ زیب عالم گیر کو دے دیجیے۔ باقی سات نسخے آپ کے لیے ہیں، ترجمان القرآن اور سیارہ وغیرہ میں تبصرے کرادیجیے۔

آپ نے ستمبر میں لکھا تھا کہ آپ کے نام ایک طویل خط لکھنا چاہتا ہوں، مگر طبیعت کی خرابی کی وجہ سے نہیں لکھ رہا۔ اب تو آپ خدا کے فضل سے پوری طرح صحت یاب ہو چکے ہیں، اس لیے خط کا قرض چکا دیجیے۔

یہاں کے حالات بدستور ہیں۔ ہفتے میں کم از کم دو ہڑتالیں تو ہو جاتی ہیں۔ مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا کہ مَیں خود ہی ۲۵ برس سے ہڑتال پر ہوں، مگر یہ احساس کہ مَیں باہر نہیں نکل سکتا، خاصا تکلیف دہ ہے۔ ہڑتالوں کا بس ایک ہی فائدہ ہے کہ ملاقاتی نہیں آتے۔

پرانے رسالوں میں ماہر القادری سے متعلق کچھ اور تحریریں ملی ہیں، یہ جلد ہی آپ کو بھیجوں گا، فاروق صاحب کے لیے۔ ماہر القادری پر اُن کا مقالہ کب تک شائع ہو رہا ہے[۲]؟

حیدرآباد دکن کے اخبار سیاست میں اقبال سے متعلق دو مضمون نظر آئے تھے، ان کے تراشے بھیج رہا ہوں۔ مولانا وحید الدین خاں کے مضمون کے جواب میں سیاست میں کئی مضامین شائع ہوئے ہیں[۳]۔ افسوس کہ وہ سب دستیاب نہیں ہو سکے۔ ممکن ہے، آپ کے پاس سیاست آتا ہو، ایسی صورت میں سب تحریریں آپ کے پیشِ نظر ہوں گی۔

مقالات ممتاز کی تکمیل کے بعد بھی ممتاز صاحب کے کئی مضامین ملے۔ اُن کے متعدد خطوط بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب نے ممتاز صاحب کے خطوط بنام دوارکا داس شعلہ مرتب کر کے بھجوا دیے ہیں۔ اب یہ چیزیں غالب میں شائع کروں گا[۴] اور موقع

۲۔ یہ ذکر آچکا ہے کہ مذکورہ مقالہ ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا۔

۳۔ علامہ اقبال کے خلاف بھارت کے نامور مصنف اور عالم وحید الدین خاں (پ: ۱۹۲۵ء) کے ایک مضمون کے جواب میں حیدرآباد کے روزنامہ سیاست میں متعدد مضامین شائع ہوئے تھے۔

۴۔ لالا دوارکا داس شعلہ (۱۹۱۰ء۔۱۹۸۳ء) ممتاز حسن کے مخلص ساتھیوں اور دوستوں میں سے تھے۔ ان کے نام ممتاز حسن کے مذکورہ خطوط (مرتب: مختار الدین احمد) خواجہ صاحب نے ہمیں عنایت کیے اور یہ ارمغانِ علمی میں شامل ہیں۔

ملا تو اُن کی تحریروں کا ایک اور مجموعہ شائع کر دیا جائے گا[۵]۔ مرحوم سے میرے بہت قریبی مراسم تھے۔ وہ میرے حال پر بے حد مہربان تھے۔ مَیں نے اپنی زندگی میں جو دو چار بہترین انسان دیکھے ہیں، وہ اُن میں سے ایک تھے، اس لیے میری خواہش ہے کہ اُن کے علمی و ادبی کام محفوظ ہو جائیں۔ مرحوم کے پاس علامہ اقبال سے متعلق نوادر کی پوری ایک الماری تھی۔ علامہ کے ایک سو سے زیادہ خط اُنھوں نے اِدھر اُدھر سے جمع کیے۔ ایما ویگے ناسٹ کے نام سے اصل خط بھی ان میں شامل تھے۔ علامہ کی تمام تصانیف کے کئی کئی دستخطی نسخے تھے۔ چند نادر تصویریں بھی تھیں۔ یہ سب چیزیں ضائع ہو گئیں۔ ہوا یہ کہ وہ جس مکان میں رہتے تھے، اُس پر بنک کا قرض تھا۔ اُن کے انتقال کے بعد مکان کی قرقی عمل میں آئی۔ تمام سامان باہر نکال دیا گیا، جو کئی دن تک باہر پڑا رہا۔ نوادرِ اقبال والی آہنی الماری کوئی چوری کر کے لے گیا۔ اور بھی بہت سے بیش قیمت کاغذات ضائع ہوئے۔ یہ بہت بڑا سانحہ ہے۔

تحسین صاحب اور اورنگ زیب صاحب سے میرا سلام کہیے۔ خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۷۔۱۱۔۹۵ء

....

۷۵

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

یہ خط مجھے بہت پہلے لکھنا چاہیے تھا، لیکن ہوا یہ کہ ۹ کی دوپہر کو جب مَیں اسلام آباد سے

۵۔ راقم کے علم کی حد تک، ممتاز حسن کے مضامین کا 'ایک اور' موعودہ مجموعہ شائع نہیں ہو سکا۔ مذکورہ نوادر کا ضیاع اقبالیات کے بڑے سانحات میں سے ایک ہے اور ہماری بے حسی اور غفلت کی ایک افسوس ناک مثال، لیکن خوش قسمتی سے ایما ویگے ناسٹ کے نام خطوطِ اقبال کی عکسی نقول، جرمن نومسلم اور سفارت کار محمد امان ہربرٹ ہوبوہم، ایک زمانے میں ممتاز حسن مرحوم سے حاصل کر چکے تھے۔ ہوبوہم سے مذکورہ خطوط کی نقول ڈاکٹر سعید اختر درانی نے حاصل کیں۔ اب یہ خطوط اردو ترجمے اور توضیحات کے ساتھ درانی صاحب کی تصنیف اقبال یورپ میں کے دوسرے اڈیشن (فیروز سنز، لاہور ۱۹۹۹ء) میں شامل ہیں۔

کراچی پہنچا تو طبیعت ناساز تھی۔ بخار اور دورے کی تیزابیت سے دوسرے دن نڈھال ہو گیا۔ بیچ میں ایک آدھ دن کے لیے طبیعت بحال ہوئی، مگر پھر وہی حال ہو گیا۔ اب خدا کا شکر ہے کہ گزشتہ دو روز سے بالکل ٹھیک ہوں۔ اس دوران میں صرف ایک کام کیا کہ اورنگ زیب صاحب کو خط لکھا کہ وہ آپ کو اور تحسین صاحب [کو] صورتِ حال سے مطلع کر دیں۔

لاہور میں میرے حال پر آپ کی جو عنایات رہیں، ان کا شکریہ ادا نہیں کروں گا کہ بات رسمی ہو جائے گی۔ لاہور میں میرے لیے آپ ہی جیسے چند مخلص احباب کی وجہ سے کشش ہے اور لاہور آنے کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ کچھ وقت آپ کے ساتھ گزاروں۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کے ساتھ بہت اچھا وقت گزرا۔ آپ نے اپنے ضروری کاموں کو نظر انداز کر کے میرے لیے وقت نکالا۔ آپ کے دولت خانے میں جو محفل منعقد ہوئی، اُس میں بہت سی اچھی باتیں کان میں پڑیں۔

ذرا طبیعت بحال ہو جائے تو کلیات عریاں کے متعلقہ اقتباسات ارسال کروں گا۔

اسلام آباد میں ایک مفید کام یہ ہوا کہ ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب[1] سے ڈاکٹر وحید قریشی کے ارمغان علمی کی بات ہوئی تو اُنھوں نے کہا کہ اس کی اشاعت کا انتظام ادارہ تحقیقات ایران پاکستان کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ مَیں نے کہا: اس سے عمدہ بات کیا ہو سکتی ہے کہ ایک پاکستانی دانش ور کو خراجِ عقیدت پیش کرنے میں ایران بھی شامل ہو جائے۔ میری تجویز یہ ہے کہ آپ ڈاکٹر عارف نوشاہی سے فوراً رابطہ کیجیے۔ مضامین کی فہرست اُنھیں بھیج دیجیے۔ فارسی ادب سے متعلق چند مضامین مزید حاصل کر لیجیے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر وحید قریشی صاحب سے میری بات ہوئی ہے۔ وہ آپ کی رہنمائی کریں گے کہ کس کس سے مضامین لکھوائے جائیں۔ خواجہ عبدالحمید یزدانی[2] تو فوری طور پر لکھ دیں گے۔ آپ کا خط آنے پر مَیں بھی کچھ لوگوں سے مضامین لکھنے کے لیے کہوں گا۔ مقصد یہ ہے کہ اس ارمغان میں کم از کم دس بارہ مضامین فارسی زبان و ادب سے

۱۔ ڈاکٹر عارف نوشاہی (پ: ۲۷ر مارچ ۱۹۵۵ء) معلم، محقق اور کتاب شناس۔ اس زمانے میں وہ مرکزِ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان سے وابستہ تھے۔ مرکز نے ارمغان علمی شائع کرنا منظور کر لیا تھا، لیکن ارمغان کی ترتیب و تدوین میں تاخیر کے سبب ادارہ تحقیقات کی پیش کش سے خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھایا جا سکا، البتہ ادارے نے ابتدا میں اشاعتِ کتاب کے سلسلے میں کچھ رقم ناشر کو ارسال کی تھی۔ نوشاہی صاحب آج کل (۲ر اگست ۲۰۰۷ء) گارڈن کالج، راولپنڈی میں صدر شعبہ فارسی ہیں۔

۲۔ ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید یزدانی: معلم، محقق اور مصنف۔ مدتوں گورنمنٹ کالج، لاہور میں فارسی زبان و ادب کے استاد رہے۔ متعدد کتابوں کے مصنف۔ اقبال کے فارسی کلام کے شارح۔

متعلق ہونے چاہییں، تاکہ مذکورہ ادارے سے ارمغان کی اشاعت کا جواز ثابت ہو سکے۔ میری تجویز یہ بھی ہے کہ ارمغان کی مجلس ادارت میں ڈاکٹر عارف نوشاہی کو بھی شامل کر لیا جائے۔

کراچی واپسی پر بہت سی ڈاک ملی۔ ہندوستان سے بھی متعدد کتابیں آئی ہیں۔ ان میں ڈاکٹر رفیق زکریا کی انگریزی کتاب[۳] (اقبال پر) کا ترجمہ بھی ہے۔ مَیں نے اصل کتاب نہیں دیکھی۔ ہندوستانی نقطۂ نظر سے یہ کتاب اچھی ہے۔ اس میں آپ کے بھی حوالے ملتے ہیں۔ خوشونت سنگھ[۴] کا دیباچہ بہت عمدہ ہے۔ ڈاکٹر سید نعیم احمد کی مرید ہندی[۵] تو آپ کے پاس ہوگی۔ یہ اب ملی ہے۔ یہ بھی ایک اچھی کوشش ہے۔

دوسرا خط عارف حجازی صاحب[۶] کے لیے ہے۔ ازرہِ کرم یہ انھیں دے دیجیے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
۲۳-۱-۹۶ء

....

۷۶

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کے 'قسط وار' خط ملے اور پرسوں بیٹی نے بھی فون پر جواب کے لیے یاددہانی کرائی۔ مَیں دراصل ایک دلچسپ کام میں ایسا محو تھا کہ خط و کتابت کی طرف سے غافل ہو گیا۔ ایک جگہ سے بہت سے پرانے رسالے مل گئے تھے۔ انھیں جلد از جلد واپس کرنا تھا۔ رسالوں کی ورق

۳۔ ڈاکٹر رفیق زکریا (م: ۹/جولائی ۲۰۰۵ء) کی تصنیف Iqbal: The Poet and Politician (دہلی، ۱۹۹۳ء) اس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر عبدالستار دلوی (محقق، نقاد، ادیب، سابق صدر شعبہ اردو، بمبئی یونی ورسٹی) نے کیا ہے: اقبال: شاعر اور سیاست دان، انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی، ۱۹۹۵ء۔

۴۔ خوشونت سنگھ نے علامہ اقبال کی 'شکوہ' اور 'جوابِ شکوہ' کا منظوم انگریزی ترجمہ بھی کیا ہے۔ رفیق زکریا کی اس کتاب کے دیباچے میں انھوں نے کہا ہے کہ ڈاکٹر زکریا نے اقبال کی تفہیم میں ایک شاندار خدمت انجام دی ہے۔

۵۔ مرید ہندی، رومی و اقبال کا تقابلی مطالعہ از ڈاکٹر نعیم الدین احمد، آزاد کتاب گھر، دہلی، ۱۹۹۲ء۔

۶۔ صحیح: ظفر حجازی۔

گردانی اور پھر مطلوبہ مضامین کے عکس بنوانے میں خاصا وقت صرف ہو گیا۔ اب یہ کام ختم ہوا ہے تو معمول کے کاموں کی طرف متوجہ ہوا ہوں۔ نوازش علی صاحب کے انتقال کا بے حد صدمہ ہوا۔ آج سے پانچ سال پہلے، جب وہ ایران سے واپسی پر ڈاکٹر آفتاب اصغر اور ڈاکٹر تحسین فراقی کے ساتھ کراچی آئے تھے تو ایک شام اُن کے ساتھ گزاری تھی۔ وہ تو بالکل نوجوان تھے۔ کیا کسی حادثے میں انتقال ہوا؟ خدا مغفرت فرمائے، وہ ایک نفیس انسان تھے[1]۔

خدا کا شکر ہے کہ ارمغانِ علمی کی اشاعت کا انتظام بالآخر ہو گیا۔ عارف نوشاہی صاحب سے مَیں نے یہ کہا تھا کہ اس کتاب کو وہ اپنے ادارے سے چھپوا دیں۔ خیر یہ بھی غنیمت ہے کہ ایک پبلشر کے اشتراک سے چھپوا رہے ہیں۔ شاد عظیم آبادی (حمید نسیم) چھپ تو چکا ہے مگر یہ کسی کے علم میں نہیں۔ مضمون بہت اچھا ہے، آپ اسے ضرور شامل کریں۔ ایک بات کا بہرحال ہمیں خیال رکھنا ہو گا کہ کوئی بھی مصنف کتاب ۵۔۵، ۶۔۶ سال انتظار نہیں کر سکتا۔ اگر ارمغان میں دو چار مطبوعہ مضامین بھی شامل ہو جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں[2]۔ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی[3] کا مضمون ان کے مجموعے میں شامل ہے۔ اسے آپ خارج کر سکتے ہیں۔ مَیں شاید ہی مضمون لکھ سکوں۔ کوشش کروں گا، اگر کچھ لکھ سکا تو ایک مہینے کے اندر اندر بھیج دوں گا۔ باقی مضامین میں سے علی جواد زیدی اور ڈاکٹر نارنگ اور رشید حسن خاں کے مضامین بھی غالباً چھپ چکے ہیں۔ انھیں فی الحال روک لیجیے۔ اگر مزید مضامین دستیاب نہ ہوں تو پھر انھیں شامل کر لیجیے۔ گوہر نوشاہی صاحب کو مَیں نے کئی بار یاد دہانی کرائی ہے۔ آپ بھی اُنھیں خط لکھ دیجیے، بلکہ بہتر یہ ہو گا کہ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب سے فون کرا لیجیے۔ سائز تو وہی ہو گا، جو ادارہ تحقیقات والے چاہیں گے، لیکن اُن کی کتابیں مروج سائز میں بھی چھپی ہیں، مثلاً: کلیاتِ بیدل۔

کچھ مضامین میرے پاس رکھے ہیں، وہ اگلے چند روز میں تلاش کر کے بھیجوں گا۔ ایک

۱۔ شیخ نوازش علی صاحب اورینٹل کالج، لاہور میں فارسی کے استاد تھے۔ ۶ مارچ ۱۹۹۶ء کو اچانک ان پر حملۂ قلب ہوا اور آناً فاناً وہ انتقال کر گئے ...... ڈاکٹر محمد آفتاب اصغر (پ: یکم مارچ ۱۹۴۰ء) اورینٹل کالج، لاہور میں فارسی زبان و ادب کے استاد اور صدر شعبہ رہے۔ محقق، نقاد، شاعر اور مترجم ہیں۔

۲۔ خواجہ صاحب کی اس رائے کے باوجود ہم نے ارمغانِ علمی میں صرف مطبوعہ مقالات شامل کیے۔ حمید نسیم کا مقالہ مطبوعہ تھا، شامل نہ ہو سکا۔

۳۔ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی (۱۰ جولائی ۱۹۲۹ء۔ ۱۷ فروری ۲۰۰۳ء) ادیب، محقق اور نقاد۔ دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں استاد رہے۔ صدیقی صاحب مولانا ضیا احمد بدایونی (۲۱ ستمبر ۱۸۹۴ء۔ ۸ جولائی ۱۹۷۳ء) کے فرزندِ ارجمند تھے۔

مضمون تو ڈاکٹر مختارالدین احمد کا ہے۔ اُنھوں نے ممتاز حسن کے خطوط بنام دوار کا داس شعلہ مرتب کیے ہیں۔ دوسرا مضمون ڈاکٹر اکبر حیدری کشمیری کا ہے۔ دو چار اور بھی ہوں گے۔ ڈاکٹر حسن عباس، جو ایران سے رام پور منتقل ہو چکے ہیں، وہ ایک مضمون لکھ رہے ہیں۔ اگر آپ فرمائیں تو تین مضمون (ڈاکٹر اسلم فرخی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر حنیف فوق) یہاں سے لکھوائے جا سکتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب سے بھی کہہ سکتا ہوں۔ ایک مضمون آج ہی میری فرمایش پر قاضی قیصر الاسلام[۴] نے ڈاکٹر وحید قریشی کے پتے پر آپ کے لیے بھیجا ہے۔ یہ فلسفے سے متعلق ہے۔ ایک آدھ ایسا مضمون بھی ہونا چاہیے۔

کتاب اقبال کی پہلی بیوی کا نیا ایڈیشن یہاں سے شائع ہو گیا ہے[۵]۔ بیگم آفتاب اقبال نے شائع کیا ہے۔ اس کے شروع میں اُنھوں نے ایوب صابر صاحب کے خلاف نہایت سخت الفاظ میں ایک مضمون لکھا ہے۔ اُن کو 'شیطان' تک کہہ دیا ہے[۶]۔ بیگم آفتاب اقبال سے مَیں نے کہا ہے کہ اس کی چند کاپیاں مجھے دیں۔ مل گئیں تو آپ کے اور تحسین صاحب کے لیے بھیجوں گا۔

رسالہ غالب شائع ہو گیا ہے۔ آپ کے لیے اور دیگر احباب کے لیے بھیجا جا چکا ہے۔ امید ہے، ملا ہو گا۔ ایک روز جاپان سے ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا صاحب[۷] کا فون آیا تھا۔ خیریت سے ہیں۔

۴۔ قاضی قیصر الاسلام (۲۵ر دسمبر ۱۹۳۶ء۔ ۲۸ر جولائی ۱۹۹۹ء) کا مضمون 'ہائیڈیگر کا نظام افکار' ارمغانِ علمی میں شامل ہے۔

۵۔ السید حامد جلالی (۱۹۰۴ء۔ ۱۹۷۳ء) کی تصنیف کا پہلا اڈیشن ۱۹۶۷ء میں کراچی سے چھپا تھا۔ پورا نام: اقبال اور ان کی پہلی بیوی یعنی والدہ آفتاب اقبال۔ اس کا ایک جعلی اڈیشن ۱۹۹۰ء میں دہلی سے علامہ اقبال کی ازدواجی زندگی کے نام سے چھپا۔ ایک اَور جعلی اڈیشن پرنٹ لائن پبلشرز نے لاہور سے شائع کیا ہے (نومبر ۱۹۹۹ء)۔ 'دوسرا ترمیم شدہ اڈیشن' اپریل ۱۹۹۶ء میں مکتبہ دانیال، کراچی سے شائع ہوا۔

۶۔ پورا جملہ ہے: 'یہ انسان کی شکل میں شیطان ہے' (ص ۲۵)۔ دراصل بیگم آفتاب مرحومہ نے اس کتاب میں معترضین کے لیے بہت سوقیانہ زبان استعمال کی ہے، مثلاً: ہماری اس کتاب سے بعض مرتد، بے دین اور دریدہ دہن لوگوں کو بڑی تکلیف پہنچی ہے اور انھوں نے اپنے خبثِ باطن کا اظہار بہت بھونڈے اور چھچھورے انداز میں کیا ہے' (ص ۱۸) ایک جگہ کہا ہے کہ آفتاب اقبال، معترضین کی باتوں کو 'یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ کتے بھونکتے ہیں'، مگر اس سے ماقبل یہ بھی کہا ہے کہ آفتاب اقبال 'اتنے شریف النفس انسان تھے کہ انھوں نے ایسے لوگوں کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا'۔ (ص ۱۰)

۷۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا (ب: ۲۳ر مارچ ۱۹۴۰ء) ادیب، محقق اور نقاد۔ سابق استاد، صدر شعبۂ اردو اور پرنسپل اورینٹل کالج، لاہور اور فیکلٹی ڈین۔ خواجہ صاحب اُن دنوں تدریس اردو کے سلسلے میں جاپان میں مقیم تھے۔ وہ چار برس وہاں ایک ادارے جائیکا سے وابستہ رہے۔

ارمغان میں مضمون نگاروں کے مختصر کوائف بھی ہونے چاہییں۔

آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔ خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا

مشفق خواجہ

۲۳۔۴۔۹۶ء

....

۷۷

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کا گرامی نامہ مورخہ ۱۵ر ستمبر موصول ہوا، اس عنایت کے لیے ممنون ہوں۔ عارف نوشاہی صاحب پچھلے ہفتے کراچی آئے تھے۔ فون پر بات ہوئی تھی، وہ میرے ہاں آنا چاہتے تھے، مگر کسی وجہ سے نہ آسکے۔ ارادہ تھا کہ اُن سے مَیں ارمغان کے بارے میں بات کروں گا۔ اب مَیں اُنھیں خط لکھوں گا۔ کم از کم یہی معلوم کرلوں گا کہ کون کون سے مضامین وہ روکنا چاہتے ہیں۔ کچھ مضامین میرے پاس رکھے ہیں، اگر ضرورت ہوگی تو آپ کو بھجوادوں گا۔ کتاب کا نام ارمغانِ وحید بہت عمدہ ہے۔

عارف صاحب کے خط میں آپ نے اپنی طبیعت کی ناسازی کی جو تفصیل لکھی ہے، اُسے پڑھ کر تشویش ہوئی۔ خدا سے دُعا ہے کہ آپ پوری طرح صحت یاب ہو کر نہ صرف یہ کہ اپنے کام جاری رکھیں، بلکہ صحت کی خرابی کی وجہ سے ماضی میں کاموں کا جو حرج ہوا ہے، اُس کی تلافی بھی کریں، آمین۔

لاہور اس مہینے آنے کا ارادہ تھا، مگر سیلاب اور پھر آنکھوں کی وبا کی وجہ سے ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے میٹنگ اکتوبر تک ملتوی کردی ہے۔ اب اکتوبر میں آپ سے ملاقات ہوگی، اِن شاء اللہ۔

پچھلے دنوں حیدر آباد دکن کے ماہنامہ شباب کے بہت سے پرچے نظر سے گزرے۔ ان میں عطارد کے فرضی نام سے ماہر القادری مرحوم کے بارے میں کچھ مضامین دیکھے اور دو مضامین ان کے جواب میں، ان سب کا عکس بھیج رہا ہوں۔ یہ ڈاکٹر عبدالغنی فاروق صاحب کو دے دیجیے،

اُن کے مطلب کی چیزیں ہیں۔ عجیب اتفاق ہے کہ ادھر مَیں نے ان مضامین کے عکس بنوائے اور اُدھر حیدرآباد دکن سے عطارد کے مضامین کا مجموعہ نقد و نظر کے نام سے موصول ہوا۔ اس سے مصنف کا اصلی نام معلوم ہوگیا جو محمد کریم الدین خان ہے۔ یہ کتاب مصنف کے بھتیجے محمد نور الدین خاں نے مرتب کی ہے اور اُنھوں نے ہی مجھے بھیجی ہے۔ اس کتاب میں ایک مضمون ایسا ہے، جو مجھے دستیاب نہیں ہوا۔ اس کا عکس بعد میں بھیجوں گا۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ یکم اگست کو سیّد سعید احمد صاحب کا انتقال ہوگیا۔ آپ ان سے بہاول پور میں ملے تھے۔ ان کی وفات میری زندگی کا بہت بڑا سانحہ ہے۔ وہ عمر میں مجھ سے بہت چھوٹے تھے۔ مجھ سے اُتنے ہی قریب تھے، جتنا کہ مَیں خود ہوں۔ ایسا بے غرض محبّت کرنے والا، بلکہ مجھ پر جان چھڑکنے والا، اب نہیں ملے گا۔ مَیں بھی اُنھیں اپنے حقیقی بھائی کی طرح چاہتا تھا۔ وہ صرف مجھ سے ملنے کے لیے گرمیوں کی تعطیلات میں کراچی آتے تھے۔ اب کے وہ آئے تو صبح سے شام تک میرے ہاں رہتے تھے۔ رات کو بیوی بچوں کے پاس چلے جاتے تھے۔ ۳۱ر جولائی کو پانچ بجے تک بالکل ٹھیک ٹھاک تھے، دوسرے روز آنے کا وعدہ کر کے ایسے گئے کہ مجھے زندگی بھر کے لیے سوگوار کر گئے۔ اگست کا پورا مہینہ مَیں نے بستر پر گزارا، یہ اس سانحے کا اثر تھا۔ ان کی مغفرت کے لیے دُعا کا خواستگار ہوں[1]۔

اکرام چغتائی صاحب آج کل لندن میں ہیں۔ ان کے دو خط آ چکے ہیں۔ حمزہ فاروقی بھی وہیں ہیں۔ اُن کی شکایت کی ہے کہ وہ وقت ضائع کرنے کے لیے اُن کے پاس آ جاتے ہیں، جبکہ لندن میں ایک ایک لمحہ قیمتی ہوتا ہے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ

۲۰-۹-۹۶ء

....

۱۔ سید سعید احمد (م: یکم اگست ۱۹۹۶ء) بہاول پور کے صادق ایجرٹن کالج میں فارسی کے استاد رہے۔ ادیب، افسانہ نگار اور صحافی ڈاکٹر مشرف احمد (م: ۱۳ر مئی ۲۰۰۳ء) ان کے بھائی تھے۔ بہاول پور کے سفر (دیکھیے: خط ۶۱، حاشیہ ۱) میں راقم کی ان سے پہلی اور آخری ملاقات ہوئی تھی۔ ان کا ذکر خط ۹۷ کے ایک حاشیے میں بھی آئے گا۔

۷۸

براد رِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کو اس خط کے ساتھ میرا ایک اَور خط بھی ملے گا۔ ہوا یہ کہ آپ کے پچھلے خط کا جواب کل لکھا تھا، یہ مَیں آپ کو پوسٹ کرنے ہی والا تھا کہ آج آپ کا ۱۶ر ستمبر کا گرامی نامہ ملا، یاد فرمائی کے لیے ممنون ہوں۔

بزم اقبال[1] اور اقبال اکیڈیمی جیسے اداروں کی فہرستوں کو کتابیات اقبال میں شامل کرنا مناسب نہ ہوگا۔ اوّل تو یہ تجارتی نوعیت کی چیزیں ہیں، دوسرے ان سے کوئی علمی فائدہ نہ ہوگا کہ ان فہرستوں میں شامل تمام کتابیں خود کتابیات اقبال میں شامل ہیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس قسم کی فہرستیں ان اداروں نے تقریباً ہر سال شائع کی ہیں اور ہر فہرست پچھلے سال کی فہرست سے مختلف ہے۔ ایسی صورت میں آپ کو تمام فہرستوں کا اندراج کرنا ہوگا، جو ایک بے فائدہ بات ہوگی۔ اقبال کی زندگی میں اقبال کی کتابوں کے جو اشتہارات شائع ہوتے رہے ہیں، وہ تو کسی نہ کسی تحقیقی مقصد کو پورا کر سکتے ہیں، لیکن اقبالیات کے متعلق تجارتی نوعیت کی فہرستوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اس لیے میری رائے یہ ہے کہ آپ ان فہرستوں کو نظر انداز کر دیں۔

عالم گیر نومبر ۱۹۳۷ء میں ماہر القادری کے کچھ 'نثر پارے' چھپے تھے۔ ان کا عکس بھی بھیج رہا ہوں، یہ فاروق صاحب کو دے دیجیے۔

عارف حجازی صاحب[2] کا کیا حال ہے؟ اُنھوں نے لاہور میں ازرہِ کرم مجھے کلیاتِ ماہر عنایت کی تھی۔ مَیں چاہتا ہوں کہ اُن کی دلچسپی کی کچھ کتابیں اُنھیں پیش کر دوں، تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ مَیں اُن کی عنایت کو بھول گیا۔ ازرہِ کرم مطلع فرمائیے کہ وہ کس قسم کی کتابیں پسند کرتے ہیں۔ ویسے اُن کی گفتگو سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی پسندیدہ کتاب بہشتی زیور کے مردانہ حصے بہشتی گوہر کے علاوہ کوئی اَور نہیں ہو سکتی۔ اس سلسلے میں آپ کے جواب کا منتظر رہوں گا۔ مَیں چاہتا ہوں کہ اکتوبر میں لاہور آنے سے پہلے ایک دو کتابیں اُنھیں بھیج دوں۔

۱۔ راقم کا خیال تھا کہ اقبالیات کے بارے میں جو کتاب، کتابچہ یا فولڈر کچھ نہ کچھ معلومات فراہم کرتا ہو، اس کا حوالہ کتابیات اقبال میں شامل کر لیا جائے۔ اس ضمن میں، راقم نے اقبالیاتی فہارسِ کتب کے بارے میں خواجہ صاحب سے رائے طلب کی تھی، یہ وضاحت اسی سلسلے میں ہے۔

۲۔ صحیح: ظفر حجازی، دیکھیے: خط ۵۴، حاشیہ ۲۔

یہ مہینہ تو مہمانوں کی نذر ہو گیا۔ تبسم کاشمیری، سہیل عمر، ڈاکٹر محمد سلیم اختر (ایران)، مظفر علی سید اور انتظار حسین آئے۔ ایک ایک دن ان کے ساتھ گزارا۔ بہت سی نئی باتیں معلوم ہوئیں۔ تبسم کاشمیری صاحب کا توکل اوساکا سے فون بھی آیا تھا۔ یہ اردو ادب کی تاریخ لکھ رہے ہیں، جو بیک وقت اردو، انگریزی اور جاپانی زبانوں میں شائع ہوگی[۳]۔

اب آپ میرے دونوں خط سامنے رکھ کر جواب لکھیے، مگر اگلے برس نہیں، اسی سال اور اسی مہینے۔

آپ کا
مشفق خواجہ

۳۱۔۹۔۹۶ء

آپ کے نام رشید حسن خاں صاحب کا خط آیا ہے، وہ منسلک ہے۔

....

۷۹

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کا مکتوب مورخہ ۹ر اکتوبر ملا، ممنون ہوں۔

اب خدا کا شکر ہے کہ مَیں خیریت سے ہوں۔ اس مہینے کے آخر میں لاہور کا پروگرام ہے۔ مَیں بہاول پور ہوتا ہوا لاہور پہنچوں گا۔ بہاول پور میں سید سعید احمد مرحوم[۱] کے اہل خانہ سے تعزیت کے لیے جانا ہے۔

آپ یہاں ایک دن کے لیے کیوں آئیں، بہت سے دنوں کے لیے آیئے[۲]۔ جب کوئی

۳۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری (پ: ۲۹ر جنوری ۱۹۴۰ء) کی اردو ادب کی تاریخ اردو میں سنگِ میل، لاہور سے ۲۰۰۳ء میں چھپی۔ انگریزی اور جاپانی زبانوں میں اس کی اشاعت کا علم نہیں۔ تبسم صاحب ۱۹۶۸ء سے ۱۹۸۱ء تک شعبۂ اردو، اورینٹل کالج، لاہور سے بطور استاد وابستہ رہے۔ بعدازاں جاپان کی اوساکا یونی ورسٹی آف فارن سٹڈیز سے بطور استاد اردو منسلک ہو گئے۔ اوائل ۲۰۰۵ء میں وہاں سے سبک دوش ہونے کے بعد اب لاہور میں مقیم ہیں۔

(۷۹)

۱۔ خواجہ صاحب بعدازاں بہاول پور گئے تھے۔ اورنگ زیب صاحب کا بیان ہے کہ وہ سعید احمد مرحوم کی قبر پر گئے اور تادیر وہاں موجود رہے۔ فاتحہ خوانی بھی کی۔

۲۔ کراچی جانے کا یہ عزم روبعمل نہ آسکا۔

میرے ہاں بطور مہمان مقیم ہوتا ہے تو مَیں اپنے دل کو اس خیال سے شرمندہ ہونے سے بچا لیتا ہوں کہ مہمان عزیز کو یہاں قیام سے جو تکلیف ہوں گی، وہ بہر حال اُن تکالیف سے کم ہوں گی، جو اُس کو اپنے گھر میں درپیش رہتی ہیں۔ گھر میں ہزار طرح کی پریشانیاں ہوتی ہیں، مگر میرے گھر میں کتابوں کے سوا کچھ ہے ہی نہیں تو پھر پریشانی کیا۔ چند ماہ قبل اورنگ زیب صاحب ایک رات کے لیے تشریف لائے تھے۔ اُن کا قیام و طعام ہی نہیں، شب گزاری بھی ایک صوفے پر ہوئی۔ ایک مرتبہ اقبال مجددی صاحب[۳] رات بھر کے لیے مہمان ہوئے تو لپٹے ہوئے بستر کو کھولنے کی نوبت ہی نہ آئی کہ وہ رات بھر کتابوں کی الماریوں کے پاس کھڑے کتابوں کی گرد جھاڑتے رہے۔

مَیں لاہور آؤں گا تو بہت سا وقت آپ کے ساتھ گزاروں گا۔ کتابیات اقبال کیا، آپ چاہیں تو اقبال اکیڈمی کے معاملات میں بھی مشورہ کر سکتے ہیں[۴]۔ مشورہ دینے پر گرہ سے جاتا ہی کیا ہے۔ مرزا ظفر الحسن مرحوم (غالب لائبریری والے) کو جب کوئی لائبریری کے سلسلے میں مشورہ دیتا تھا تو وہ کہتے تھے، مشوروں کی تو میرے پاس کئی الماریاں بھری رکھی ہیں، آپ کوئی عملی مدد کیجیے، اپنے مشورے اپنے پاس ہی رکھیے۔

مَیں مکتبہ اسلوب کی فہرست بھیج رہا ہوں، ظفر حجازی صاحب سے کہیے کہ اس فہرست میں اُن کی پسند کی جو کتابیں ہیں، اُن پر نشان لگا دیں۔ یہ کتابیں اُن کی خدمت میں بھیج دی جائیں گی۔ آپ بھی اپنی پسند کی کتابوں کو نشان زد کر دیجیے۔

ارمغان وحید کے سلسلے میں عارف نوشاہی صاحب کا خط آیا تھا۔ اس کا مَیں نے جو جواب لکھا ہے، اس کی نقل منسلک ہے[۵]۔ اُنھیں تین نئے مضامین بھجوا دیے ہیں۔ پروف ریڈنگ کے سلسلے میں محمد عالم مختار حق صاحب[۶] سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتا، اُنھیں سے پروف پڑھوائیے۔ یہ کام اُنھیں دیتے وقت بتا دیجیے کہ میری خواہش ہے کہ یہ کام وہی کریں۔

۳۔ پروفیسر اقبال مجددی (پ: ۹ر ستمبر ۱۹۵۰ء) محقق، مترجم۔ اسلامیہ کالج، سول لائنز، لاہور میں تاریخ کے استاد ہیں۔

۴۔ راقم کی تالیف کتابیاتِ اقبال (اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع اول ۱۹۷۷ء) کا نیا اڈیشن زیر ترتیب تھا، اس ضمن میں خواجہ صاحب سے بعض امور پر مشورہ مطلوب تھا۔

۵۔ یہ خط اسی کتاب کے ضمیمے میں شامل ہے۔

۶۔ جناب محمد عالم مختار حق (پ: ۴ر مارچ ۱۹۳۱ء) لاہور کے معروف اہل قلم، مصنف و محقق اور کتاب شناس ہیں۔ خواجہ صاحب کی فرمائش پر بعض اوقات وہ ان کے لیے پروف خوانی کی خدمت بھی انجام دیا کرتے تھے۔ ان کے نام خواجہ صاحب کے ۲۷۶ خطوں کا مجموعہ مشفق نامے کے نام سے مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور سے ۲۰۰۶ء میں شائع ہو چکا ہے۔

اچھا اب اجازت دیجیے۔
خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
۱۷-۱۰-۹۶ء

....

۸۰

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کا گرامی نامہ ملا، ممنون ہوں۔

لاہور میں آپ کے ساتھ جتنا وقت بھی گزرا، بہت خوش گوار تھا، البتہ اس کی شرمندگی ہے کہ مَیں بیٹی کی شادی میں شریک نہیں ہو سکا۔ مَیں اُس وقت جہاز میں تھا، لیکن روحانی طور پر تقریب میں شریک تھا۔ اس طرح بیٹی میری دعاؤں کے سائے میں رخصت ہوئی۔ خدا کرے، اُس کی زندگی کا نیا دور اُس کے لیے اور تمام متعلقین کے لیے خیر و برکت کا باعث ہو[۱]۔

ارمغان کی رفتار طباعت خاصی سست ہے۔ مَیں نے تحسین صاحب اور اورنگ زیب صاحب کو خط لکھ دیے ہیں کہ اس کام پر خصوصی توجہ کریں، مگر مجھے تو ایسا نظر آ رہا ہے کہ یہ سارا کام آپ ہی کو کرنا ہو گا۔ آپ عبدالغنی فاروق صاحب سے بھی تو مدد لے سکتے ہیں۔ اس پر یاد آیا کہ مَیں نے اُن کے مقالے کی اشاعت کی بات ڈاکٹر وحید قریشی اور پروفیسر اسلم صاحب سے کر لی تھی اور فاروق صاحب کو بتا بھی دیا تھا۔ اُمید ہے، اُنھوں نے پروفیسر صاحب کو مسودہ دے دیا ہو گا[۲]۔

رالف رسل کا کتابچہ آپ کو دفتر انجمن سے براہِ راست ملے گا، بلکہ اب تک یہ مل چکا

۱۔ میری بڑی بیٹی زبیدہ جبیں کا عقد عزیزی محمد ایوب منیر (پ: ۱۸؍جولائی ۱۹۶۵ء) لیکچرر انگریزی، اسلامیہ کالج، لاہور کینٹ سے ہو چکا تھا۔ اس روز، اس کی رخصتی کی تقریب تھی، جس میں خواجہ صاحب بھی مدعو تھے، مگر وہ اُسی روز کراچی لوٹ رہے تھے، اس لیے شریک نہ ہو سکے۔ خواجہ صاحب نے لاہور کا یہ سفر (۱۶-۲۸؍نومبر ۱۹۹۶ء) اقبال اوارڈ کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کے لیے کیا تھا۔

۲۔ فاروق صاحب اپنا تحقیقی مقالہ ماہر القادری: حیات اور خدمات، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور سے چھپوانے کے لیے کوشاں رہے، مگر وہاں بات نہ بنی تو اسے ادارہ معارف اسلامی، لاہور نے شائع کر دیا۔

ہوگا[۳]۔ ایک سے زاید نسخے ہوں گے۔ احباب میں تقسیم کر دیجیے گا۔ جاڑے کی چاندنی کے میرے پاس دو تین نسخے زاید ہیں، یہ آپ کو بھجوا دوں گا؛ مگر چند روز بعد، جب رفاقت علی شاہد کراچی آئیں گے تو ان کی مدد سے تلاش کروں گا۔ کتابوں کا ایک انبار ہے، جس میں یہ نسخے دفن ہیں۔

گوہر نوشاہی صاحب کو خط لکھ رہا ہوں۔ ویسے چند روز قبل اُن سے فون پر بات کر چکا ہوں۔ اُنھوں نے وعدہ کیا ہے کہ چند روز میں وہ اپنا مضمون بھیج دیں گے۔ ڈاکٹر صاحب سے 'کتابیات' تو حاصل کر لیجیے۔ اُنھوں نے اسے اَپ ٹو ڈیٹ کر دیا ہے[۴]۔

عارف نوشاہی صاحب کو سرورق بھیج رہا ہوں۔ کیا اس کی کتابت وہی کرائیں گے؟ مَیں نے عارف نوشاہی صاحب کو لکھا ہے کہ سرورق پر مجلس ادبیاتِ مشرق کا نام ضرور ہونا چاہیے۔ مرکز تحقیقات کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔ مجلس ادبیاتِ مشرق کے تحت ساری خط و کتابت ہوئی تھی، اس لیے اس کا نام ضروری ہے۔ مجلسِ مشاورت کے نام بھی ایک صفحے پر الگ شائع ہونے چاہییں۔ مجھے یاد نہیں، ڈاکٹر اکبر حیدری کشمیری کا کوئی مضمون ارمغان کے لیے منتخب کیا گیا ہے یا نہیں۔ اُن کا ایک نیا مضمون برائے اشاعت موصول ہوا ہے، جو سرسید کے دو مخالف اخباروں نور الآفاق اور نور الانوار کے بارے میں ہے۔ کتاب کے ۱۵، ۲۰ صفحات میں آ جائے گا۔ اگر اس کی گنجایش ہو تو بھیج دوں گا[۵]۔ کتاب اگر فروری میں نہیں چھپ سکتی تو نہ سہی، مارچ، اپریل میں سہی، ایک دو مہینے کی تاخیر سے کیا فرق پڑے گا۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ

۱۱-۱۲-۹۶ء

....

۳۔ علامہ اقبال پر رالف رسل (پ: ۱۹۱۸ء) کا کتابچہ اقبال اور ان کا پیغام کے عنوان سے انجمن ترقی اُردو پاکستان نے ۱۹۹۶ء میں شائع کیا تھا۔ یہ ان کا 'بابائے اردو یادگاری خطبہ ۱۹۹۴ء' تھا۔ رسل سکول آف افریقین اینڈ اورینٹل سٹڈیز میں اُردو کے استاد رہے ہیں۔

۴۔ کتابیاتِ وحید [قریشی] مراد ہے۔ بعد ازاں رفاقت علی شاہد نے اس میں اضافے کیے اور یہ ارمغانِ علمی میں شامل ہوئی۔

۵۔ افسوس ہے کہ ارمغان علمی میں ڈاکٹر اکبر حیدری کشمیری کا کوئی مقالہ شامل نہ ہو سکا۔

81

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کا خط مل گیا تھا۔ جواب میں تاخیر کا سبب یہ ہے کہ اِدھر میری اور آمنہ کی طبیعت خراب رہی۔ سوائے پڑھنے کے کسی کام میں دل نہ لگا۔ کالم بھی طوعاً و کرہاً لکھا۔ ایک آدھ ناغہ بھی کیا۔ اب قدرے بہتر ہوں۔

جاڑے کی چاندنی[1] کا ایک نسخہ مَیں نے عزیزی رفاقت علی شاہد کو دے دیا تھا۔ وہ آپ کو پیش کر دیں گے۔ میرے پاس مکرر رسالے خاصی تعداد میں تھے، وہ بھی مَیں نے اُنھیں دے دیے کہ دوستوں میں تقسیم کر دیں۔ ممکن ہے، ان میں آپ کے کام کے بھی کچھ رسالے ہوں۔ ایک آدھ کتاب بھی دی تھی۔ ڈاکٹر آفتاب احمد[2] کا خطبہ بابائے اُردو جو میر، غالب اور اقبال کے بارے میں تھا، وہ بھی دیا تھا۔ رفاقت صاحب میرے ہاں ۴۶ دن رہے۔ اُنھوں نے اپنے موضوعِ تحقیق (گلدستے) کے بارے میں بہت سا مواد حاصل کیا۔ تقریباً دس ہزار صفحے فوٹو اسٹیٹ کرائے[3]۔ یہ بہت باصلاحیت نوجوان ہے، آپ لوگوں کی رہنمائی میں اِن شاء اللہ نام پیدا کرے گا۔ اس عزیز نے یہ کام بھی کیا کہ میرے کتب خانے کا ایک حصّہ، جو غیر مرتب حالت میں تھا، اُسے مرتب کر دیا۔

گوہر نوشاہی صاحب کو مسلسل یاددہانی کرا رہا ہوں۔ یہ گوہرِ کانِ تحقیق کچھ ضرورت سے

۱۔ معروف افسانہ نگار غلام عباس کے افسانوں کا مجموعہ۔

۲۔ ڈاکٹر آفتاب احمد خاں (م: ۲۵ راگست ۲۰۰۵ء) ادیب، نقاد اور غالب شناس۔ انھوں نے مذکورہ خطبہ ۱۹ ردسمبر ۱۹۹۶ء کو نیپا کراچی کی سماعت گاہ میں بابائے اردو مولوی عبدالحق یادگاری لیکچروں کے سلسلے میں دیا تھا۔ اب یہ خطبہ میر، غالب اور اقبال کے عنوان سے شائع ہو گیا ہے۔ (دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء) مصنف کی دیگر تصانیف غالب آشفتہ نوا، فیض احمد فیض، ن م راشد، محمد حسن عسکری، اشارات، بیاد صحبتِ نازک خیالاں۔ مؤخرالذکر شخصی خاکوں کا انتہائی دلچسپ مجموعہ ہے۔

۳۔ رفاقت علی شاہد نے یہ لوازمہ اپنے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالے کے سلسلے میں جمع کیا تھا۔ ان کا پی ایچ ڈی کا عنوان تھا: انیسویں صدی میں اردو گل دستے...... تاریخ و تحقیق۔ ڈاکٹریٹ کی سند ۲۳ رمارچ ۲۰۰۷ء کو جاری ہوئی۔ ڈاکٹر رفاقت علی شاہد ان دنوں (ستمبر ۲۰۰۷ء) مجلس ترقی ادب، لاہور کے مدیر کتب اور مجلس کے علمی مجلے صحیفہ کی مجلس ادارت کے رُکن ہیں۔

زیادہ ہی دنیادار ہے۔ ڈاکٹر صاحب چونکہ اب مقتدرہ کے سربراہ نہیں ہیں، اس لیے اُن پر لکھنا اُن کی ترجیحات میں شامل نہیں ہے۔ بہر حال مَیں نے اُنھیں دھمکی دی ہے کہ ڈاکٹر صاحب دوبارہ مقتدرہ کے سربراہ بن رہے ہیں، اس لیے جلدی سے اپنا وعدہ پورا کر دیجیے، ورنہ نتائج کے آپ خود ذمہ دار ہوں گے۔ عارف نوشاہی بھی اُنھیں یاددہانی کراتے رہتے ہیں۔ اُن سے بھی میرا رابطہ ہے۔

ارمغان کا کام نہایت سست رفتاری سے چل رہا ہے۔ ذرا مرکب کار کو مہمیز کیجیے اور راکبوں کے جسدِ خاکی میں بھی تازہ روح پھونکیے۔ عارف نوشاہی بھی سست رفتاری کے شاکی ہیں۔ ڈاکٹر قریشی صاحب نے کتابیات آپ کے حوالے کر دی تھی، اُمید ہے کمپوز ہو گئی ہو گی۔ ڈاکٹر اکبر حیدری کا مضمون ارمغان میں ضرور شامل ہونا چاہیے کہ مَیں اُن سے تازہ بتازہ مضامین منگواتا رہا ہوں، مگر تاخیر کی وجہ سے وہ دوسری جگہوں پر چھپتے رہتے ہیں، اب اُنھوں نے ایک نہایت عمدہ مضمون وکیل امرتسر پر بھیجا ہے۔ ایسا مضمون اس اخبار کے بارے میں نہیں لکھا گیا۔ اس میں اقبال اور بعض دیگر مشاہیر کے بارے میں نادر معلومات ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ارمغان میں کوئی مضمون عارف نوشاہی اور تحسین فراقی صاحبان کی مرضی کے بغیر شامل نہیں ہو سکتا۔ ان حضرات کی مرضی کے مطابق آپ نے اور کون سے کام کیے ہیں، جواب یہ تکلف فرمانے کا ارادہ ہے۔ اجی حضرت! ان دونوں کے علم و اطلاع کے بغیر ہی سب کچھ کیجیے۔ اس کا اختیار مَیں آپ کو دیتا ہوں کہ مَیں آپ سب سے عمر میں بڑا ہوں۔ جو لوگ پروف پڑھنے میں برسوں لگا دیں، وہ رائے دینے میں صدیاں صرف کر سکتے ہیں۔ یہ مضمون آپ پڑھیں گے تو خوش ہو جائیں گے۔ اپنی اس خوشی کو دیرپا بنانے کے لیے اس مضمون کو ارمغان میں ضرور شامل کریں[۴]۔

نقوش میں آپ کا سفرنامہ تو مَیں نے لاہور ہی میں پڑھ لیا تھا کہ یہ رسالہ مجھے وہیں ملا تھا۔ یہ مکرر خواندگی تھی کہ پہلے مسودہ میری نظر سے گزر چکا تھا۔ یہ بہت دلچسپ اور معلوماتی سفرنامہ ہے، بس ایک ہی کمی ہے کہ 'معاملاتِ دل و نظر' کا بیان نہیں اور ظاہر ہے کہ متشرع حضرات کے پاس دل تو ہوتا نہیں، نظر ہوتی ہے، سو وہ دائیں بائیں دیکھنے کی تاب نہیں رکھتی۔ اور پھر آپ کے جو ہم سفر تھے، وہ آپ سے بھی زیادہ خستۂ تیغ طہارت تھے۔ بہر حال یہ سفرنامہ جلد از جلد کتابی صورت میں چھپنا چاہیے[۵]۔

۴۔ کسی سبب سے یہ مضمون ارمغانِ علمی میں شامل نہ ہو سکا۔

۵۔ یہ سفرنامہ پوشیدہ تری خاک میں کے نام سے ۲۰۰۲ء میں دارالتذکیر، لاہور سے شائع ہو گیا تھا۔

[ارمغان علمی] کے آخری پروف تو آپ لوگوں کو خود ہی پڑھنے چاہییں۔

رشید حسن خاں صاحب کا ایک خط آپ کے نام آیا ہے، وہ بھیج رہا ہوں۔

لاہور میں آپ سے طے ہوا تھا کہ مَیں، آپ، ڈاکٹر فراقی اور ڈاکٹر اورنگ زیب صاحب، جھنڈیر کی لائبریری دیکھنے چلیں گے۔ آپ تینوں مل کر طے کر لیجیے کہ کب آپ ایک ہفتے کا وقت اس کام کے لیے نکال سکیں گے۔ اس لائبریری کو دیکھنے سے ہم سب کو فائدہ پہنچے گا۔ ایسی شاندار لائبریری شاید ہی کسی فرد کی ملکیت ہو۔ اچھا، اب اجازت دیجیے۔

آپ کی صحت و سلامتی اور شادمانی کے لیے دُعا کرتا ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
۲۵۔۲۔۹۷ء

....

۸۲

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

ڈاکٹر محمد ریاض پر[1] آپ کا مضمون ملا۔ بغیر پڑھے قومی زبان کے لیے بھیج رہا ہوں۔ چھپ جائے تو پڑھوں گا۔

خطوں کے جواب دینے میں آپ حضرتِ تحسین فراقی کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ اُنھیں تو خیر سات گناہ معاف ہیں کہ جوانی دیوانی کے دور سے گزر رہے ہیں، آپ تو ماشاء اللہ گناہوں کے ایسے شائق بھی نہیں ہیں، پھر خطوں کے جواب میں تساہل سے کام کیوں لیتے ہیں۔ ۲۵ رفروری کے خط کی رسید آپ نے مہینے بھر بعد بھیجی ہے، جواب شاید اکیسویں صدی کے آغاز میں ملے گا۔ اچھا ہے کہ مَیں اکیسویں صدی میں خالی ہاتھ داخل نہ ہوں گا، آپ کا جواب میرے ہاتھ میں ہوگا۔ مانا کہ آپ بہت مصروف ہیں، لیکن ایسی مصروفیت کس کام کی، جس کا نتیجہ چاہنے والوں کے حق میں بُرا ہو۔

۱۔ معروف اقبال شناس اور سابق صدر شعبۂ اقبالیات، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد، ڈاکٹر محمد ریاض (م: ۱۹۹۴ء) پر راقم کا یہ مضمون بہ عنوان 'ڈاکٹر محمد ریاض: ایک ہمہ جہت اقبال شناس' قومی زبان کراچی کے شمارہ مئی ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا۔

ڈاکٹر وحید قریشی کا ارمغان اب اُن کے سوویں یوم پیدائش پر چھپتا نظر آتا ہے۔ اگر ایسا بھی ہو تو مَیں سمجھوں گا کہ کام وقت سے پہلے انجام پا گیا۔

خدا آپ کو خوش و خرم اور صحت مند رکھے۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۲۔۳۔۹۷ء

....

۸۳

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کا گرامی نامہ مورخہ ۲؍اپریل ملا۔ پچھلا دو سطری خط آپ نے اس وقت لکھا تھا، جب آپ لاہور سے باہر جا رہے تھے۔ آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ واپس آ کر مفصل خط لکھوں گا۔ تازہ خط تو پچھلے خط سے بھی مختصر ہے۔ وہ مفصل خط آپ کب لکھیں گے؟ شاید ہندوستان سے واپس آ کر کہ اس وقت لکھنے کے لیے آپ کے پاس لوازمہ بھی ہوگا۔ ہندوستان جانے کی اطلاع دل خوش کن ہے[1]۔ ہمارا تہذیبی و ثقافتی ماضی وہیں ہے اور اس ماضی سے ہمیں گاہے گاہے تعلق رکھنا چاہیے۔ ہندوستان جانے کو میرا بھی دل بہت چاہتا ہے، مگر خود ساختہ زنجیریں وسعتِ زنجیر سے باہر نکلنے نہیں دیتیں[2]۔

آپ نے لکھا ہے کہ ارمغان ۳،۴ ماہ میں تیار ہو جائے گا۔ تحسین فراقی صاحب نے ایک دو ماہ کا مژدہ سنایا ہے۔ وہ شاید ارمغان کو بھی غزل سمجھتے ہیں، جو ایک دو ماہ میں تیار ہو جائے گی۔ آپ کا موقف درست ہے، ارمغان کی تیاری میں کم از کم اتنا وقت ضرور صرف ہونا چاہیے، جتنا داستان امیر حمزہ کے لکھنے میں صرف ہوا تھا۔

مَیں نے آپ لوگوں ہی کی خاطر جھنڈیر کا پروگرام بنایا تھا، آپ ساتھ نہیں ہوں گے تو کیا

۱۔ راقم کو پروفیسر تحسین فراقی اور پروفیسر محمد ایوب صابر کی رفاقت میں جون ۱۹۹۷ء میں بھارت کا سفر درپیش ہوا تھا، بسلسلہ علامہ اقبال سیمی نار، اہتمام شعبہ اردو، دہلی یونی ورسٹی۔ تفصیل دیکھیے: 'دہلی میں اقبال سیمی نار' (رسالہ اقبالیات لاہور، جولائی ۱۹۹۷ء)

۲۔ اس سے پہلے خواجہ صاحب ۱۹۸۵ء میں بھارت جا چکے تھے۔

مزہ، لہٰذا مَیں نے بھی وہاں جانے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ آیندہ کبھی ارادہ ہوا تو وہاں کسی سے محفل کے انعقاد کا انتظام کروں گا، تاکہ آپ اور فراقی صاحب سرکاری حیثیت میں شرکت کر سکیں۔

رفاقت علی شاہد صاحب کے ہاتھ مَیں نے جاڑے کی چاندنی بھجوادی تھی۔ چند دیگر کتب ورسائل بھی بھیجے تھے۔ کیا یہ چیزیں آپ کو مل گئیں؟

لاہور میں ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کے خلاف جو کچھ ہو رہا ہے، اس کا سدِ باب ہونا چاہیے۔ ان کے خلاف کئی گشتی مراسلے میرے پاس آئے ہیں، جن کا لب ولہجہ ناشایستہ ہے۔ پہلے تو یہ تھا کہ ہم اپنے بڑوں کی قدر نہیں کرتے تھے، اب یہ ہو رہا ہے کہ ہم انھیں ذلیل بھی کرتے ہیں[۳]۔

پچھلے دنوں اہلیہ کی طبیعت ناساز رہی۔ میری صحت بھی ڈانواں ڈول رہی۔ ایک زمانہ تھا کہ نیت ڈانواں ڈول رہتی تھی، اب یہ عالم صحت پر گزر رہا ہے۔ انقلابات ہیں زمانے کے! درخواست ہے کہ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے۔

رشید حسن خاں صاحب کا ایک خط آپ کے نام آیا ہے، وہ بھیج رہا ہوں۔ احتیاطاً لفافہ رجسٹری سے بھیج رہا ہوں کہ اتنی دور سے آیا ہے، خط ضائع نہ ہو جائے۔ لفافے میں دو اور خط بھی رکھ دیے ہیں، یہ از رَہِ کرم ڈاکٹر تحسین فراقی اور ڈاکٹر اورنگ زیب تک پہنچا دیجیے۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ

۱۰-۴-۹۷ء

....

۸۴

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

گرامی نامہ مورخہ ۲۴ر مئی موصول ہوا، اس عنایت کے لیے شکر گزار ہوں۔

۳۔ یہ ذکر ہے ان گم نام مراسلوں کا، جن کے ذریعے ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کی کردار کشی کی جا رہی تھی۔ مقصود یہ تھا کہ آیندہ میقات کے لیے وہ اقبال اکادمی کے ڈائریکٹر مقرر نہ ہو سکیں۔ مہم چلانے والے (؟) اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ارمغانِ وحید کا کام کچھ آگے بڑھا ہے، مگر آپ دونوں تو اس سے بھی آگے بڑھ رہے ہیں کہ ہندوستان جا رہے ہیں۔ یہ سفر رفتت مبارک باد...... خدا کرے، یہ سفر علمی اعتبار سے مفید ہو اور آپ خیریت کے ساتھ واپس آئیں۔ خیریت کے ساتھ ہی نہیں، بہت سی کتابوں کے ساتھ بھی۔ واپس آ کر مفصل خط لکھیے گا، جو سفرنامے کی طرح طویل اور دلچسپ ہو۔ مگر آپ کا سفرنامہ تو شرعی نوعیت کا ہوتا ہے۔ ہم جیسے آوارہ خوانوں کی خاطر اب کے دو چار اچھے چہرے بھی دیکھ لیجیے گا۔ اس کارِ خیر کا گناہ میرے سر رہے گا، آپ سے کوئی پرسش نہ ہوگی[۱]۔

کتاب کا نام ارمغانِ وحید ہی مناسب ہے۔ گوہر نوشاہی صاحب سے آپ مایوس ہو جایئے۔ ڈاکٹر صاحب کے مختصر کوائف اور کتابیات کی شمولیت کافی رہے گی۔ میں گوہر صاحب کو خط لکھ رہا ہوں کہ اب وہ زحمت نہ فرمائیں اور اپنا مضمون اس وقت مکمل کریں، جب ڈاکٹر وحید قریشی دوبارہ مقتدرہ کے صدر نشین ہوں[۲]۔

ڈاکٹر وزیر آغا کی اس مجموعے میں شمولیت بہت ضروری ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ان سے ایک مختصر مضمون حاصل کر لیا جائے؟ اع کی مجلس مشاورت و ادارت کے صدر احمد ندیم قاسمی ہیں، کیا ڈاکٹر صاحب کے بارے میں ایک دو صفحات ان سے نہ لکھوا لیے جائیں؟ اگر آپ ان تجاویز سے متفق ہوں تو ان دونوں حضرات کو میں خط لکھ سکتا ہوں۔ مجموعی طور پر ان دونوں کے مضامین ۱۵، ۲۰ صفحات میں آ جائیں گے اور اس طرح دو بڑے ناموں کی شمولیت بھی ہو جائے گی[۳]۔

مضامین کی فہرست سے اندازہ ہوا کہ اچھا خاصا مجموعہ بن گیا ہے۔

دہلی میں اگر کوئی پرسانِ حال ملے تو میرا سلام کہیے گا۔ دو بزرگوں تک اگر آپ بطورِ خاص سلام پہنچا سکیں تو کرم ہوگا۔ ایک تو ڈاکٹر تنویر احمد علوی[۴] اور دوسرے شاہد علی خان صاحب (مکتبۂ جامعہ)۔

۱۔ افسوس ہے، میں بھارت کا سفرنامہ نہ لکھ سکا۔ فقط پہلی قسط 'سرزمین دلی کی' کے عنوان سے علامت لاہور (اکتوبر ۱۹۹۸ء) میں شائع ہوئی۔

۲۔ ڈاکٹر گوہر نوشاہی کا مضمون بعد ازاں مکمل ہو کر ارمغان علمی میں شامل ہوا۔

۳۔ متذکرہ مجموعے میں ڈاکٹر وزیر آغا صاحب کا مضمون 'حقیقت اور فکشن' شامل ہے۔ جناب احمد ندیم قاسمی نے کتاب کی 'تقدیم' تحریر کی تھی۔

۴۔ ڈاکٹر تنویر احمد علوی (پ: ۱۶ر جولائی ۱۹۲۳ء) اردو کے معروف محقق اور ناقد۔ دہلی یونی ورسٹی کے شعبہ اردو سے وابستہ رہے۔

شدید گرمی اور بجلی کے غائب ہونے کے باوجود اپنے کاموں میں حسب معمول مصروف ہوں اور کالم نہ لکھنے کی وجہ سے ذہنی سکون بھی میسر ہے۔

ایک خط عبدالغنی فاروق صاحب کے نام بھی لکھ رہا ہوں۔ از رہِ کرم ان تک پہنچا دیجیے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۸۔۵۔۹۷ء

....

۸۵

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے خطوط لکھنے کا سلسلہ جو دہلی سے شروع کیا تھا، وہ آج تک قائم ہے۔ آج کی ڈاک سے اخباری تراشوں کے فوٹو اسٹیٹ ملے ہیں۔ دلی کا سفر نامہ بہت دلچسپ اور معلوماتی ہے، مگر جب آپ اسے اشاعت کے لیے لکھیں گے تو اس کی افادیت اور دلچسپی میں اضافہ ہوگا۔ معذرت خواہ ہوں کہ میں اب تک آپ کو خط نہ لکھ سکا۔ ادھر کچھ دنوں سے میری اور آمنہ کی طبیعت خراب رہی۔ شدید گرمی، بجلی کا غائب رہنا اور اس پر طبیعت کی خرابی، آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کس عذاب سے گزرا ہوں گا۔ میں تو اب خدا کے فضل سے ٹھیک ہوں، البتہ آمنہ بلڈ پریشر کی وجہ سے مضمحل رہتی ہے۔ علاج ہو رہا ہے۔

دہلی میں آپ کی جو پذیرائی ہوئی، اس سے بے حد خوشی ہوئی[1] اور سب سے زیادہ خوشی تو اس بات کی ہے کہ آج موصول ہونے والے تراشوں میں ایک ایسی تصویر بھی ہے، جس میں ایک کنارے پر آپ ہیں اور دوسرے کنارے پر ایک خوب صورت چہرہ۔ بیچ میں جو دو آدمی کھڑے ہیں، وہ کباب میں ہڈی نظر آتے ہیں۔ آپ کے چہرے پر جو بشاشت نظر آ رہی ہے، وہ دوسرے

۱۔ دہلی کے چودہ روزہ سفر میں تین روز تو اقبال سیمی نار میں مصروفیت رہی، پھر استقبالیوں اور دعوتوں کا سلسلہ چلا۔ استقبالیہ جلسے اور نشستیں انجمن ترقی اردو، اردو اکادمی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، مرکز جماعت اسلامی ہند، غالب اکیڈمی اور مکتبہ جامعہ میں منعقد ہوئیں اور سید مظفر حسین برنی، ڈاکٹر خلیق انجم، ڈاکٹر عبدالحق اور پروفیسر شریف حسین قاسمی نے دعوتِ طعام کا اہتمام کیا۔ شریف حسین قاسمی (پ: یکم مارچ ۱۹۴۴ء) دہلی یونی ورسٹی میں فارسی کے استاد ہیں۔

کنارے ہی کا فیضان معلوم ہوتا ہے۔ اچھا ہے، تحسین فراقی اس تصویر میں نہیں ہیں، ورنہ وہ آپ کو محظوظ ہونے کا موقع نہ دیتے اور کسی عاشقانہ، بلکہ فاسقانہ غزل کہنے کے لیے مسلسل اسی طرف دیکھتے رہتے اور اس طرح آپ کے راستے کی دیوار بن جاتے۔

آپ نے بڑا کرم فرمایا کہ خواجہ غلام السیّدین[۲] کے نام خطوط کا مجموعہ (بزمِ یاراں) شاہد علی خاں صاحب سے حاصل کر لیا۔ مَیں انھیں شکریے کا خط لکھ رہا ہوں۔ مگر جناب، ان خطوط کا ایک نہیں، دو مجموعے چھپے ہیں اور ان کے نام مَیں نے آپ کو فون پر لکھوائے تھے۔ دوسرے مجموعے کا نام اگلی صحبتیں ہے۔ اب یہ کسی دوسرے ذریعے سے منگواؤں گا۔ ایم حبیب خان صاحب[۳] کے پاس بہت سی کتابیں رکھی ہیں، مَیں نے انھیں لکھا تھا کہ ان میں سے دو چار آپ کے اور تحسین صاحب کے حوالے کر دیں، مگر افسوس کہ انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ آپ کے ذریعے جو لفافہ بھیجا ہے، اس میں ایک کتابچے کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور یہ لکھا ہے کہ آپ کی کتابیں ڈاک سے بھیج دوں گا۔ یہ بات وہ کئی برسوں سے لکھ رہے ہیں، حالاں کہ ڈاک کے اخراجات مَیں انھیں پیشگی ادا کر چکا ہوں۔

آپ کو ایرپورٹ پر کتابوں کی مَد میں گیارہ سو روپے دینے پڑے۔ میرے خیال میں یہ خسارے کا سودا نہیں ہے۔ یقیناً آپ ایسی کتابیں لائے ہوں گے، جو عام حالات میں دستیاب نہیں ہو سکتیں۔ نومبر میں لاہور آنے کا ارادہ ہے، اِن شاء اللہ اس وقت ان کتابوں کو دیکھوں گا۔ ویسے ہندوستان سے میرے پاس کثرت سے کتابیں آتی ہیں۔ اوسطاً مہینے میں دس سے پندرہ تک۔ پچھلے چند ماہ میں صرف خدا بخش لائبریری نے ۶۴ کتابیں بھیجی ہیں۔ یہ سب بلا طلب ہوتی ہیں۔ شاہد علی خاں صاحب کے پاس میری کتابوں کی رائلٹی کی مَد میں اچھی خاصی رقم جمع ہے۔ ان سے کتابیں منگواتا ہوں اپنے حساب میں، مگر وہ اتنے مصروف ہیں کہ دس کتابوں کے لیے لکھوں تو ایک دو سے زیادہ نہیں بھیجتے۔

آپ نے پروفیسر اسلم صاحب کی کتاب میں شامل کتبوں کا مہندیوں کے قبرستان کے کتبوں سے مقابلہ کر کے معلوم کیا کہ اکثر کتبے غلط نقل ہوئے ہیں۔ مَیں نے مقابلہ کیے بغیر کتاب

۲۔ خواجہ غلام السیّدین (۱۹۰۴ء۔۱۹۷۱ء) معلّم، ادیب، ماہرِ تعلیم، متعدد کتابوں کے مصنف۔ مسلم یونی ورسٹی ٹریننگ کالج کے پرنسپل؛ ڈائریکٹر آف ایجوکیشن، ریاست جموں و کشمیر اور سیکرٹری ایجوکیشن، حکومت ہند رہے۔ Iqbal's Educational philosophy ان کی معروف کتاب ہے۔

۳۔ ایم حبیب خاں (۱۹۳۴ء۔۲ر مارچ ۱۹۹۸ء) ۱۹۵۰ء سے انجمن ترقی اُردو ہند میں ناظم کتب خانہ تھے۔

میں شامل بیشتر کتبوں کی اغلاط سے اسلم صاحب کو مطلع کیا تھا۔ دراصل قصہ یہ ہے کہ کتبے انھوں نے رواروی میں نقل کیے۔ دوسرے بعض کتبوں میں خطاطوں نے آرایشی خطاطی کی ہے اور بعض الفاظ سطروں کے اوپر لکھ دیے ہیں۔ اسلم صاحب نے ان الفاظ کو صحیح مقام پر نقل نہیں کیا۔ کتبوں میں شامل شعر بھی بیشتر غلط نقل ہوئے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلم صاحب موزوں طبع نہیں ہیں۔ مَیں نے یہ سب باتیں انھیں لکھی تھیں اور انھوں نے ان اغلاط کو تسلیم کیا تھا، مگر ان باتوں کے باوجود، ان کا سفر نامہ بے حد دلچسپ اور مفید کتاب ہے۔[۴] دوسروں کا مجھے علم نہیں، لیکن میری معلومات میں بیش بہا اضافہ ہوا۔ کتاب کی دلچسپی کا یہ حال ہے کہ جب تک مَیں نے اسے ختم نہیں کرلیا، دوسرا کوئی کام نہیں کیا۔ پروفیسر اسلم صاحب بڑی خوبیوں کے آدمی ہیں، صاحب علم ہیں، مگر دو باتیں نہ ہوتیں تو اچھا تھا۔ ایک تو تلفظ کی غلطیاں بہت کرتے ہیں، دوسرے شعر صحیح لکھتے ہیں، نہ پڑھتے ہیں۔ محقق کے لیے موزوں طبع ہونا بہت ضروری ہے۔

پروفیسر اسلم کے ذکر پر یاد آیا کہ جس روز ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے اقبال اکیڈمی چھوڑی ہے، اسی دن مَیں نے پروفیسر اسلم صاحب کو خط لکھا کہ اب وہ مغربی پاکستان اردو اکیڈمی قریشی صاحب کو واپس کردیں۔ میرا خط ملتے ہی اسلم صاحب قریشی صاحب کے گھر گئے اور اپنا استعفا پیش کردیا۔ یہ مَیں نے اس لیے کیا کہ قریشی صاحب کے لیے بے کار بیٹھے رہنا مناسب نہیں، کوئی نہ کوئی مشغولیت ہونی چاہیے۔ پروفیسر اسلم صاحب بھی اب علی گڑھ سکول سے متعلق ہونے کے بعد خاصے مصروف ہوگئے ہیں۔ اور مَیں نے سنا ہے کہ انھیں وہاں سے پندرہ ہزار روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ وہ وہاں خوش ہیں۔ اکیڈمی کی وجہ سے قریشی صاحب کے اور اسلم صاحب کے باہمی تعلقات خوش گوار نہیں رہے تھے۔ اب اِن شاءاللہ یہ صورت حال نہیں رہے گی اور دونوں میں پہلے کی طرح دوستانہ مراسم قائم ہوجائیں گے۔

قریشی صاحب کے ذکر پر یاد آیا کہ ارمغانِ علمی کس منزل میں ہے؟ اس کے نام کے سلسلے میں عرض ہے کہ ارمغانِ وحید درست نام نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے 'تحفہ من جانب وحید'، جبکہ معاملہ اس کے برعکس ہے، لہٰذا ارمغانِ علمی ہی نام مناسب رہے گا۔ پروفیسر شفیع

۴۔ پروفیسر محمد اسلم (م: ۶ر اکتوبر ۱۹۹۸ء) کے سفر نامہ ہند (لاہور، ۱۹۹۵ء) کا ذکر ہے۔ راقم بھارت کے سفر (جون ۱۹۹۷ء) میں یہ کتاب ساتھ لے گیا تھا، اس کے ذریعے دہلی کے آثارِ قدیمہ دیکھنے میں خاصی سہولت رہی۔

مرحوم[5] کو بھی اسی نام سے ارمغان پیش کیا گیا تھا۔ نام علمی ارمغان بھی ہو سکتا ہے۔

ابھی ابھی تحسین صاحب کا خط بھی ملا ہے، انھیں بھی جواب لکھوں گا۔ خدا کرے، سب خیریت سے ہوں۔

آپ کا

مشفق خواجہ

۸۔۷۔۹۷ء

....

۸٦

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

گرامی نامہ مورخہ ۷ار جولائی موصول ہوا، اس کے لیے شکر گزار ہوں۔ اس سے پہلے دو خط آپ کے نام لکھ چکا ہوں۔ اُمید ہے، اب تک یہ اورنگ زیب صاحب نے آپ کے حوالے کر دیے ہوں گے۔ پی ایچ ڈی کے لیے دو نہیں، ہزاروں موضوعات ہیں، مگر اب ایسے طالب علم کہاں، جو محنت سے کام کر سکیں اور کام کرنے کی اہلیت و صلاحیت رکھتے ہوں۔ جس شخص نے زندگی میں پانچ صفحات کا ایک مضمون بھی نہ لکھا ہو، وہ ایک دم پانچ سو صفحات کا مقالہ لکھ دیتا ہے۔ میری رائے میں تو آپ جب تک کسی طالب علم کو خوب ٹھونک بجا کر نہ دیکھ لیں، پی ایچ ڈی میں داخلہ نہ دیں۔ جلیل قدوائی اور رفیق خاور جیسے ادیب ایم اے کے مقالے کے لیے تو موزوں ہو سکتے ہیں، مگر پی ایچ ڈی کی سطح پر ان پر کام نہیں ہو سکتا[1]۔ اگر افراد ہی پر یہ کام کرنا ہے تو پھر مندرجہ ذیل پر توجہ فرمائیے۔ آپ نے چونکہ دواوین کی تدوین کو خارج از آہنگ قرار دیا ہے، اس لیے صرف نثر نگاروں کے نام لکھتا ہوں:

۱۔ مالک رام ۲۔ اثر لکھنوی (بطور نقاد)

۵۔ پروفیسر مولوی محمد شفیع (۱۸۸۳ء۔۱۹۶۳ء) عربی، فارسی اور اردو کے بلند پایہ سکالر، سابق پرنسپل اورینٹل کالج اور پروفیسر عربی۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونی ورسٹی کے بانی صدر نشین۔ انھیں جو ارمغان علمی پیش کیا گیا، وہ ڈاکٹر سید عبداللہ نے مرتب کیا تھا۔

(۸٦)

۱۔ یہ خواجہ صاحب کی رائے تھی۔ پنجاب یونی ورسٹی میں ان دونوں شخصیات پر پی ایچ ڈی سطح کا کام ہو چکا ہے۔

28-7-97

۳-ڈی، ۹/۴، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

کتابی سلسلہ

برادرِ عزیز و مکرم۔ سلام مسنون

گرامی نامہ مورخہ ۲۰ جولائی موصول ہوا۔ اسکے لیے شکرگزار ہوں۔ اس سے پہلے دو خط آپ کے نام لکھ چکا ہوں۔ امید ہے اب تک یہ اور ٹکٹ آپ کے حوالے کیے جا چکے ہوں گے۔ پی ایچ ڈی کے لیے ایک دو نہیں ہزاروں موضوعات ہیں مگر اب ایسے طالب علم کہاں جو محنت سے کام کرنے کی اہلیت و صلاحیت رکھتے ہوں۔ جس شخص نے زندگی میں پانچ صفحات کا ایک مضمون بھی نہ لکھا ہو، وہاں ایک دم پانچ سو صفحات کا مقالہ لکھ دیتا ہے۔ میری رائے میں تو آپ جب تک کسی طالب علم کو خود آزما کر نہ دیکھ لیں پی ایچ ڈی میں داخلہ نہ دیں۔ جلیل قدوائی اور رفیق خاور جیسے ادیب ایم اے کے مقالے کے لیے موضوع ہو سکتے ہیں، مگر پی ایچ ڈی کی سطح پر ان پر کام نہیں ہو سکتا۔ اگر افراد ہی پر کام کرانا ہے تو بعض حسبِ ذیل پر توجہ فرمائیے۔ آپ نے چونکہ دو ادیبوں کی تدوین کو خارج از بحث قرار دیا ہے، اس لیے صرف نثر نگاروں کے نام لکھتا ہوں۔

۱۔ مالک رام ۲۔ اثر لکھنوی (بطور نقاد)
۳۔ ممتاز حسین ۴۔ ابراہیم جلیس
۵۔ ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری ۶۔ اشرف صبوحی
۷۔ شیخ محمد اکرام ۸۔ امداد امام اثر
۹۔ میر ناصر علی دہلوی ۱۰۔ چراغ حسن حسرت
۱۱۔ عبدالمجید سالک ۱۲۔ ڈاکٹر تاثیر
۱۳۔ مولوی عبدالحق ۱۴۔ شوکت سبزواری
۱۵۔ خواجہ احمد فاروقی ۱۶۔ خواجہ حسن نظامی
۱۷۔ مجنوں گورکھپوری ۱۸۔ کنہیا لال کپور
۱۹۔ قاضی عبدالودود ۲۰۔ امتیاز علی عرشی
۲۱۔ وقار عظیم ۲۲۔ ظفر علی خاں (بطور نثر نگار)
۲۳۔ ممتاز شیریں ۲۴۔ جوش (بحیثیت نثر نگار)
۲۵۔ محمد حسن عسکری ۲۶۔ خواجہ ناصر نذیر فراق

ایک اہم کام یہ ہو سکتا ہے کہ اردو کے بڑے نثر نگاروں کی فرہنگیں تیار کرائی جائیں۔ مثلاً سرسید، محمد حسین آزاد، خواجہ حسن نظامی، مولانا حالی، عبدالحلیم شرر جیسے مصنفین کی فرہنگیں تیار ہوں (جمع الفاظ) تو اردو کے بہت سے نادر الفاظ سامنے آ سکتے ہیں۔

۲

۲۲۷۰۸
۳-ڈی-۶/۹-ناظم آباد-کراچی ۱۸

کتابی سلسلہ

اس میں کچھ دوسرے موضوعات تجویز کرتا ہوں جن پر کام کی بے حد ضرورت ہے۔

۱- اردو میں لغت نگاری ۲- اردو میں قواعد نویسی ۳- اردو میں تحقیق
۴- اردو ادب عہدِ محمد شاہی میں ۵- عہدِ میر کے اردو شعرا ۶- اردو کا ایک اہم ادبی مرکز: مرشد آباد
۷- پنجاب میں اردو نثر نگاری (قیامِ پاکستان سے قبل) ۸- بیسویں صدی کے ادبی رسائل (قیامِ پاکستان سے قبل) ۹- دلّی کا دبستانِ نثر ۱۰- برصغیر کے علمی و ادبی ادارے (قیامِ پاکستان سے قبل) ۱۱- اردو کے رومانی نثر نگار ۱۲- اردو اور پاکستانی علاقائی زبانوں کے مشترکہ عناصر ۱۳- اردو ادب کی تاریخیں
۱۴- اردو میں قرآن شریف کے تراجم ۱۵- اردو میں قرآن شریف کی تفسیریں
۱۶- اردو پر فارسی زبان و ادب کے اثرات

کلاسیکی شعرا پر اور ان کے دواوین کی تدوین کا کام بھی ہونا چاہیے۔
مگر مشکل یہ ہے کہ ہماری یونیورسٹیوں میں ایسے اساتذہ بہت کم ہیں جو پی ایچ ڈی کا کام کرانے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ آپ جیسے دو چار استادوں کو چھوڑ کر مجھے تو دور دور تک کوئی ایسا استاد نظر نہیں آتا جو ادب کا صحیح ذوق رکھتا ہو اور اس کے بارے میں اس کی معلومات وسیع ہوں۔

نومبر کے آخر میں بڑے بھتیجے کی شادی ہے اور دسمبر میں ڈاکٹر وحید قریشی کی صاحبزادی کی۔ کوشش کروں گا کہ ان دونوں شادیوں کا درمیانی وقفہ لاہور میں گزاروں کہ ایک ماہ میں دو مرتبہ ہوائی سفر کرنا میرے بس کی بات نہیں۔ اس دوران میں ان شاء اللہ آپ سے ملاقاتیں رہیں گی۔ میرے پچھلے دونوں خطوں کا جواب جلد عنایت فرمائیے۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۸-۷-۱۹۷

بخدمتِ گرامی
ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی
لاہور

۳۔ممتاز حسین
۴۔ابراہیم جلیس
۵۔اختر حسین رائپوری
۶۔اشرف صبوحی
۷۔شیخ محمد اکرام
۸۔امداد امام اثر
۹۔میر باقر علی داستان گو
۱۰۔چراغ حسن حسرت
۱۱۔عبدالمجید سالک
۱۲۔ڈاکٹر تاثیر
۱۳۔مولوی عبدالحق
۱۴۔شوکت سبزواری
۱۵۔خواجہ احمد فاروقی
۱۶۔خواجہ حسن نظامی
۱۷۔مجنوں گورکھپوری
۱۸۔کنہیالال کپور
۱۹۔قاضی عبدالودود
۲۰۔امتیاز علی عرشی
۲۱۔وقار عظیم
۲۲۔ظفر علی خاں (بطور نثر نگار)
۲۳۔ممتاز شیریں
۲۴۔جوش (بہ حیثیت نثر نگار)
۲۵۔محمد حسن عسکری
۲۶۔خواجہ ناصر نذیر فراق

ایک اہم کام یہ ہوسکتا ہے کہ اردو کے بڑے نثر نگاروں کی فرہنگیں تیار کرائی جائیں، مثلاً سرسید، محمد حسین آزاد، خواجہ حسن نظامی، مولانا حالی، عبدالحلیم شرر جیسے مصنفین کی فرہنگیں تیار ہوں (مع امثال) تو اردو کے بہت سے خوابیدہ الفاظ سامنے آجائیں گے۔

اب مَیں کچھ دوسرے موضوعات تجویز کرتا ہوں، جن پر کام کی بے حد ضرورت ہے:

۱۔اردو میں لغت نگاری
۲۔اردو میں قواعد نویسی
۳۔اردو میں تحقیق
۴۔اردو ادب، عہد محمد شاہی میں
۵۔عہد میر کے اردو شعرا
۶۔اردو کا ایک اہم ادبی مرکز: مرشد آباد
۷۔پنجاب میں اردو نثر نگاری (قیام پاکستان سے قبل)
۸۔بیسویں صدی کے ادبی رسائل (قیام پاکستان سے قبل)
۹۔دلی کا دبستان نثر
۱۰۔برصغیر کے علمی وادبی ادارے (قیام پاکستان سے قبل)
۱۱۔اردو کے رومانی نثر نگار
۱۲۔اردو اور پاکستان کی علاقائی زبانوں کے مشترکہ عناصر

۱۳۔اردو ادب کی تاریخیں ۱۴۔اردو میں قرآن شریف کے تراجم

۱۵۔اردو میں قرآن شریف کی تفسیریں ۱۶۔اردو پر فارسی زبان و ادب کے اثرات

کلاسیکی شاعروں پر اور ان کے دواوین کی تدوین کا کام بھی ہونا چاہیے، مگر مشکل یہ ہے کہ ہماری یونی ورسٹیوں میں ایسے اساتذہ بہت کم ہیں، جو پی ایچ ڈی کا کام کرانے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔آپ جیسے دو چار استادوں کو چھوڑ کر مجھے تو دور دور تک کوئی ایسا استاد نظر نہیں آتا، جو ادب کا صحیح ذوق رکھتا ہو اور ادب کے بارے میں اس کی معلومات وسیع ہوں۔

نومبر کے آخر میں میرے بھتیجے کی شادی ہے اور دسمبر میں ڈاکٹر وحید قریشی کی صاحب زادی کی۔کوشش کروں گا کہ ان دونوں شادیوں کا درمیانی وقفہ لاہور میں گزاروں کہ بیوی کے ساتھ دو مرتبہ ہوائی سفر کرنا میرے بس کی بات نہیں۔اس دوران میں اِن شاءاللہ آپ سے ملاقاتیں رہیں گی۔میرے پچھلے دونوں خطوں کا جواب جلد عنایت فرمایئے۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۸۔۷۔۹۷ء

....

۸۷

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

۲۱راگست کا خط ابھی ابھی ملا، شکریہ۔

۱۔ ممتاز حسن مرحوم کا پتا C-12, K.D.A Scheme No.1 درست ہے۔C-129 بھی درست ہے۔ایک مکان میں ان کی رہایش تھی اور دوسرے میں اس اشاعتی ادارے کا دفتر تھا، جس کے وہ سربراہ تھے۔یہ وہی ادارہ ہے، جس کی طرف سے کئی فارسی شعرا کے مخطوطوں کے عکس شائع کیے گئے تھے۔ریٹائرمنٹ کے بعد ممتاز صاحب نے PECHS سوسائٹی میں مکان بنوایا تھا اور اسی میں رہتے تھے۔

۲۔ MCNEIL درست ہے نہ MC NEIL۔صحیح لفظ McNEIL ہے، یعنی M کے بعد C، Capital نہیں ہوگا۔اس قسم کے نام اسی طرح لکھے جاتے ہیں، جیسے McMOHAN, McLEOD

وغیرہ۔Dictionary of Indian Biography دیکھ لیجیے۔

۳۔ حواشی کے نشانات اڑا دیجیے۔اب یہ ناممکن ہے کہ ڈاکٹر مختار الدین صاحب سے حواشی لکھنے کے لیے کہا جائے۔

۴۔ ڈاکٹر وحید قریشی کے کوائف کتاب کے شروع میں ہوں تو اچھا ہے۔ویسے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دیباچے میں ان کا ذکر کر دیا جائے اور انھیں کتاب کے آخر میں رکھا جائے[۱]۔

اجی حضرت! آپ بھی غضب فرماتے ہیں۔آپ کے خط کے جواب میں خاصا وقت صرف کر کے پی ایچ ڈی کے موضوعات کی فہرست بھیجی، مگر آپ نے رسید تک نہیں دی۔ ترجمان القرآن کے سلسلے میں دو خط لکھے۔رسالے مل گئے اور ساتھ ہی دفتر ترجمان القرآن سے سالانہ چندے کی طلبی کا خط آ گیا۔مَیں نے وی پی پی وصول کرنے کا جو لفافہ بھیجا تھا، اس پر کیا کارروائی ہوئی[۲]۔

موعودہ مفصل خط اگر آپ اسی سال لکھ سکیں تو کرم ہوگا۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۵۔۸۔۹۷ء

....

۸۸

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کا ۱۷ را اکتوبر کا خط مل گیا ہے۔خدا کا شکر ہے کہ مَیں اب بہت بہتر ہوں اور اپنے کاموں کی طرف توجہ کر رہا ہوں۔گو معمول کے مطابق ۱۲ سے ۱۶ گھنٹے کی نشست نہیں رہتی۔وقفے وقفے سے آرام بھی کر لیتا ہوں۔

ڈاکٹر گوہر نوشاہی ستمبر کے پہلے ہفتے میں کراچی آئے تھے۔اپنے مضمون کی ایک نقل انھوں

۱۔ یہ چاروں استفسارات متذکرہ بالا ارمغانِ علمی میں شامل مضمون 'ممتاز حسن کے خطوط، دوار کا داس شعلہ کے نام (مختار الدین احمد)' کے ضمن میں کیے گئے تھے۔مزید دیکھیے: خط ۴۷، حاشیہ ۴۔

۲۔ خواجہ صاحب علمی و ادبی رسائل و جرائد بالعموم چندہ ادا کر کے منگاتے تھے۔ ترجمان القرآن کے بھی باقاعدہ خریدار تھے۔وی پی وصول کرنے کے باوجود دفتر ترجمان القرآن کی غفلت سے انھیں سالانہ چندے کی طلبی کا خط موصول ہوا تھا۔

نے مجھے دی تھی۔ مَیں نے اسی وقت اسے پڑھ لیا تھا۔ میرے خیال میں یہ مضمون اسی صورت میں شامل کر لیجیے۔ اس میں ڈاکٹر صاحب کے بارے میں بہت سی ایسی باتیں آ گئی ہیں (خصوصاً خاندان کے حوالے سے)، جو کسی دوسری جگہ نہیں ملتیں[۱]۔

رفاقت علی شاہد کے حواشی مفید ہیں[۲]، مگر مقالے کے ساتھ ان کی اشاعت مناسب نہ ہوگی اور پھر اگر مقالے کی غلطیوں کی تصحیح کرنی تھی تو مکمل معلومات دی جاتیں۔ رفاقت صاحب نے اس کا اہتمام نہیں کیا، مثلاً ممنون سے متعلق منشاء الرحمٰن منشا کے کام کا ذکر ضرور ہونا چاہیے تھا۔ گلزار ابراہیم کے حوالے سے لکھا ہے کہ علی لطف نے اس کا ترجمہ کیا ہے، جب کہ صحیح صورت یہ ہے کہ لطف نے گلشن ہند میں صرف منتخب شعرا کے تراجم ترجمہ کیے ہیں، پورے تذکرے کا ترجمہ نہیں کیا۔ کلیات جعفر علی حسرت کے بارے میں لکھا ہے کہ لکھنؤ میں اس کی اشاعت کی خبر ہے، جبکہ اس کی اشاعت کو ایک مدت گزر چکی ہے۔ پھر ایسے جملے بھی نظر آتے ہیں: 'کہیں نظر سے گزرا تھا.....' اس قسم کی باتوں کی موجودگی میں رفاقت صاحب کے حواشی پر بھی لوگ اعتراض کریں گے۔ رفاقت صاحب کی محنت قابلِ داد ہے، لیکن یہ حواشی کہیں اور چھپیں تو بہتر ہے۔

ارمغان علمی اور ارمغان وحید میں سے پہلا نام مناسب ہے۔ دوسرے نام کے یہ معنی بھی نکلتے ہیں 'ارمغان منجانب وحید'۔ اس قسم کا اعتراض ارمغانِ نارنگ پر کیا گیا تھا کہ اس سے 'ارمغان برائے نارنگ' کے معنی نہیں نکلتے۔

آپ کے بلجیم جانے کی اطلاع سے خوشی ہوئی اور اس کا افسوس کہ عین اسی زمانے میں مَیں لاہور میں ہوں گا۔ سہیل عمر صاحب نے بتایا ہے کہ آپ ۲۷ رنومبر کو واپس آ جائیں گے۔ کوشش کروں گا کہ مَیں ۳۰ تک لاہور میں رہوں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آپ اکرام چغتائی کی قیادت میں لندن بھی جائیں گے۔ فسق و فجور کے کاموں میں اکرام چغتائی سے بہتر رہنما نہیں مل سکتا[۳]۔

۱۔ یہ مضمون ارمغان علمی میں شامل ہے۔

۲۔ رفاقت علی شاہد نے یہ حواشی ارمغان علمی میں شامل مضمون 'کلکتہ اور اطراف کلکتہ کے کتب خانوں میں محفوظ اردو مخطوطات' (شانتی رنجن بھٹاچاریہ) پر لکھے تھے۔

۳۔ بلجیم کا یہ سفر ایک اقبال سیمی نار (۱۸، ۱۹ رنومبر باہتمام اقبال فاؤنڈیشن یورپ) کے سلسلے میں تحسین فراقی، سہیل عمر، اکرام چغتائی اور خالد احمد (فرائیڈے ٹائمز) کی رفاقت میں نومبر ۱۹۹۷ء میں پیش آیا تھا۔ لندن ہم نہ جا سکے تھے۔ سیمی نار کی روداد دیکھیے: اقبالیات، لاہور جنوری ۱۹۹۸ء، نیز مشمولہ: تفہیم و تجزیہ لاہور، ۱۹۹۹ء۔ (راقم کا مجموعۂ مضامین)

ڈاکٹر گیان چند کل (۲۳؍ اکتوبر) شام کو لاہور کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔ وہ آپ سے ملنے کے شائق ہیں۔ آج میں نے سہیل عمر صاحب کو فون پر کہا کہ وہ ان سے آپ کی ملاقات کا انتظام کر دیں۔ توقع ہے کہ میرے خط کے پہنچنے تک آپ ان سے مل چکے ہوں گے۔ انھیں اورینٹل کالج بھی لے جایئے[۴]۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۲-۱۰-۹۷ء

....

۸۹

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

ایک مفصل خط دو روز ہوئے پوسٹ کیا ہے۔ امید ہے، ملا ہوگا۔ آج کی ڈاک سے، ابھی کچھ دیر پہلے، آپ کا ۲۶؍ اکتوبر کا خط ملا ہے۔ حیرت ہے کہ ڈاکٹر گیان چند سے ابھی تک آپ کی ملاقات نہیں ہوئی۔ وہ تو آپ سے ملنے کے لیے بے چین تھے۔ جاوید طفیل صاحب سے میری کئی مرتبہ فون پر بات ہو چکی ہے۔ اُنھوں نے کہا تھا کہ میری عدم موجودگی میں ڈاکٹر صاحب کے پاس کار رہے گی اور ایک رہنما بھی۔ وہ جس سے چاہیں، ملیں اور جہاں چاہیں جائیں۔ بہرحال اب تک اُن سے آپ کی کئی ملاقاتیں ہو چکی ہوں گی۔ اگر ممکن ہو تو تفصیل لکھیے گا[۱]۔ ارمغان سے متعلق

۴۔ دیکھیے آیندہ خط (۸۹) کا حاشیہ ا۔

(۸۹)

۱۔ ڈاکٹر گیان چند لاہور پہنچ کر اپنے میزبان جاوید طفیل صاحب (مدیر: نقوش) کے ہاں مقیم ہو گئے تھے۔ دو تین روز تک باوجود تگ و دَو کے ہم اُن سے ملنے میں کامیاب نہ ہو سکے، تا آنکہ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے مغربی پاکستان اردو اکیڈمی کی طرف سے ایک شام عامر ہوٹل (نزد حکومتِ پنجاب سیکرٹریٹ) میں ان کے اعزاز میں ایک استقبالیے کا اہتمام کیا، لاہور کے بہت سے ادیب اس میں شریک تھے۔ بعد ازاں ہم نے شعبۂ اردو، اورینٹل کالج، لاہور کی طرف سے ان کے اعزاز میں سینٹ ہال میں ایک ادبی نشست منعقد کی، جس میں ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی (حال: شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی) اور ڈاکٹر یاسین مظہر صدیقی (پ: ۱۹۴۴ء) بھی موجود تھے۔ یہ حضرات ان دنوں اتفاق سے لاہور آئے ہوئے تھے۔ بقول مشفق خواجہ: گیان چند پاکستان کے دَورے سے بہت خوش تھے۔ (قومی زبان، فروری ۲۰۰۶ء، ص ۳۹)

آپ کے سوالوں کے سلسلے میں عرض ہے کہ:

۱۔ شروع میں ایک صفحے پر مجلس کے اراکین کے نام ضرور دیجیے۔ اس سے کتاب کے وقار میں اضافہ ہوگا۔

۲۔ دیباچہ آپ خود ہی لکھیے۔ مَیں نہ مرتب، نہ مضمون نگار۔ سارا کام آپ نے کیا ہے، ہاں بطور تبرک احمد ندیم قاسمی صاحب سے ایک صفحہ لکھوا لیجیے کہ وہ مجلس مشاورت کے صدر ہیں۔

۳۔ اکبر حیدری کے حالات منسلک ہیں، مگر یہ دس بارہ سال پہلے تک کے ہیں۔ اُن کی آٹھ دس کتابیں اور چھپ چکی ہیں۔ قاضی قیصر الاسلام کو فون کر دیا ہے، وہ اپنے کوائف آپ کو براہِ راست رجسٹری سے بھیج رہے ہیں۔ معین الدین عقیل کی پیدایش کا تو علم ہے، سالِ پیدایش کا نہیں۔ اُن کی کسی کتاب کے فلیپ پر ضرور ہوگا۔ کچھ بھی لکھ دیجیے، کون تحقیق کرے گا[۲]۔

برسلز کی کانفرنس کے لیے مقالہ ضرور لکھیے، ایسے مواقع بار بار نہیں ملتے۔ آپ کو ضرور جانا چاہیے[۳]۔

اقبال کی نثر پر آپ کی شاگرد کی کتاب اقبال اکیڈمی نے بھیجی ہے، اچھا کام ہے۔ آپ نے بہت عمدہ مقالہ لکھوایا ہے، جی خوش ہوا[۴]۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
۳۰۔۱۰۔۹۷ء

....

۲۔ ارمغانِ علمی میں اکبر حیدری کشمیری کا کوئی مضمون شامل نہ ہو سکا۔ باقی ہدایات کی تعمیل ہو گئی۔ مضمون نگاروں کے کوائف مہیا ہو گئے تھے۔

۳۔ دیکھیے خط ۸۸، حاشیہ ۳۔

۴۔ راقم کی شاگرد زیب النساء (اسسٹنٹ پروفیسر اردو، گورنمنٹ کالج برائے خواتین، باغبان پورہ، لاہور) نے ایم اے اردو کا مقالہ اقبال کی اردو نثر کے عنوان سے تحریر کیا تھا، جو ۱۹۹۵ء میں اقبال اکادمی پاکستان، لاہور سے شائع ہوا۔

۹۰

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

بون سے تصویری کارڈ ملا تھا، لاہور سے خط اور قیام یورپ کی تصویریں ملیں، ان سب عنایتوں کے لیے شکرگزار ہوں۔ یورپ میں آپ مسرور و مطمئن رہے، اس سے خوشی ہوئی۔ کاش عرصہ قیام کچھ زیادہ ہوتا تو مزید سیر و سیاحت کا موقع ملتا۔ سفر کے مختصر حالات پڑھے، مگر دلِ دریا طلب چند قطروں سے سیراب نہیں ہو سکتا، اس لیے آپ کے مفصل سفرنامے کا انتظار رہے گا[۱]۔

لاہور میں مَیں ۱۲ دِن رہا۔ اب کے قیام لاہور کا زیادہ مزہ نہ آیا۔ میری تثلیثِ محبت کے تینوں خطوط لاہور سے غائب تھے[۲]۔ ڈاکٹر وحید قریشی آخری دنوں میں واپس آ گئے تھے۔ اُن سے دو مفصل ملاقاتیں ہو گئیں، مگر آپ سے اور تحسین صاحب سے ملاقات کا نہ ہونا دِل کی افسردگی کا باعث رہا۔ اگر شادی میں شرکت کا معاملہ نہ ہوتا تو مَیں آپ دونوں کی واپسی کے بعد لاہور آتا۔ خیر، اس نقصان کی تلافی آیندہ سفر کے موقع پر کروں گا۔ لاہور کے سفر کے بے مزہ ہونے کا ایک سبب وہ بھی تھا، جس کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ تقریباً دو لاکھ روپے کا زیور تھا اور یہ دو قسطوں میں چوری ہوا۔ یہ معلوم ہے کہ چور کون ہے، مگر اُس سے مالِ مسروقہ واپس نہیں لیا جا سکتا[۳]۔

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ سفرنامہ اندلس کمپوز ہو گیا ہے۔ خدا کرے، اس کا وہ حشر نہ ہو، جو ارمغانِ علمی کا ہوا ہے۔ اگلے مہینے ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کی سالگرہ ہے۔ کیا ہی اچھا ہو، اگر اس موقع پر یہ کتاب شائع ہو جائے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ عارف نوشاہی صاحب ابھی ہندوستان نہیں گئے اور اُنھوں نے ارمغان کا سارا لوازمہ ڈاکٹر تحسین فراقی صاحب کے حوالے کر دیا ہے۔

۱۔ نومبر ۱۹۹۷ء کے سفرِ بلجیم میں، جیسا پہلے ذکر آ چکا ہے، راقم اور تحسین فراقی، اقبال سیمی نار سے فارغ ہو کر بون (جرمنی) چلے گئے، وہاں سے ایک تصویری کارڈ خواجہ صاحب کو بھیجا تھا۔ واپسی پر ایک خط میں سفر کا مختصر حال بھی انھیں لکھا۔ سفرنامہ نہ لکھ سکا۔

۲۔ ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر تحسین فراقی اور راقم۔

۳۔ کسی عزیز کی شادی میں شرکت کے لیے خواجہ صاحب اہلیہ کے ساتھ ۱۸ر نومبر کو لاہور آئے تھے (۳۰ر نومبر کو واپس کراچی چلے گئے)۔ مزنگ میں ایک عزیز کے ہاں قیام کے دنوں میں خواجہ صاحب کی اہلیہ کا زیور چوری ہو گیا تھا۔

آج کل ہندوستان سے اچھی اچھی کتابیں بڑی کثرت سے آ رہی ہیں۔ کاش، آپ یہاں ہوتے یا مَیں وہاں ہوتا تو ان کتابوں سے استفادے کا دائرہ وسیع ہوتا۔

لاہور آنے کا ارادہ ہے۔ فروری میں ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کی صاحب زادی کی شادی ہے، مگر انھیں دنوں میری بھتیجی کی شادی بھی ہے، جس میں میری شرکت، ظاہر ہے کہ ضروری ہے۔ تاریخوں میں اگر کچھ فرق ہوا تو لاہور آ جاؤں گا، ورنہ ملاقات سال کے آخر ہی میں ہوگی۔

مَیں نے آپ سے جھنڈیر کے سردار مسعود احمد کی لائبریری کا ذکر کیا تھا۔ یہ اس لائق ہے کہ اسے دیکھا جائے۔ وہاں قیام کا عمدہ انتظام ہے اور کتابوں کا بے مثال ذخیرہ۔ اُنھوں نے حال ہی میں شورش کاشمیری مرحوم[۴]، عین الحق فرید کوٹی[۵] اور خواجہ حمید الدین شاہد[۶] کے کتب خانے بھی حاصل کر لیے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو، اگر چند روز کے لیے آپ، تحسین صاحب اور اورنگ زیب عالمگیر صاحب کے ساتھ وہاں کا پروگرام بن سکے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ

۷۔۱۔۹۸ء

....

۹۱

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کے دونوں گرامی نامے مل گئے تھے۔ معذرت خواہ ہوں کہ فوراً جواب نہ دے سکا۔ بہت سے فضول کاموں میں وقت ضائع ہوتا رہا اور خط لکھنے کا معاملہ ٹلتا رہا۔ اب کچھ اطمینان ہوا ہے تو آپ کی خدمت میں حاضری دے رہا ہوں۔

۴۔ آغا شورش کاشمیری (۱۹۱۷ء۔۱۹۷۵ء) معروف صحافی، ادیب اور شاعر۔ طویل عرصے تک ہفت روزہ چٹان نکالتے رہے۔ بدیہہ گوئی میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ بہت اچھے خطیب تھے۔

۵۔ عین الحق فرید کوٹی (۲۴ر اپریل ۱۹۲۰ء۔۱۷ر اکتوبر ۱۹۹۵ء) نقاد اور ماہر لسانیات۔

۶۔ خواجہ حمید الدین شاہد (۱۹۱۵ء۔۲۰۰۱ء) نقاد، ادیب۔ ابتدائی زمانے میں حیدر آباد، دکن میں درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ کراچی آئے تو اردو ڈکشنری بورڈ سے وابستہ ہو گئے۔ پھر ماہ نامہ سب رس نکالتے رہے۔

والد مرحوم کی دائمی مفارقت کا غم رفتہ رفتہ ہی کم ہوگا۔ وقت ہی ہر زخم کا اندمال ہے۔ آپ کی ناسازیِ طبیعت بھی اسی سانحے کا ردِ عمل معلوم ہوتی ہے۔ بعض اوقات کوئی شدید غم، جسمانی تکلیف میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اِن شاء اللہ آپ اس مشکل پر جلد قابو پالیں گے، خدا آپ کو صحت مند رکھے۔ آمین[۱]۔

ارمغان علمی کے سرورق کا جو نمونہ آپ نے بھیجا ہے، وہ بالکل مناسب ہے۔ مجلس ادبیاتِ مشرق کے نیچے 'لاہور' بھی لکھ دیجیے۔ ناشرین کا نام اگلے صفحے پر ہی آئے تو بہتر ہے اور اگر اُنھیں اصرار ہو تو پھر پہلے صفحے پر ہی رہنے دیجیے۔ یہ صفحہ نستعلیق میں ہو تو اچھا لگے گا۔

مجلس ادارت و مشاورت میں ڈاکٹر عارف نوشاہی[۲] کا نام شامل کر دیجیے اور اگر گنجایش ہو تو ڈاکٹر اورنگ زیب عالمگیر کا بھی۔ مَیں نے بہت پہلے اُن سے اس کا ذکر کیا تھا۔ اگر اُن کا نام نہ ہوا تو شاید اُنھیں ملال ہو۔

ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کی تصویر ضرور شامل کیجیے۔

احمد ندیم قاسمی صاحب سے بطور تبرک چند سطریں لکھوانے کی اس لیے ضرورت ہے کہ وہ مجلس ادارت و مشاورت کے صدر ہیں۔ اس طرح اس کام میں اُن کی عملی شرکت بھی ہو جائے گی۔ دوسرے اُن کی شرکت ایک بڑے ادبی حلقے میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائے گی۔

ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کی صاحب زادی کی شادی میں شرکت کا ارادہ تھا، مگر آپ کی بھابھی زیور کی گم شدگی کے صدمے سے باہر نہیں نکلیں۔ اس وجہ سے اُن کا بلڈ پریشر ڈانواڈول رہتا ہے۔ ایسی صورت میں لاہور کا سفر ممکن نہ تھا۔

اب حالات بہتر ہوں تو جھنڈیر کا کتب خانہ دیکھنے کا پروگرام بنایا جائے۔ ان لوگوں نے کئی ذاتی کتب خانے حاصل کر لیے ہیں۔ کراچی سے خواجہ حمید الدین شاہد صاحب کا کتب خانہ بھی وہیں پہنچ گیا ہے۔

تحسین فراقی صاحب کا کیا حال ہے؟ یورپ سے واپسی کے بعد اُن کا ایک خط آیا تھا، جس کا جواب مَیں نے لکھ دیا تھا۔ پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ ملاقات ہو تو میرا اسلام پہنچا دیجیے گا۔

۱۔ میرے والد محمد محبوب شاہ ہاشمی ۱۳ر جنوری ۱۹۹۸ء کو انتقال کر گئے تھے اور میری طبیعت اس کے بعد بہت دنوں تک خراب رہی۔

۲۔ دیکھیے خط ۵۷، حاشیہ ا

خدا کرے، آپ مع متعلقین خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
۱۲-۲-۹۸ء

....

۹۲

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کا گرامی نامہ مع مضمون موصول ہو گیا تھا، ممنون ہوں۔ مضمون قومی زبان میں اشاعت کے لیے بھیج دیا ہے۔

آپ کی طبیعت کی ناسازی کی اطلاع سے تشویش ہوئی۔ خدا کا شکر ہے کہ اب آپ روبصحت ہیں۔ ڈاکٹروں نے آرام کے لیے کہا ہے تو اس پر سختی سے عمل کیجیے اور اس کا بھی کوئی حل تلاش ہونا چاہیے کہ آخر آپ بار بار بیمار کیوں پڑتے ہیں؟ اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ کسی اچھے ہسپتال میں مکمل چیک اَپ کرایا جائے۔ مَیں نے یہی کیا اور خدا کا شکر ہے کہ اب بالکل ٹھیک ہوں۔

ارمغان علمی کا نام اب ارمغانِ تاخیر رکھ دیا جائے تو بہتر ہو گا۔ اس کام میں مسلسل تاخیر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ نصف درجن مقالہ نگار اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں، باقی کو خدا اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ تحسین فراقی صاحب اگر وقت نہیں نکال پاتے تو آپ ڈاکٹر اورنگ زیب اور عزیزی رفاقت علی شاہد سے کام لیجیے۔

جعفر بلوچ نے پچھلے دو دن کراچی میں گزارے۔ اُن سے لاہور کے دوستوں کا ذکر رہا۔ اچھا وقت گزرا۔

صحیفہ کا تازہ شمارہ (نمبر ۱۵۲) آپ نے دیکھا ہو گا۔ ڈاکٹر معین الرحمٰن نے ڈاکٹر وحید قریشی کا ذکر نہایت سوقیانہ پیرائے میں کیا ہے۔ پڑھ کر افسوس ہوا[۱]۔

۱۔ یہ مضمون 'یونی ورسٹیوں میں مطالعۂ غالب کے پندرہ سال' (۱۹۸۳ء-۱۹۹۷ء) کے عنوان سے صحیفہ لاہور (جولائی۔ ستمبر ۱۹۹۷ء) میں شائع ہوا تھا۔ اس میں صاحبِ مضمون نے ایک جگہ محمد ایوب شاہد (پ: ۵/ جنوری ۱۹۵۱ء) کے پی ایچ ڈی کے مقالے شارحینِ غالب کا تنقیدی مطالعہ (مطبوعہ: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور) پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا: .... ←

اپریل میں اسلام آباد جانا ہوگا۔ ممکن ہوا تو آپ سے اور دوسرے دوستوں سے ملاقات کے لیے ایک دن کے لیے لاہور بھی آؤں گا۔ پچھلے نومبر میں آپ سے ملاقات نہ ہونے کی تلافی تو کرنی ہی ہے۔

آپ کی صحت وشادمانی کی دعاؤں کے ساتھ:

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۳۔۳۔۹۸ء

....

۹۳

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

منسلکہ خط لکھ کر لفافہ بند کر چکا تھا کہ ابھی کچھ دیر پہلے آپ کا مکتوب مورخہ ۸؍ مارچ موصول ہوا[۱]۔ دیباچہ مَیں نے دیکھا، اس میں تین جگہ ترمیم تجویز کرتا ہوں۔ بعض لوگ 'سالہا سال' کو درست نہیں سمجھتے۔ مَیں نے لکھا تھا تو اس پر اعتراض کیا گیا تھا۔ 'سالہا سال' کے بعد 'تک' کا استعمال بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ 'صدارتی تمغا برائے حُسن کارکردگی کا اعزاز عطا کیا'۔ اس کے بجائے 'صدارتی اعزاز برائے حسن کارکردگی عطا کیا' ہو تو اچھا ہے۔ 'مرتبین' سے پہلے 'نیاز مند' کی ضرورت نہیں۔

مشمولات کی فہرست موضوع وار بنانی مشکل ہے۔ الفبائی ترتیب اس لیے مناسب نہیں کہ بعض غیر اہم مضمون نگاروں کے مضامین پہلے آ جائیں گے۔ میری رائے میں شروع کے چھ مضامین ان حضرات کے ہوں، باقی آپ جیسے مناسب خیال فرمائیں، شامل فہرست کر لیں:

بقیہ: 'اس کام کو تحقیقی قرار دینے کے لیے ڈاکٹر وحید قریشی ایسا معتبر قلم یا ڈیل ڈول چاہیے۔' محمد ایوب شاہد نے مذکورہ مقالہ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کی نگرانی میں تحریر کیا تھا اور وہی اس کے ناشر بھی تھے۔ شاہد صاحب اِن دنوں (۲۹؍ اگست ۲۰۰۷ء) گورنمنٹ کالج، اٹک میں اردو زبان وادب کے استاد ہیں۔

(۹۳)

۱۔ ان دنوں ارمغان علمی کی تیاری اور کتابت بالکل آخری مراحل میں تھی۔ بعض امور میں خواجہ صاحب کا مشورہ مطلوب تھا، یہ خط اسی سلسلے میں لکھا گیا تھا۔

۱۔ڈاکٹر نذیر احمد،۲۔مفتی محمد رضا فرنگی محلی ،۳۔ڈاکٹر وزیر آغا،۴۔ڈاکٹر گوپی چند نارنگ،۵۔رشید حسن خاں،۶۔شان الحق حقی۔

مقالہ نگاروں کے کوائف میں غلطیاں اور کمیاں خاصی ہیں۔مَیں نے سبز روشنائی سے تصحیح کردی ہے،اسے آپ ملاحظہ فرمالیں۔

پہلے مقالوں کی فہرست ہو(عنوان 'فہرست' کافی ہے)اور پھر کوائف (اس کا عنوان 'مقالہ نگار' مناسب ہے)۔

مجموعے کا انتساب ہرگز کسی کے نام نہیں ہونا چاہیے۔اس قسم کے مجموعے کسی کے نام منسوب نہیں کیے جاتے۔اصل انتساب تو اُس کے نام ہوتا ہے،جس کی خدمت میں کتاب پیش کی جاتی ہے،اور یہ انتساب آپ کر ہی چکے!

مقالہ نگاروں سے متعلق چار صفحات واپس بھیج رہا ہوں۔

جناب! آپ قدم قدم پر مشورہ نہ کیجیے۔جو جی میں آئے،کر گزریے۔مشوروں سے کام بگڑتا ہے۔

خیر اندیش

مشفق خواجہ

۱۳۔۳۔۹۸ء

....

۹۴

برادرِ عزیز و مکرم،سلام مسنون

چند روز قبل ایک لفافہ پوسٹ کر چکا ہوں،جس میں آپ کے نام دو خط تھے،مقالہ نگاروں کے کوائف بھی تھے۔اُمید ہے،یہ لفافہ ملا ہوگا۔آج کی ڈاک سے آپ کا پوسٹ کارڈ ملا۔آپ نے تاریخ تو نہیں لکھی،پنجاب یونی ورسٹی کے ڈاک خانے کی مہر ۱۱/مارچ کی ہے۔

مَیں لکھ چکا ہوں کہ ارمغان کا انتساب کسی کے نام نہیں ہونا چاہیے۔یہ تو پوری کتاب ڈاکٹر وحید قریشی کے نام منسوب ہے،کسی دوسرے کو 'شریک نسبت' کرنا،کیا معنی!

احمد ندیم قاسمی صاحب کا دیباچہ مل جائے تو اس کی نقل مجھے ضرور بھیجیے گا۔بہ حیثیت صدر

مجلس ادارت اُن کی تحریر کتاب میں ضرور شامل ہونی چاہیے۔

ٹائٹل کے سلسلے میں میری گزارش ہے کہ بالکل سادہ ہونا چاہیے۔ مجلس ادبیاتِ مشرق کی شائع کردہ کتاب خطوطِ رشید احمد صدیقی آپ کے پاس ہوگی۔ اگر ایسا ہی ٹائٹل ہو تو بہت اچھا لگے گا۔

آپ نے ارمغان کو اپریل تک شائع کر دینے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ اگر سنہ کی صراحت بھی ہو جاتی تو کرم ہوتا۔

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اب آپ کی صحت بہت بہتر ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ کی صحت اُن سب لوگوں کی صحت ہے، جو آپ سے محبت کا رشتہ رکھتے ہیں، لہٰذا آپ ہماری خاطر بھی اپنی صحت کا خیال رکھا کیجیے۔

آپ کا خیر اندیش

مشفق خواجہ

۱۷-۳-۹۸ء

....

۹۵

برادرِ مکرم و محترم، سلام مسنون

اب کے تو آپ نے کرم کی انتہا کر دی۔ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے اپنا بہت سا قیمتی وقت مجھ پر صرف کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا یہ تفریحی سفر آپ کی عنایت سے خاصا بامعنی بن گیا۔ سب سے اہم بات یہ کہ اس کا اطمینان ہو گیا کہ ارمغان جلد شائع ہو جائے گا۔ اُمید ہے، اسلام آباد میں آپ نے عارف نوشاہی صاحب کو بھی مطمئن کر دیا ہوگا کہ وہ اس سلسلے میں بہت پریشان تھے۔ احمد ندیم قاسمی صاحب سے مَیں نے دیباچے کی بات کر لی تھی۔ اُنھوں نے آپ کے خط اور فون کا تذکرہ کیا تھا۔ اُمید ہے، اُنھوں نے اب تک دیباچہ لکھ دیا ہوگا۔

میرے پاس ایک کتاب ہے تحفۂ اسامیہ جو فارسی نظم میں ہے اور مولوی نجف علی خاں کی تصنیف ہے۔ یہ نجف علی خاں افغانستان کے امیر امان اللہ کے اتالیق تھے۔ اس پر علامہ اقبال کی ایک سطری 'تقریظ' ہے۔ کیا یہ کتاب آپ کی نظر سے گزری ہے؟ اگر نہیں تو مَیں متعلقہ حصوں کا

عکس بھیج سکتا ہوں[۱]۔

لاہور سے واپس آنے کے بعد جمع شدہ ڈاک کے دیکھنے میں کئی دن صرف ہو گئے۔ چالیس پچاس کتابیں ہندوستان سے آئی ہیں۔ ان میں سے بعض واقعی بہت اچھی ہیں۔ خصوصاً محمد سالم قدوائی[۲] کی کتابیں، جو علما و مشاہیر سے متعلق ہیں۔ ایک کتاب اُنھوں نے پروفیسر عبدالعلیم کے بارے میں مرتب کی ہے۔ ایک دلچسپ اور ضخیم کتاب قند مکرر ہے۔ اس میں رام لعل[۳] کے نام ادیبوں کے خطوط ہیں۔ بعض ادیب تو ان خطوں میں اس طرح نظر آتے ہیں، جیسے کسی حمام میں ہوں۔ اگر مَیں کالم لکھتا تو تین چار کالم تو اس پر آسانی سے لکھے جا سکتے تھے۔

آج ہی پٹنہ سے خدا بخش جرنل آیا ہے۔ اس میں علامہ اقبال کے بارے میں تین مضامین ہیں۔ ایک ملتان میں اقبال شناسی کے بارے میں (اسد فیض) اور ایک پاکستان میں اقبال شناسی (ڈاکٹر صدیق شبلی)۔ اس مضمون میں آپ کا ذکر خیر بھی ہے، لیکن سب سے عمدہ مضمون پروفیسر سید حسن احمد کا ہے۔ 'اقبال و آزاد (ابوالکلام) کے مابین تفاوتِ رہ'۔ اس موضوع پر اس سے بہتر مضمون میری نظر سے نہیں گزرا۔ یہ آپ ضرور ملاحظہ فرمائیے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۹-۴-۹۸ء

....

۹۶

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کے دونوں خط مل گئے، شکر گزار ہوں۔ آپ نے اپنے والد بزرگوار مرحوم و مغفور کے بارے میں جو مضمون لکھا ہے[۱]، اسے پڑھ کر آپ کے لیے اور مرحوم کے لیے دل سے دعا نکلی۔

۱۔ ۱۹۹۴ء میں خواجہ صاحب مجھے یہ تقریظ بھیج چکے تھے۔ دیکھیے خط ۶۷

۲۔ ڈاکٹر محمد سالم قدوائی (پ: ۱۵ر نومبر ۱۹۳۸ء) مورخ اور محقق۔ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں استاد رہے۔

۳۔ رام لعل (پ: ۳ر مارچ ۱۹۲۳ء) معروف ادیب اور افسانہ و ناول نگار۔ آبائی تعلق میانوالی سے ہے۔

(۹۶)

۱۔ والد مرحوم (محمد محبوب شاہ ہاشمی: م ۱۳ر جنوری ۱۹۹۸ء) کے بارے میں یہ مضمون ←..........

آپ نے مجھے ایک پیکرِ عمل سے متعارف کرایا اور مرحوم نے کام کرنے والوں کے لیے ایک روشن مثال چھوڑی۔ دراصل کسی تحریک کی کامیابی کی بنیاد مخلص کارکن ہی ہوتے ہیں، جو کسی صلے اور نام و نمود کی خواہش کے بغیر اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔ آسودہ حال لوگ دراصل اس قسم کے کام کر ہی نہیں سکتے کہ آسودگی کی خواہش راستے کا پتھر بن جاتی ہے۔ آپ کے دادا جان کا کردار بھی مثالی تھا۔ وہ اگر اپنے بیٹوں کو تحصیل علم کے لیے مشکلات اٹھانے کا راستہ نہ دکھاتے تو ان کے بیٹے اور پوتے آج بھی کاشت کار ہوتے اور اس خاندان میں کوئی رفیع الدین ہاشمی پیدا نہ ہوتا۔ آپ کے والد مرحوم کو ان کی نیکیوں کا اجر تو اگلے جہان میں مل رہا ہوگا، لیکن ایک انعام اسی دنیا میں مل گیا، اور وہ انعام آپ ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ مرحوم کی مفصل سوانح عمری لکھیں کہ یہ نئی نسل کے لیے بہت کچھ سیکھنے کا ذریعہ ہوگا۔ سوانح عمری صرف ان لوگوں کی نہیں لکھی جاتی، جو اصطلاحی معنوں میں بڑے ہوں۔ بڑے لوگ وہ بھی ہیں، جو اپنے پیچھے بقول مخدوم: کام چھوڑتے ہیں، نام نہیں چھوڑتے، لہٰذا ان کی سوانح عمری بھی لکھی جانی چاہیے۔

خدا کرے، اب تک عارف نوشاہی کا ارسال کردہ ارمغان کا لوازمہ آپ کو مل چکا ہو اور کتاب پریس چلی گئی ہو۔ دیباچہ مَیں نے دیکھ لیا، بہت عمدہ ہے؛ البتہ ایک بات درست نہیں کہ میرا نام محمود شیرانی اور مولوی محمد شفیع کے ساتھ اساتذۂ تحقیق میں شامل کیا گیا ہے۔ مَیں ان اساتذہ کی خاکِ پا بھی نہیں اور ان کے ساتھ میرا نام لینا ایک ادبی کفر ہے۔ احمد ندیم قاسمی صاحب مجھ سے محبت فرماتے ہیں، یہ میرے لیے باعث فخر ہے، مگر میرا نام اس طرح چھپے گا تو اس سے اہلِ نظر خوش گوار اثر نہیں لیں گے۔ میری گزارش ہے کہ آپ اس دیباچے میں سے میرا نام حذف کردیں۔ قاسمی صاحب سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بعد میں اگر وہ پوچھیں گے تو مَیں جواب دہ ہوں گا۔ یہ بہت ضروری ہے۔ اُمید ہے، آپ توجہ فرمائیں گے اور اگر ایسا نہ ہوا تو مجھے ناقابلِ تلافی رنج ہوگا۔ ہاشمی صاحب! ہر آدمی اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہے، مگر مَیں مزاجاً اس سے رنجیدہ ہوتا ہوں، کیونکہ مَیں خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ مَیں کتنے پانی مَیں ہوں۔ آپ یقین کیجیے کہ قاسمی صاحب کے دیباچے میں اپنا نام اس انداز سے دیکھ کر مجھے خوشی نہیں ہوئی، کیونکہ مَیں ہرگز ہرگز ان الفاظ کا مصداق نہیں ہوں[۲]۔

بقیہ: ہفت روزہ ایشیا لاہور کے شمارہ ۳۰/اپریل ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا تھا۔

۲۔ ارمغان علمی کی 'تقدیم' میں جناب احمد ندیم قاسمی نے لکھا تھا: 'بطور خاص علمی تحقیق میں انھی [ڈاکٹر وحید قریشی صاحب] کو استاد کا مقام حاصل ہے اور وہ حافظ محمود شیرانی، مولوی محمد شفیع، (باقی اگلے صفحے پر)

آپ نے اپنے کتب خانے کے بارے میں گنجایش کی جو بات لکھی ہے، بالکل درست ہے۔ مَیں نے تو لائبریری کے لیے دس کمرے مخصوص کیے تھے اور اب وہ بھی کم پڑ گئے ہیں۔ میری تجویز یہ ہے کہ آپ اپنے پاس صرف وہ کتابیں رکھیں، جن کا رکھنا بے حد ضروری ہے۔ باقی تمام کتابیں فروخت کر دیجیے۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ آپ جن کتابوں کو الگ کرنا چاہتے ہیں، اُن کی فہرست بنائیے اور یہ فہرست مجھے بھیج دیجیے۔ مَیں یہ فہرست سردار مسعود احمد صاحب جھنڈیر کو بھیج دوں گا اور اُن سے کہوں گا کہ آپ جو رقم بھی دینا چاہیں، دے دیں۔ سردار صاحب کتابوں کے اور اہلِ علم کے بڑے قدردان ہیں۔ مجھ پر بڑے مہربان ہیں، اس لیے وہ نہایت مناسب رقم پیش کر دیں گے۔ فہرست کا ہونا ضروری ہے۔ آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔ خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲-۵-۹۸ء

....

۹۷

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

کہاں تو آپ ایک کے پیچھے دوسرا خط لکھتے ہیں اور کہاں دو دو مہینے خبر ہی نہیں لیتے۔ خط کا جواب بھی نہیں دیتے۔

ارمغان وحید تو اب خوابِ رفتہ ہوتا نظر آ رہا ہے۔ معلوم نہیں، یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا، اور بیٹھے گا بھی یا نہیں![۱]

بقیہ: پروفیسر رشید حسن خاں اور جناب مشفق خواجہ کے سے اساتذۂ تحقیق کی صف میں شامل ہیں'۔ خواجہ صاحب نے بعد کے خطوں میں بھی اصرار کیا کہ ان کا نام نکال دیا جائے، چنانچہ ان کے پیہم اصرار پر ہم نے ان کا نام حذف کر دیا تھا۔

(۹۷)

۱۔ ارمغان علمی کی اشاعت میں مسلسل تاخیر کے سبب خواجہ صاحب کی پریشانی بجا تھی۔ بالآخر کتاب دو ماہ بعد ستمبر میں چھپ کر آ گئی۔

سنا ہے کہ آپ کا سفر نامہ اندلس چھپ گیا ہے۔ علامت میں تبصرہ چھپ گیا، مگر حیرت ہے کہ میرے پاس نہیں آیا[۲]۔ مَیں نے ڈاکٹر تحسین فراقی صاحب کو لکھا ہے کہ جو کتاب دینی مدارس کے نصاب میں شامل ہونے کے لائق ہو، مَیں اُس کا مستحق کیوں کر ہو سکتا ہوں۔

مَیں نے اقبال کی تقریظ سے متعلق جس کتاب کے بارے میں لکھا تھا، اُس کا ایک صاف ستھرا نسخہ محمد عالم مختارِ حق صاحب کے پاس ہے۔ میرا نسخہ خستہ حالت میں ہے۔ تقریظ کی عبارت سنہری حروف میں ہے، اس کا عکس نہیں بن سکتا۔ محمد عالم صاحب کے نسخے سے بنوا لیجیے۔

میرے خطوط سامنے رکھ کر جواب تحریر فرمائیے۔

اورینٹل کالج میگزین کا جو خصوصی شمارہ آپ نے مرتب کیا ہے[۳]، وہ مجھے نہیں ملا۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۔۷۔۹۸ء

....

۹۸

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کو خط لکھنے کے ساتھ ہی مَیں جواب کا انتظار کرنے لگتا ہوں۔ اب کے جواب نہیں آیا تو تشویش ہوئی۔ مَیں نے تحسین صاحب کے نام کے خط میں اس تشویش کا اظہار بھی کیا۔ آپ کا خط آیا تو معلوم ہوا کہ طبیعت ناساز تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اب آپ صحت یاب ہو چکے ہیں۔ مَیں نے جو خط لکھا تھا، اُس میں کئی باتیں جواب طلب تھیں۔ ازرہِ کرم وہ خط تلاش کیجیے اور جواب لکھیے۔ ایک بات یاد ہے، جو مَیں نے احمد ندیم قاسمی صاحب کے دیباچے کے بارے میں لکھی تھی

۲۔ 'سفر نامۂ اندلس' کا پہلا متن نقوش میں شائع ہوا تھا۔ اسی پر علامت کے مدیر سعید شیخ صاحب نے مفصل تبصرہ کیا تھا۔ کتابی صورت میں تو وہ مارچ ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا۔

۳۔ یہ ۱۹۹۷ء کا شمارہ تھا، جس میں اورینٹل کالج کے موجودہ اساتذہ کے کوائف جمع کیے گئے تھے۔ بعد ازاں اسے اورینٹل کالج کے موجودہ اساتذہ: کوائف اور علمی خدمات کے عنوان سے کتابی شکل دی گئی تھی۔

کہ اس میں سے میرا نام کاٹ دیجیے۔ مَیں نے تحسین صاحب سے بھی یہ گزارش کی تھی۔ اُن کا جواب آ گیا کہ میری گزارش مان لی گئی[۱]۔

سفر نامے کے پروف مل گئے ہیں۔ اس کے دو تین باب تو مَیں پہلے پڑھ چکا ہوں۔ بہر حال مَیں اِن شاء اللہ لفظ بلفظ مطالعہ کروں گا۔ مَیں دو چار صفحے لکھ دوں گا[۲]، مگر آپ وقت کی آخری حد بتا دیجیے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ سفرنامے کو بغور پڑھنے کے لیے کم از کم ایک مہینہ درکار ہوگا۔ لکھنے میں مَیں اتنا کاہل ہوں کہ سوائے خطوں کے، زندگی میں کوئی تحریر قلم برداشتہ نہیں لکھی۔ یہاں تک کہ کالم کے بھی کم از کم دو مسودے ہمیشہ تیار کیے۔

اقبال اکیڈمی میں بیٹھ کر کام کرنے کی بات سمجھ میں نہیں آئی[۳]۔ میرا خیال ہے کہ آنے جانے میں وقت ضائع ہوگا، دوسرے وہاں ملنے جلنے والے بھی وقت ضائع کریں گے۔ گھر میں جس آرام اور سہولت سے کام ہو سکتا ہے، دوسری جگہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں کتب حوالہ یا لائبریری کے استعمال کے سلسلے میں ہفتے میں ایک روز چلے جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ آپ کی لائبریری میں اتنا کچھ ہے کہ اقبال اکیڈمی کی لائبریری سے استفادے کی ضرورت کم ہی محسوس ہوگی۔ اس سلسلے میں مجھے اَور بھی اندیشہ ہے، جس کا اظہار کر دینا ضروری ہے۔ جہاں دوستی کا معاملہ ہو، وہاں ہر معاملے میں احتیاط ضروری ہے۔ بعض لوگ تعلقات کی نوعیت کے مطابق روّیہ بنا لیتے ہیں۔ سہیل عمر بہت اچھے آدمی ہیں، لیکن اکیڈمی سے باقاعدہ تعلق کی صورت میں ان کا روّیہ تبدیل ہو سکتا ہے......

عارف نوشاہی صاحب کی ملازمت کے ختم ہونے کی افسوس ناک اطلاع مل گئی تھی[۴]۔ خدا کرے، اُنھیں کوئی بہتر کام مل جائے۔ اُن کی صحیح جگہ کوئی یونی ورسٹی ہی ہو سکتی ہے۔ ارمغان پانچ سو ہی کی تعداد میں چھپے، مگر چھپے تو! اس میں خاصا وقت صرف ہو گیا، توجہ فرمایئے۔ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب سے آپ گاہے بگاہے ملتے رہیے۔ جو شخص زندگی بھر انجمن آرائیاں کرتا رہا ہو، وہ خانہ نشیں ہو جائے تو اُس پر قیامت گزر جاتی ہے۔ ہر شخص مشفق خواجہ نہیں ہو سکتا کہ مہینوں گھر سے باہر

۱۔ دیکھیے: خط ۹۶، حاشیہ ۲۔

۲۔ خواجہ صاحب ایک مختصر تقدیم ہی لکھ سکے، جو پوشیدہ تِری خاک میں شامل ہے۔

۳۔ تعطیلات میں راقم اور تحسین فراقی نے اقبال اکادمی کے خنک ماحول میں جا بیٹھ کر اپنے اپنے زیرِ تحقیق و تصنیف کام کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا، جو ایک ڈیڑھ ماہ تک چلتا رہا۔

۴۔ ادارہ تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد سے ان کی وابستگی ختم ہو گئی تھی۔

نہ نکلے اور خوش رہے۔ میرزا ادیب صاحب سے بھی [کبھی] کبھار مل لیا کیجیے۔ مجھے اُن کی طرف سے تشویش رہتی ہے۔ انھیں بھی یہی شکایت ہے کہ کوئی اُن سے نہیں ملتا۔ محمد ایوب صابر صاحب[5] نے ایبٹ آباد آنے کی دعوت دی تھی، جسے مَیں نے شکریے کے ساتھ قبول کر لیا تھا، لیکن یہ بھی لکھ دیا تھا کہ مَیں اپنی بنائی ہوئی زنجیروں میں اس طرح جکڑا ہوا ہوں کہ ان زنجیروں کو مَیں خود بھی نہیں توڑ سکتا۔

کچھ دن ہوئے، مَیں نے زاہد منیر عامر صاحب کے ذریعے ایک خط بھیجا تھا۔ اُمید ہے، ملا ہوگا۔ علامت میں تبصرے سے مَیں سمجھا تھا کہ سفرنامہ چھپ گیا ہے۔ مَیں نے یہ بھی لکھا تھا کہ اورینٹل کالج میگزین کا جو شمارہ آپ نے مرتب کیا ہے، وہ بھجوا دیجیے[6]۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۸۔۷۔۹۸ء

....

۹۹

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

وہ شخص کتنا خوش قسمت ہے، جسے آپ جیسے صاحبِ نظر کی محبّت حاصل ہو۔ میرا شمار ایسے ہی خوش قسمتوں میں ہے۔ آپ نے کتنا قیمتی وقت میرے ساتھ صرف کیا۔ میرے لیے لاہور اور آپ مترادفات کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ کی عنایتوں کا شکریہ اس لیے ادا نہیں کروں گا کہ اس قسم کے رسمی کام مجھے نہیں آتے۔ اور پھر مَیں آپ کو خط لکھ رہا ہوں کسی کتاب کا دیباچہ نہیں لکھ رہا، جو اس قسم کی باتیں لکھوں۔

آپ نے ڈاکٹر آفتاب احمد کی کتاب[1] دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی، یہ پیش کر رہا ہوں۔

۵۔ ڈاکٹر محمد ایوب صابر سابق صدر شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج، ایبٹ آباد، اقبال کے متخصص دیکھیے: خط ۳۸، حاشیہ ا۔

۶۔ راقم نے اساتذہ کے کوائف پر مشتمل مطلوبہ شمارہ بھجوا دیا۔ دیکھیے: خط ۹۷، حاشیہ ۳۔

(۹۹)

ا۔ یہ کتاب تھی: بیادِ صحبتِ نازک خیالاں از ڈاکٹر آفتاب احمد خاں (دیکھیے: خط ۸۱، حاشیہ ۲)۔ کتاب بعض شخصیات پر ان کے نہایت دلچسپ مضامین کا مجموعہ ہے۔

آپ اس کتاب کو پڑھ کر خوش ہوں گے۔ اس کتاب کو مَیں بھی نیکیوں میں شمار کرتا ہوں کہ اس کے بیشتر مضامین، جیسا کہ مصنف نے دیباچے میں لکھا ہے، میری فرمایش پر لکھے گئے تھے۔ اب مَیں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا ہے کہ وہ اپنی خود نوشت بھی لکھ ڈالیں۔ اب کے اسلام آباد میں ان سے اس موضوع پر تفصیلی گفتگو ہوئی اور خوشی کی بات ہے کہ مَیں نے اُنھیں رضامند کرلیا۔

آپ کے سفرنامے کو دیکھنا شروع نہیں کیا۔ اِن شاءاللہ اگلے چند روز میں اسے پڑھ ڈالوں گا۔

اب کے لاہور میں پروفیسر محمد اسلم صاحب اور صلاح الدین محمود صاحب [۲] کی کمی بہت محسوس ہوئی۔ خدا مغفرت کرے، دونوں اپنے اپنے انداز کے خوب صورت اور خوب سیرت انسان تھے۔ اسلم صاحب کے پاس اقبال شیدائی [۳] سے متعلق میرے جو کاغذات ہیں، اُن کو حاصل کرنے کی کوشش کیجیے۔ یہ بہت نادر اور قیمتی کاغذات ہیں۔ اور اگر ہو سکے تو شیدائی کے نام مولوی عبدالحق کے خطوط کی جو فوٹو اسٹیٹ اسلم صاحب کے پاس تھیں، وہ بھی حاصل کر لیجیے اور اُنھیں آپ ہی مرتب فرما دیجیے۔ مَیں نے اقبال شیدائی کے جو کاغذات دیے تھے، وہ خاکی رنگ کے لفافے میں ہیں۔ لفافے پر اقبال شیدائی کا نام اور دائرے میں نمبر ۲۶۵ لکھا ہے۔ اس نمبر کا لفافہ شیدائی کے کاغذات کے لیے مخصوص ہے [۴]۔

امید، ہے ارمغان کی جلد سازی ہوگئی ہوگی۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۹-۱۰-۹۸ء

....

۱۰۰

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

بے حد شرمندہ ہوں کہ بہت تاخیر سے خط لکھ رہا ہوں۔ دراصل اس دوران مَیں بہت سے

۲۔ صلاح الدین محمود (م: ۱۹۹۸ء) شاعر، ادیب اور نقاد۔ اپنی وضع کی ایک منفرد اور حد درجہ نستعلیق شخصیت۔ پیشے کے لحاظ سے انجینئر تھے۔

۳۔ اقبال شیدائی (۱۸۸۰ء-۱۹۷۴ء) معروف انقلابی شخصیت، مولانا عبیداللہ سندھی کے قریبی رفیق۔

۴۔ کاغذات مل گئے تھے اور خواجہ صاحب کو بھیج دیے گئے تھے۔

ایسے کاموں میں مصروف رہا، جو میرے معمول کے خلاف تھے، مثلاً مہمانوں کی بے تحاشا آمد۔ ادبی مہمان بھی اور غیر ادبی بھی۔ آمنہ کے اور خود اپنے علاج کے سلسلے میں بار بار اسپتال جانا، بے شمار نئی کتابوں کا آنا۔ امید ہے، آپ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر خط نہ لکھنے کی معذرت قبول فرمائیں گے۔

ارمغانِ علمی کے ۳۹ نسخے مل گئے تھے[1]۔ جلد سازی کے بعد کتاب کی ظاہری صورت بھی اچھی خاصی نکل آئی ہے۔ اس کی تقسیم شروع کر دی ہے۔ اِن شاء اللہ تبصرے بھی جلد شائع ہوں گے۔ کتابوں کی تقسیم کے لیے آپ نے جو فہرست بھیجی تھی، وہ گم ہو گئی ہے۔ ازرہِ کرم دوبارہ یہ فہرست بھیج دیجیے۔ معین الدین عقیل صاحب کا فون آیا تھا۔ وہ آج کل کراچی میں ہیں۔ اُن کا نسخہ انھیں دے دوں گا۔ ہندوستان کے نسخے اگلے چند روز میں روانہ کروں گا۔

ڈاکٹر عبدالمغنی صاحب کے قیام کا انتظام یہاں عمدہ ہو گیا تھا۔ دو بار انھیں انجمن ترقی اردو میں بطورِ خاص مدعو کیا گیا۔ دو مرتبہ وہ غریب خانے پر تشریف لائے۔ طویل ملاقاتیں ہوئیں[2] اور دلچسپ باتیں ہوئیں۔ دوسری مرتبہ مَیں نے اُنھیں اَور کچھ احباب کو ایک ہوٹل میں کھانے پر مدعو کیا۔ طاہر مسعود صاحب سے انٹرویو کے لیے کہا، اور یہ میرے گھر پر ہی ہوا۔ ڈاکٹر عبدالمغنی کی بعض باتیں نہایت تعجب انگیز ہیں، مثلاً انتظار حسین کو وہ سرے سے افسانہ نگار ہی نہیں مانتے اور نسیم حجازی کو قرۃ العین حیدر سے بڑا ناول نگار مانتے ہیں۔ محفلِ احباب میں مَیں نے اُن سے چبھتے ہوئے سوال کیے اور اُن کے کاموں کی داد ان الفاظ میں دی کہ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ تو یہ ہے کہ آپ نے غالب اور قرۃ العین حیدر پر کتابیں لکھ کر ان دونوں کو مشرف بہ اسلام کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب کا سنجیدگی سے یہ خیال ہے کہ غالب بہت پکا مسلمان تھا اور اُس کی رِندی و آوارگی کی داستانیں جھوٹی ہیں۔ ایک موقع پر اُنھوں نے اس سے انکار کیا کہ اُن کا جماعت اسلامی سے کوئی تعلق ہے۔ اس پر مَیں نے گزارش کی کہ آپ علی الاعلان ایسی بات نہ کریں، اگر جماعت اسلامی سے آپ بے تعلق ہو گئے تو جماعت، خانۂ بے چراغ ہو جائے گی کہ اُس کے پاس لے دے کر ایک آپ ہی تو ادبی نقاد ہیں۔ اس جملے سے وہ خود بھی محظوظ ہوئے۔

گزشتہ ہفتے سہیل عمر اور اکرام چغتائی دو دِن کے لیے کراچی آئے تھے۔ ایک شام میرے

۱۔ جیسا کہ خواجہ صاحب نے آگے چل کر (خط ۱۰۲ میں) ذکر کیا ہے، انھیں ۲۹ (نہ کہ ۳۹) نسخے بھجوائے گئے۔

۲۔ ڈاکٹر عبدالمغنی ان دنوں تیسری علامہ اقبال عالمی کانگریس (پنجاب یونی ورسٹی، لاہور، ۹ تا ۱۱/ نومبر ۱۹۸۸ء) میں شرکت کے بعد لاہور سے کراچی گئے تھے۔ مزید دیکھیے: خط ۲۷، حاشیہ ۲۔

ساتھ بھی گزاری......

ڈاکٹر تحسین فراقی کہاں ہیں؟ جب سے وہ پنجاہ ہزاری ہوئے ہیں[۳]، اُن کا مزاج ہی نہیں ملتا۔ کتاب بھیجوں تو رسید نہیں دیتے، خط لکھوں تو جواب نہیں دیتے۔ دو ہفتے ہوئے، اُن کی ایک شاگرد کا فون آیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب عنقریب آپ کو خط لکھیں گے۔ اس خوش خبری کا شکریہ ادا کر دیجیے۔

مجھے شرمندگی ہے کہ مَیں اب تک آپ کا سفرنامہ نہیں پڑھ سکا، لیکن اب مزید تاخیر نہیں ہوگی اور بہت جلد واپس بھجوا دوں گا۔ رسالہ اردو کے آپ کے مطلوبہ شمارے کے لیے دفتر کو ہدایت کر دی ہے۔ تازہ شمارے کے ساتھ یہ آپ کو جلد ہی ملے گا۔ اقبال سے متعلق کتابیں تلاش کر کے آپ کو بھجوا دوں گا۔ ادا جعفری پر ایک کتاب شائع ہوئی ہے، اس کے چھ نسخے ارسال ہیں۔ ہر نسخے پر ایک نام لکھا ہے اور جس پر نام نہیں وہ ترجمان القرآن کے لیے ہے۔ اس پر آپ تبصرہ کر دیں تو کرم ہوگا۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۵-۱۲-۹۸ء

....

۱۰۱

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آج ہی آپ کا لفافہ ملا۔ ڈاکٹر عبدالمغنی کا انٹرویو خاصا 'خندہ آور' ہے۔ موصوف خاصے انتہا پسند ہیں اور غضب یہ ہے کہ جن ادیبوں کی تحریریں نہیں پڑھیں، اُن کے بارے میں بھی رائے دینے سے دریغ نہیں کرتے۔ ہندوستان کے سنجیدہ ادبی حلقوں میں بھی، اسی وجہ سے، انھیں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ جو شخص ش مظفر پوری[۱] کو قاضی عبدالودود اور کلیم الدین احمد کے برابر جگہ دیتا

۳۔ تحسین صاحب کو ان کے مجموعۂ مضامین اقبال...... چند نئے مباحث (اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۷ء) پر ۱۹۹۷ء کا 'وزیر اعظم ادبی اوارڈ' ملا تھا۔ 'پنجاہ ہزاری' سے اس رقم (پچاس ہزار روپے) کی طرف اشارہ ہے، جو مذکورہ اوارڈ کے ساتھ دی جاتی تھی۔

(۱۰۱)

۱۔ ش مظفر پوری (پ: ۱۹۲۰ء) بھارت کے صوبہ بہار کے ناول و افسانہ نگار اور صحافی۔

ہو، اُس کو سات خون معاف ہونے چاہییں؛ البتہ ایک بات اُنھوں نے صحیح لکھی ہے کہ 'بڑا نقاد تو مَیں خود ہوں۔' افسوس کہ مَیں نے کالم نگاری ترک کردی، ورنہ ایک نہایت عمدہ کالم لکھا جاسکتا تھا[۲]۔

زیب النساء صاحبہ[۳] کے لیے 'مولانا ظفر علی خاں کی اردو نثر' نہایت عمدہ موضوع ہے۔ اس موضوع پر آج تک کام نہیں ہوا، اور میرا خیال یہ ہے کہ مولانا کی نثری خدمات، اُن کی شاعری سے کہیں زیادہ ہیں۔ وہ صاحبِ طرز تھے، اعلیٰ درجے کے مترجم تھے۔ اخلاقی، تاریخی، ادبی، سیاسی اور علمی موضوعات پر اُنھوں نے اتنا کچھ لکھا ہے کہ کئی مجموعے مرتب ہو سکتے ہیں۔ اُن کے کچھ نثری انتخابات شائع ہوئے ہیں، مگر زیادہ تر تحریریں رسالوں اور اخباروں میں منتشر اور دفن ہیں۔ جعفر بلوچ صاحب نے مولانا کے نثری مجموعے اور رسالوں کے مضامین جمع کر رکھے ہیں، اُن سے مدد ملے گی۔ زمیندار کا مکمل فائل لاہور میں ڈاکٹر محمد صادق کے پاس تھا۔ ایک مرتبہ تحسین فراقی صاحب کے ساتھ مَیں اُن کے ہاں گیا تھا۔ اُنھوں نے ایک بہت بڑی دیواری الماری دکھائی تھی کہ اس میں زمیندار کا فائل ہے۔ یہ وہی ڈاکٹر صادق ہیں، جنھوں نے سید احمد شہیدؒ پر ایک کتاب تین جلدوں میں مرتب کی تھی، نیز مولانا ظفر علی خاں کے دو تین نثری انتخابات شائع کیے تھے۔ یہ کام محنت کا اور گھومنے پھرنے کا ہے۔ دیکھ لیجیے کہ یہ طالبہ اس طرح کی محنت کرسکیں گی کہ نہیں۔

ایک موضوع اقبال کے اُن معاصرین کے بارے میں بھی ہوسکتا ہے، جنھوں نے علمی و ادبی کام بڑے پیانے پر کیے، مگر اب زمانہ انھیں بھولتا جا رہا ہے، مثلاً مولوی محبوب عالم، مولوی انشاء اللہ خان، مولوی احمد دین، مولوی الف دین، خوشی محمد ناظر اور مخزن کے متعدد شاعر اور

۲۔ اس انٹرویو (نوائے وقت، لاہور۔ ۲۲ رجنوری ۱۹۹۹ء) میں عبدالمغنی صاحب نے فی الواقع کچھ ایسے بیانات دیے تھے، جنھیں غیر متوازن یا Sweeping Statements کہا جائے گا، مثلاً: احتشام حسین، مجنوں گورکھ پوری اور وارث علوی وغیرہ تنقید کو سرے سے جانتے ہی نہیں۔ شمیم حنفی قابلِ ذکر نہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی سٹنٹ بازی کرتے ہیں۔ وزیر آغا نے زیادہ تر مغرب کے عمرانی اور ثقافتی تصورات کا چربہ اُتارا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر کی میرے نزدیک کوئی خاص پہچان نہیں۔ ڈاکٹر خواجہ زکریا، وحید قریشی وغیرہ کچھ بھی نہیں۔ ظفر اقبال وغیرہ کو مَیں نہیں مانتا۔ انتظار حسین تیسرے درجے کے افسانہ نویس ہیں۔ کرشن چندر کو اردو کا سب سے بڑا افسانہ نگار مانتا ہوں۔ عبدالمغنی نے یہ انٹرویو عمران نقوی کو اورینٹل کالج، لاہور میں دیا تھا۔ اس انٹرویو کے موقع پر ڈاکٹر تحسین فراقی، حفیظ الرحمٰن احسن، جاوید طفیل اور راقم بھی موجود تھے۔

۳۔ زیب النساء، (دیکھیے: خط ۸۹، حاشیہ ۴) طالبہ: پی ایچ ڈی اردو، پنجاب یونی ورسٹی۔ وہ خواجہ صاحب کے مجوزہ موضوع 'مولانا ظفر علی خاں کی اردو نثر' کو عنوانِ تحقیق نہ بنا سکیں۔

مضمون نگار۔ اُن سب سے اقبال کے مراسم بھی تھے۔ عنوان کچھ یوں ہو سکتا ہے: 'اقبال اور اُن کے معاصرین' (پنجاب میں)۔

ایک موضوع 'اورینٹل کالج کے اساتذہ، بیسویں صدی کے ربع اول تک' بھی ہو سکتا ہے۔ اہلِ علم کی پوری ایک کہکشاں کو اس مقالے میں سمیٹا جا سکتا ہے۔

خواجہ ناصر نذیر فراق، خواجہ حسن نظامی، مہدی افادی، خواجہ محمد شفیع پر بھی کام ہو سکتا ہے۔

مبین مرزا صاحب کو مَیں نے ارمغان کا ایک نسخہ پہلے ہی دے دیا تھا، جسارت میں کالم لکھنے کے لیے۔ شاہد علی خاں کو بھیجنے کا ارادہ ہے۔

سید معین الرحمٰن صاحب کا انٹرویو بھی خوب تھا۔ میرے 'پُر پیچ' ہونے کا علم اُنھیں بہت تاخیر سے ہوا[۴]۔ موصوف کے لیے دعائے خیر ہی کی جا سکتی ہے۔

یہ بہت عمدہ تجویز ہے کہ ۱۴ فروری کو ڈاکٹر وحید قریشی کی سالگرہ منائی جائے۔ اس کی صدارت اگر احمد ندیم قاسمی کریں تو اچھا ہے۔ مقررین میں مرزا محمد منور، انتظار حسین، شہزاد احمد تو ضرور ہوں۔

سفرنامہ دیکھ رہا ہوں۔ رفتار سست اس لیے ہے کہ کتابت کی غلطیاں بھی درست کرتا جا رہا ہوں۔ آپ نے تصحیح کی ہے، اس کے باوجود غلطیاں رہ گئی ہیں۔ روزانہ رات کو بارہ سے ایک بجے تک کا وقت اس کام کے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔

تحسین صاحب سے میرا سلام کہیے۔ انھیں جلد ہی خط لکھوں گا۔

ہاں جناب! کئی بار لکھ چکا ہوں کہ اورینٹل کالج میگزین کے جو شمارے پچھلے دو تین برسوں میں شائع ہوئے ہیں، وہ مجھے نہیں ملے۔ خصوصاً وہ شمارہ، جس میں اساتذہ کا 'کچا چٹھا' ہے[۵]۔ توجہ فرمائیے۔

آپ کا خیر اندیش

مشفق خواجہ

۲-۲-۱۹۹۹ء

....

۴۔ معین صاحب نے اپنے کسی انٹرویو میں خواجہ صاحب کی شخصیت کو 'پُر پیچ' قرار دیا تھا۔

۵۔ یہ شمارہ 'اورینٹل کالج کے موجودہ اساتذہ' کے موضوع پر تھا۔ دیکھیے: خط ۹۷، حاشیہ ۳۔

۱۰۲

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آج ہندوستان کتابیں بھیجنے کے لیے پیکٹ بنوائے تو معلوم ہوا، مجھے ۳۰ نہیں ۲۹ نسخے ارمغان کے ملے تھے۔ ان کا حساب منسلک ہے۔ چار نسخے مَیں نے اپنی صواب دید سے دیے ہیں۔ فہرست میں ان کو سرخ روشنائی سے نشان زد کر دیا ہے۔ اب آپ خود حساب کر لیجیے کہ مجھے مزید کتنے نسخوں کی ضرورت ہو گی[1]۔ دو نسخے جو میرے پاس ہیں، وہ ڈان کے لیے ہیں۔

مبین مرزا صاحب نے جسارت میں کالم لکھ دیا ہے، جو اس ہفتے شائع ہو گا۔

ڈاکٹر سہیل بخاری مرحوم کی نئی کتاب تشریحی لسانیات شائع ہوئی ہے۔ اس کے تین نسخے بھیج رہا ہوں۔ باقی دو اورنگ زیب صاحب اور تحسین صاحب کے لیے ہیں۔ مَیں نے یہاں سے چھپنے والی کتابوں پر غنڈہ ٹیکس عائد کر دیا ہے۔ کچھ نسخے حاصل کر کے احبابِ لاہور کو بھجوا دیتا ہوں، مگر یہ احباب بھی خوب ہیں کہ رسید نہیں بھجواتے۔ اس سے پہلے ادا جعفری[2] سے متعلق کتاب بھیجی تھی۔

مَیں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ اورینٹل کالج میگزین کے جس شمارے میں اساتذہ کی خوش اعمالیاں شائع ہوئی ہیں، وہ مجھے نہیں ملا[3]۔ توجہ فرمایئے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

خیر اندیش

مشفق خواجہ

۱۷۔۲۔۹۹ء

....

۱۔ ارمغان علمی کے نسخوں کا ذکر ہے۔ بھارت کے مقالہ نگاروں اور بعض دیگر اہلِ علم کو کتاب بھجوانے کی ذمہ داری خواجہ صاحب نے لی تھی، اس لیے وہاں کے لیے سب نسخے مَیں نے انھیں بھجوا دیے تھے۔

۲۔ ادا جعفری (پ: ۲۲؍اگست ۱۹۲۴ء) معروف شاعرہ۔

۳۔ خواجہ صاحب کو یہ شمارہ بھجوانے میں نہ معلوم کیوں مسلسل تاخیر ہوتی رہی، لیکن بالآخر مَیں نے ۲۶؍فروری ۱۹۹۹ء کو انھیں شمارۂ مذکورہ روانہ کر دیا۔

۱۰۳

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

بے حد شرمندہ ہوں کہ ایک طویل عرصے کے بعد خط لکھ رہا ہوں۔ سفرنامے کا مسودہ بھی بہت تاخیر سے واپس کر رہا ہوں۔ کیا بتاؤں کہ پچھلے تین مہینے کیسے گزرے۔ بیگم، اپنی بہن کے ساتھ ابھی تک اسپتال میں ہیں۔ گھر کا نظام پہلے ہی کون سا ٹھیک تھا، اب تو بالکل چوپٹ ہو گیا۔ یہ گھر نہیں رہا، اقبال اکیڈیمی بن گیا ہے کہ شور زیادہ اور کام کچھ بھی نہیں۔ اسپتال آنا جانا تو لگا رہتا ہی ہے، اس پر مہمانوں کی آمد و رفت، آمد زیادہ اور رفت کم۔ اُس روز فون پر آپ سے کہا تھا کہ کل مسودہ پوسٹ کر دوں گا، مگر مہمانوں کے آ جانے سے وعدہ پورا نہ کر سکا۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ شدید گرمی اور حبس کے ساتھ بجلی غائب۔ کئی راتیں جاگ کر گزاریں۔ مَیں زندگی بھر اکبر کا ہم خیال رہا:

وصل ہو یہ فراق ہو اکبر
جاگنا ساری رات مشکل ہے

بڑھاپے میں ساری رات جاگنے کا تجربہ بھی کر لیا۔

اس دوران آپ کے سفرنامے کے لیے ایک چھوٹا سا فلیپ لکھ دیا ہے، جو منسلک ہے۔ اگر پسند آئے تو سبحان اللہ، پسند نہ آئے تو پھاڑ کر پھینک دیجیے۔ خواہش تو یہی تھی کہ بھرپور دیباچہ لکھوں، مگر...... گیا ہو جب اپنا ہی جیوڑا نکل............

سفرنامے کے پروفوں میں حسبِ توفیق کتابت کی اغلاط کی تصحیح کر دی ہے، سرخ روشنائی سے۔ کہیں کہیں آپ کی عبارت کو بھی تبدیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کوشش کو جرأتِ رندانہ سمجھ کر نظر انداز کر دیجیے، البتہ ایک امر میں احتیاط ضروری ہے کہ ہندی الفاظ کو الف پر ختم کرنے کی درست روش کے ساتھ بعض فارسی الفاظ بھی زد میں آ گئے ہیں (مثلاً پردہ اور نقشہ جیسے الفاظ کو الف پر ختم کرنا درست نہیں)۔ مَیں نے ایسے الفاظ کو بھی درست کر دیا ہے۔

ارمغان کے تمام وہ نسخے، جو ہندوستانی ادیبوں کے لیے تھے، ڈاک سے بھجوا دیے ہیں۔ اس پر جسارت میں کالم اور جنگ میں تبصرہ شائع ہو گیا ہے۔ قومی زبان میں [بھی]۔ امید ہے، یہ تحریریں آپ کی نظر سے گزری ہوں گی۔

ڈاکٹر محمد ایوب شاہد کا مضمون مَیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ کیا یہ مل سکتا ہے؟[۱]

ارمغانِ علمی کی تمام جلدیں تقسیم ہو گئیں۔ دو چار لوگوں کے نسخے امانتاً میرے پاس ہیں (جیسے شان الحق حقی کا)۔ نجم الاسلام صاحب[۲] کو آپ ہی بھجوائیے۔

رفاقت علی شاہد کو مَیں نے خط لکھا ہے کہ وہ یہاں آ جائیں۔ اُن کے لیے نئی ملازمت کی فکر میں ہوں۔ جب رفاقت یہاں آ جائیں تو اُس کے چند روز بعد آپ بھی آ جایئے۔ رفاقت کا پہلے آنا اس لیے ضروری ہے کہ آپ کے قیام کے انتظامات میں وہ میرا ہاتھ بٹا سکیں۔ آپ آئیں تو پھر آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔ یا زیادہ سے [زیادہ] وہ تکالیف ہوں، جو اِس گھر میں قیام کی وجہ سے مَیں اُٹھاتا ہوں۔

آپ نے کسی کے نام پر ایک خط بھیجا تھا، جو دو روپے والے لفافے میں تھا۔ خط مَیں نے دستی پہنچا دیا تھا، لفافہ واپس بھیج رہا ہوں کہ آیندہ کام آئے۔

ایک دلچسپ خبر یہ ہے کہ بیگم آفتاب اقبال نے ایک ضخیم کتاب آفتاب اقبال کے بارے میں لکھی ہے۔ یہ جلد ہی شائع ہو رہی ہے۔ اکبر حیدری کشمیری کی کتاب اقبال کی صحتِ زبان کیا آپ کے پاس ہے[۳]؟

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۷۔۵۔۹۹ء

....

۱۔ ڈاکٹر معین الرحمٰن نے ایک مضمون میں ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کا ذکر بقول مشفق خواجہ: 'سوقیانہ پیرائے' میں کیا تھا (دیکھیے خط۹۲)۔ اس کے جواب میں ایوب شاہد نے نوائے وقت راولپنڈی (۹ر فروری ۱۹۹۹ء) میں ایک مضمون شائع کیا: 'نکل چلی ہے بہت پیرہن سے بُو تیری'۔ خواجہ صاحب یہ مضمون دیکھنا چاہتے تھے۔

۲۔ ڈاکٹر نجم الاسلام (ف: ۱۳ر فروری ۲۰۰۱ء) معروف محقق، نقاد۔ شعبۂ اردو، سندھ یونی ورسٹی سے وابستہ رہے۔ شعبے کے بلند پایہ تحقیقی مجلّے تحقیق کے بانی مدیر۔

۳۔ اقبال کی صحتِ زبان ڈاکٹر اکبر حیدری کشمیری کی تالیف ہے، جس میں اقبال کی شاعری پر معترضانہ اور مدافعانہ مطبوعہ مضامین جمع کیے گئے ہیں۔ زیادہ تر مضامین اردوئے معلی، مخزن اور پندرہ روزہ تالیف و اشاعت لاہور میں شائع ہوئے۔ بیشتر مضامین کا زمانۂ تحریر ۱۹۰۳ء، ۱۹۰۴ء ہے۔

۱۰۴

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

ایک عرصے سے آپ سے رابطہ نہیں۔ آپ کو جولائی کے آخر میں آنا تھا۔ مَیں نے کہلوادیا تھا کہ اگست کے شروع میں آیئے، تا کہ ایک شادی کی مصروفیت سے فارغ ہو جاؤں اور کراچی میں آپ کے قیام کے دوران سارا وقت آپ کی حاشیہ نشینی میں صرف کرسکوں اور آپ آرام سے اقبال پر حواشی لکھتے رہیں۔ آج اگست کی بارھویں ہے، دُور دُور تک آپ کی آمد کے آثار نہیں۔ آخر یہ کیا معاملہ ہے۔ مَیں یہاں آنکھیں فرشِ راہ کیے بیٹھا ہوں اور آپ خدا جانے کہاں ہیں؟

برادرم تحسین فراقی کی بھی کوئی اطلاع نہیں۔ سنا ہے کہ وہ مکان تعمیر کرا رہے ہیں۔ اچھا ہے، یہیں تعمیر کرالیں، سنا ہے جنت میں مکانوں کی بڑی قلت ہوگی۔ ایران میں اُن کی جگہ پر چھاپا مارنے والے مشکور حسین یاد صاحب میرے حال پر مہربان ہیں۔ ایران سے اُن کا فون آیا تھا کہ یہاں دل نہیں لگ رہا، کرنے کو کوئی کام ہی نہیں۔ مَیں نے کہا: تحسین فراقی صاحب کو بلا لیجیے، اُن کے ساتھ وقت اچھا گزرے گا۔ کہنے لگے: ایک نیام میں دو تلواریں کیسے رہ سکتی ہیں؟ مَیں نے کہا کہ آپ اپنے آپ کو تلوار نہ سمجھیے، مزاح نگار سمجھیے تو گزارا ہو جائے گا۔

لاہور سے بھی وہ اکثر فون کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے بیک وقت دو اطلاعیں دیں کہ میری آنکھیں خراب ہیں، آپریشن کی ضرورت پڑے گی۔ دوسری اطلاع یہ تھی کہ اُن کے شاگردِ رشید، نواز شریف نے اُنھیں فلم سنسر بورڈ کا چیرمین بنا دیا ہے۔ مَیں نے کہا: یہ اطلاعیں تو لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ نواز شریف کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ آپ کی بینائی کمزور ہے، اس لیے آپ فلم سنسر بورڈ کے چیرمین کے فرائض بخوبی ادا کرسکیں گے۔ اس پر وہ بہت ہنسے۔ ویسے یہ اُن کی خوبی ہے کہ اُن کے بارے میں کچھ بھی کہا جائے، برا نہیں مانتے۔ معاف کیجیے، تحسین صاحب کے ذکر پر حضرت یاد یاد آگئے۔ تحسین صاحب اب کہاں جا رہے ہیں؟ ذرا بتایئے، تا کہ مَیں یاد کو اطلاع دوں کہ [وہ] فوراً وہاں اپنا تقرر کرالیں۔ یاد صاحب نواز شریف کے دور میں ہر عہدہ حاصل کر سکتے ہیں، سوائے وزارتِ عظمیٰ کے کہ نواز شریف اُن سے کبھی یہ نہیں کہے گا کہ اے جا برائے استاد خالیست[۱]۔

۱۔ اجمالاً یہ قصہ یوں ہے کہ تہران یونی ورسٹی میں استاذ اردو کی اسامی کے لیے ....←

معین الرحمٰن صاحب نے جو دیوان غالبؔ شائع کیا ہے، وہ آپ کی نظر سے گزرا؟ میرا خیال یہ ہے کہ اُن کے پاس دیوان غالب کا کوئی قلمی نسخہ نہیں ہے۔ یہ نسخہ جس کا اُنھوں نے عکس شائع کیا ہے، پنجاب یونی ورسٹی کا نسخہ ہے۔ سنا ہے کہ پنجاب یونی ورسٹی کا اصل نسخہ غائب ہو گیا ہے؟ اس سلسلے میں آپ کو کچھ معلوم ہو تو بتائیے گا۔ پنجاب یونی ورسٹی کے نسخے پر قاضی عبدالودود، امتیاز علی عرشی اور ڈاکٹر سید عبداللہ لکھ چکے ہیں۔ اس نسخے میں اور معین صاحب کے نسخے میں حیرت انگیز مماثلت ہے۔ یہ ایک دلچسپ موضوع ہے، مگر اس کی اطلاع معین صاحب کے کسی دشمن کو، یہاں تک کہ خود معین صاحب کو بھی نہ دیجیے گا، ورنہ خواہ مخواہ کا فساد ہوگا[۲]۔

اپنی اور احباب کی خیریت سے فوراً مطلع فرمائیے۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ

۱۲-۸-۹۹ء

....

۱۰۵

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

ابھی چند لمحے قبل گرامی نامہ مورخہ ۲۱ راگست موصول ہوا، ممنون ہوں۔ آپ بھی جہانیاں جہاں گشت ہیں۔ آپ نے زندگی میں جتنے اسفار کیے ہیں، مَیں اُتنی مرتبہ تو اپنے مکان کے ایک کمرے سے دوسرے کمرے تک نہیں گیا۔ آپ پر رشک آتا ہے۔ میرا بھی بہت جی چاہتا ہے کہ خوب گھوموں پھروں، مگر شکستہ پائی راہ کی دیوار بن جاتی ہے۔ میری یہ کیفیت میرے اس شعر

بقیہ: جملہ امیدواروں کے انٹرویو ہو چکے تو نتائج کے مطابق تحسین فراقی صاحب کا نام سرِ فہرست تھا۔ توقع تھی کہ ان کا تقرر ہو جائے گا، مگر کچھ عرصے بعد معلوم ہوا کہ مشکور حسین یادؔ صاحب تقرر کا پروانہ لے کر تہران چلے گئے ہیں، حالانکہ وہ امیدواروں میں شامل ہی نہ تھے۔ چند ماہ بعد یاد صاحب واپس آ گئے۔ یہ اسامی ۶،۵ برس تک خالی پڑی رہی اور اردو کے طالب علم استاد سے محروم رہے، تا آنکہ فراقی صاحب کو فروری ۲۰۰۵ء میں تہران بھیجا گیا۔ یاد صاحب انشائیہ نگار، مزاح نگار اور نقاد ہیں۔ گورنمنٹ کالج، لاہور میں اردو کے استاد رہے۔ ۱۹۸۶ء میں ملازمت سے سبک دوش ہو گئے تھے۔

۲۔ معین صاحب نے اسے 'نسخۂ خواجہ' کے نام پر پیش کیا تھا۔ اس 'فساد' کی تفصیل محاکمہ، دیوانِ غالبؔ نسخۂ لاہور (مسروقہ) مرتبین: پروفیسر جعفر بلوچ + رفاقت علی شاہد۔ (علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۱ء) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

میں دیکھیے:

اک ایسا شخص بھی دائم سفر میں رہتا ہے
جو قید اپنے ہی دیوار و در میں رہتا ہے

اور یہ واقعہ ہے کہ مَیں دائم سفر میں رہتا ہوں۔

عزیزی رفاقت وسط ستمبر تک فرار کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان کی موجودگی میں آپ آ جاتے تو اچھا رہتا۔ میرے کتب خانے کی سیر میں، خصوصاً مکرر کتابوں کے ذخیرے تک رسائی میں، وہ بہت معاون ثابت ہو سکتے ہیں[۱]۔

ستمبر کے آخر یا اکتوبر کے شروع میں اسلام آباد کا پروگرام ہے۔ ایک ضروری میٹنگ میں شرکت کرنی ہے، جسے مَیں آپ کی آمد کے خیال سے ملتوی کراتا رہا ہوں۔ ظاہر ہے کہ اسلام آباد جانا ہو گا تو لاہور کا پھیرا بھی لازماً ہو گا۔ خدا کرے، تحسین صاحب اور اورنگ زیب صاحب اُس وقت تک وہاں ہوں۔ ان دونوں کے بغیر تو پورا لاہور میرے لیے منصورہ[۲] بن جائے گا، کیونکہ صرف آپ کا وقت ضائع کروں گا۔

آپ کے دونوں شاگرد آئے تھے۔ ایک ایک ملاقات رہی۔ رؤف امیر مجھے زیادہ کارگزار نظر آئے[۳]۔

بیگم آفتاب اقبال نے ایک اَور کتاب لکھی ہے۔ خاصی ضخیم: علامہ اقبال اور اُن کے فرزندِ اکبر۔ مَیں نے سب دوستوں کے لیے اس کا ایک ایک نسخہ حاصل کر لیا ہے۔ رفاقت کے ہاتھ بھیجوں گا۔ ایوب صابر صاحب سے بھی کہیے، وہ یہ کتاب نہ خریدیں، انھیں بھی پیش کر دوں گا۔ مجھ سے بھی دیوان پر مضمون لکھنے کی فرمایش ہے[۴]۔ مَیں نے جواب میں اپنے خدشات لکھ بھیجے۔ اُنھوں نے یہ تو تسلیم نہیں کیا کہ اُن کا نسخہ وہی گم شدہ نسخہ ہے، مگر یہ لکھا ہے کہ مَیں یہ نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کو تحفتہً پیش کر دوں گا۔ اسی کو کہتے ہیں: عطائے تو بہ لقائے تو۔

۱۔ کراچی نہ جا سکا اور اس محرومی کی تلافی کبھی نہ ہو سکے گی۔

۲۔ راقم لاہور کی جس بستی میں رہتا ہے، اس کا نام منصورہ ہے۔

۳۔ راقم کی نگرانی میں ہارون الرشید تبسم (پ: ۲ر اکتوبر ۱۹۵۵ء استاد اردو، گورنمنٹ انبالہ مسلم کالج، سرگودھا) ابراہیم جلیس پر اور عبدالرؤف امیر (استاد اردو، ایف جی ڈگری کالج، واہ کینٹ) رفیق خاور پر پی ایچ ڈی کے لیے تحقیق کر رہے تھے۔ لوازمے کی تلاش میں دونوں کراچی گئے تھے اور وہاں من جملہ دیگر اصحاب کے، خواجہ صاحب سے بھی ملے تھے۔ اب دونوں اصحاب ڈگریاں حاصل کر کے 'ڈاکٹر' ہو چکے ہیں۔

۴۔ دیوانِ غالبؔ کے اُس نسخے کا ذکر ہے، جسے معین صاحب نے 'نسخۂ خواجہ' کا نام .... ←

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۵۔۸۔۹۹ء

....

۱۰۶

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

یہ خط مجھے بہت پہلے لکھنا چاہیے تھا، مگر کراچی پہنچتے ہی مَیں ایسا بیمار پڑا کہ ۱۰، ۱۲ دن کچھ نہ کر سکا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب ٹھیک ہوں اور معمول کے مطابق کام شروع کر دیا ہے۔

لاہور میں میرے حال پر آپ کی جو عنایات رہیں، اُن کا شکریہ ادا کروں تو یہ ایک رسمی سی بات ہوگی۔ آپ کی وجہ سے میرا قیامِ لاہور خوش گوار رہا۔ آپ نے اپنا بہت سا قیمتی وقت میرے ساتھ گزارا۔ لاہور آنے کا اصل مقصد ہی آپ سے اور دوسرے دوستوں سے ملاقات کرنا تھا، ورنہ وہاں مجھے کوئی ایسا کام نہ تھا کہ آتا۔

افسوس کہ اس مرتبہ جھنڈیر کا پروگرام نہ بن سکا۔ میرے لیے ممکن نہ تھا کہ اسلام آباد اور لاہور کے بعد جھنڈیر کا سفر بھی کرتا۔ آیندہ کوئی ایسا پروگرام بنائیں گے کہ آپ لاہور سے اور مَیں کراچی سے ملتان پہنچ جاؤں۔ وہاں سے اکٹھے جھنڈیر چلیں گے۔

عزیزی رفاقت کے ہاتھ مَیں نے آپ کے لیے جو کتابیں بھیجی تھیں، اُمید ہے، وہ آپ کو مل گئی ہوں گی۔

حضرت تحسین فراقی اب تک اسپینش زبان کے اس حد تک ماہر ہو چکے ہوں گے کہ اس زبان میں بھی دیوان مرتب کر چکے ہوں گے![1]۔ اُن کے نام خط منسلک ہے۔ ازرہِ کرم اُنھیں پیش

بقیہ: دے کر شائع کیا تھا۔ معین صاحب نے بہتوں سے (جن میں راقم آثم بھی شامل ہے) فرمایش اور اصرار کر کے مضامین لکھوائے تھے، جنھیں دیوانِ غالب، نسخۂ خواجہ: تحسین و تائید (مرتبین: معراج نیر زیدی + اصغر ندیم سید) کے عنوان سے الوقار پبلی کیشنز، لاہور نے شائع کیا تھا۔

(۱۰۶)

۱۔ سپین کی الیکانتے یونی ورسٹی میں، 'اقبال و پاکستان سٹڈیز چیئر' کے لیے تحسین فراقی صاحب کا انتخاب ہوا تھا۔ وہاں جانے سے پہلے وہ ہسپانوی زبان سیکھ رہے تھے، مگر نوکرشاہی کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے وہ سپین نہ جا سکے اور وہ چیئر بھی ختم ہو گئی۔ بارسلونا یونی ورسٹی میں قائداعظم چیئر قائم تھی، عدم دل چسپی اور بے تدبیری کے باعث یہ بھی ختم ہو چکی ہے۔

کر دیجیے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۳-۱۱-۹۹ء

....

۱۰۷

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

سب سے پہلے تو اس کی مبارک باد کہ آپ بیٹی شایستہ کے فرض سے سبک دوش ہوئے۔ میری دلی دعا ہے کہ بیٹی کی زندگی کا نیا دور اُس کے لیے اور تمام متعلقین کے لیے خیر و برکت کا باعث ہو۔ آمین۔

لاہور آنے کا مقصد ہی آپ سے اور دوسرے دوستوں سے ملاقات کرنا ہوتا ہے۔ مخلص اور بے ریا دوستوں کے درمیان رہ کر زندگی خوب صورت نظر آتی ہے۔ یوں تو بے شمار لوگوں سے تعلقات ہیں، لیکن جن سے مل کر واقعی خوشی ہوتی ہے، وہ زیادہ لاہور ہی میں ہیں، اس لیے دل اس شہرِ خوبی کی طرف رخ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

تحسین صاحب کا فون آیا تھا۔ اُنھیں ایک کتاب کے عکس کی ضرورت تھی۔ فوراً تعمیل ارشاد کی، مگر اُن کی طرف سے وصولی کا خط نہیں آیا......

ان سے ایک شکایت پیشگی کہ وہ اسپین جا کر بھی خط نہیں لکھیں گے تو کریں گے کیا۔ ظاہر ہے، 'وہ کچھ' تو نہیں کر سکتے، جس کے کرنے کی انھیں یہاں حسرت ہی رہی۔

آپ کے جو طالب علم پی ایچ ڈی کرنا چاہتے ہیں اگر اُن کا ذہنی رجحان معلوم ہو تو موضوع تجویز کرنے میں سہولت ہوگی۔ جھنڈیر کی لائبریری میں حیدر آباد دکن سے متعلق کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے، اس لیے حیدر آباد کے تعلق سے اگر وہ کوئی کام کریں تو اس کتب خانے سے بہت فائدہ ہوگا۔ حیدر آباد دکن کے پرانے ادیبوں میں لچھمی نراین شفیق بہت اہم ہے۔ یہ تذکرہ نگار بھی تھا اور شاعر بھی۔ اس پر ابھی تک کام نہیں ہوا۔ پچھلے دنوں مَیں نے اورنگ زیب صاحب کو ایک فہرست

بھیجی تھی ایسے موضوعات کی، جن پر کام ہونا چاہیے۔ وہ فہرست آپ بھی دیکھ لیجیے۔ اورنگ زیب صاحب کی ناسازیِ طبع کا حال جان کر افسوس ہوا۔ میری طرف سے مزاج پُرسی کیجیے۔ ہم دونوں جب ملتے ہیں تو باری باری دونوں ہی بیمار پڑ جاتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔

اکرام چغتائی کے ڈائریکٹر ہونے کی اطلاع اُنھوں نے خود دی تھی۔ بحیثیت ڈائریکٹر اُنھوں نے پہلا کام یہ کیا کہ مجھے فون کیا۔ اُن کا ڈائریکٹر ہونا اس لیے ضروری تھا کہ وہ اس کے حق دار تھے۔ چغتائی صاحب نے جس وقت فون کیا، سہیل عمر اُن کے پاس بیٹھے تھے......

میرے خیال میں آپ صدر شعبہ کا چارج لے لیجیے۔ اس طرح لکھنے پڑھنے کا نقصان تو ہو گا، مگر دوسروں کے 'کردار' پڑھنے کا موقع مل جائے گا[1]۔

پروفیسر محمد اسلم مرحوم کے پاس اقبال شیدائی سے متعلق میرے کاغذات ابھی تک واپس نہیں ملے۔ توجہ فرمایئے۔ اُن کے بیٹے سے کہیے کہ اُن کاغذات کے بنڈل کو دیکھیں جو اسلم صاحب نے الگ باندھ رکھے تھے۔ ان میں ایک لفافہ ہے، اُس پر اقبال شیدائی کا نام لکھا ہے اور نمبر ۲۶۵ درج ہے۔ یہ بہت اہم کاغذات ہیں اور مجھے واپس ملنے چاہییں[2]۔

جھنڈیر کے لیے مارچ، اپریل کا زمانہ بہت عمدہ ہے۔ تاریخیں آپ اپنی سہولت سے مقرر کریں۔ جعفر بلوچ صاحب اور اورنگ زیب صاحب کا ساتھ ہونا بھی ضروری ہے۔ کم از کم ایک ماہ پہلے اطلاع دیجیے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲-۱۲-۹۹ء

....

۱۔ چند ماہ بعد ہمارے صدر شعبہ، سہیل احمد خاں جاپان جانے والے تھے۔ ان کے بعد صدارت کا بارِ گراں مجھ پر آنے والا تھا۔ مَیں انتظامی ذمہ داری کو اپنی افتادِ طبع اور مزاج سے موافق نہ پاتا تھا۔ اس سلسلے میں خواجہ صاحب سے مشورہ لیا تھا۔ بعد ازاں مجھے یکم اپریل ۲۰۰۲ء سے یہ ذمہ داری اُٹھانی پڑی۔

۲۔ یہ ذکر آ چکا ہے کہ مطلوبہ کاغذات مل گئے اور خواجہ صاحب کو بھجوا دیے گئے تھے۔

۱۰۸

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

مَیں نے ۲؍نومبر کو ایک خط آپ کے گھر کے پتے پر بھیجا تھا۔ آج کی ڈاک سے یہ واپس آ گیا ہے۔ یہ خط اور اس کا لفافہ منسلک ہے۔ پتا ٹھیک لکھا ہے، پھر یہ خط کیوں واپس آیا؟ اب تو نواز شریف کی حکومت بھی نہیں رہی، جو کہا جائے کہ جماعت اسلامی کے مرکز کی ڈاک ضائع کی جاتی ہے یا واپس بھیج دی جاتی ہے۔ اب تو جماعت والوں کی اپنی حکومت ہے۔ پوری طرح اپنی نہ بھی ہو تو خواہش کے عین مطابق ہے۔ آخر ایسا کیوں ہوا۔ لفافے پر ساری مہریں کراچی کی ہیں، صرف ایک اقبال ٹاؤن لاہور کی ہے۔[1]

اس دوران یہ ہوا کہ آپ کو جس روز مذکورہ خط لکھا تھا، اُس کے دوسرے روز پروفیسر محمد اسلم مرحوم کے صاحب زادے فاروق نافع سلمہ کا ارسال کردہ ایک بڑا لفافہ ملا۔ اس میں میرے وہ تمام کاغذات تھے، جن کے حاصل کرنے کے لیے مَیں پریشان تھا۔ اس عزیز نے آپ کے تقاضوں کے نتیجے میں اقبال شیدائی کے میرے نام کے خطوط تلاش کر ہی لیے۔ آپ اب فون کر کے اس نوجوان کا شکریہ ادا کر دیجیے۔

جمعہ ۳؍نومبر کو آپ کے شاگرد ہارون الرشید تبسم صاحب[2] آئے تھے۔ ابراہیم جلیس کے سلسلے میں ان سے بات ہوئی۔ ابراہیم جلیس کے صاحب زادے اور ڈاکٹر مشرف احمد بھی آئے تھے۔ مَیں نے تبسم صاحب کو ان کے حوالے کر دیا۔ ایک آدھ کتاب، جو تبسم صاحب کو دستیاب نہیں ہوئی تھی اور میرے پاس تھی، وہ اُنھیں دے دی کہ عکس بنوا لیں۔ ویسے ایک راز کی بات ہے کہ مَیں آپ کے شاگرد سے متاثر نہیں ہوا۔ اُن میں وہ چمک نظر نہیں آئی، جو علمی کام کرنے والوں کے چہرے سے ظاہر ہوتی ہے۔

اِدھر ایک کتاب پیشہ وکالت اور مَیں نے وکالت کیوں چھوڑی از سید محمد نبی نظر سے گزری۔ اس کے شروع میں مولانا مودودیؒ کا ایک خط ہے۔ یقیناً آپ کی نظر سے گزرا

۱۔ محکمہ ڈاک ایسے کمالات کا مظاہرہ وقتاً فوقتاً کرتا رہتا ہے۔

۲۔ عزیزی ہارون الرشید تبسم اب 'ڈاکٹر' ہو چکے ہیں۔ انھوں نے یونی ورسٹی میں مقالہ داخل کرانے کے بعد ۴، ۵ ماہ کے مختصر (ریکارڈ) وقت میں سند حاصل کر لی تھی۔

ہوگا، اگر نہیں تو مَیں اس کا عکس بھیج سکتا ہوں[۳]۔

اس خط کی رسید جلد اور ضرور بھیجیے۔

آپ کا خیر اندیش

مشفق خواجہ

۸-۱۲-۹۹ء

....

۱۰۹

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

معلوم نہیں، آپ کی آواز میں کیا جادو تھا کہ ۱۱ر جنوری کی رات کو فون پر آپ سے بات کرنے کے بعد میری طبیعت سنبھلنا شروع ہو گئی اور آج مَیں خدا کے فضل و کرم سے پوری طرح صحت مند ہوں، بلکہ کل ہی سے طبیعت اس قدر ٹھیک تھی کہ مَیں نے معمول کے مطابق کام شروع کر دیا۔ پہلا خط کل رشید حسن خاں صاحب کو لکھا تھا اور دوسرا آج آپ کو لکھ رہا ہوں کہ آپ کی مسیحا نفسی کا شکریہ ادا کر سکوں۔ لاہور کے دوست کتنے خوش نصیب ہیں کہ وہ جب چاہیں، آپ سے مل سکتے ہیں اور آپ سے باتیں کر سکتے ہیں۔ اس بیماری میں تکلیف اتنی زیادہ رہی کہ زندگی کی ہر چیز بے کار معلوم ہوتی تھی اور پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ خدا کی سب سے بڑی نعمت صحت ہے اور اس کی قدر کرنی چاہیے، لیکن مَیں نے اس کا کبھی خیال نہیں کیا۔ آیندہ کے لیے سبق حاصل ہوا کہ بے اعتدالیوں کا نتیجہ بُرا ہوتا ہے، مگر زندگی ہی کتنی باقی رہ گئی ہے کہ بے اعتدالیوں کے خوف سے چال چلن درست کر لیا جائے۔ ہاں تحسین فراقی صاحب سے کہہ دیجیے کہ انھیں ابھی دیر تک کام کرنا ہے، اس لیے اندلس جا کر محتاط رہیں[۱] اور کوئی ایسی بات نہ کریں جس کا نتیجہ

۳۔ راقم نے پروفیسر سلیم منصور خالد کے تعاون و اشتراک سے خطوط مودودی کی دو جلدیں مرتب و شائع کی تھیں۔ مزید ۲، ۳ جلدیں زیرِ ترتیب ہیں، اس لیے خواجہ صاحب نے مولانا کے ایک خط کی نشان دہی کی، مگر افسوس ہے کہ مذکورہ خط وہ نہ بھجوا سکے۔

(۱۰۹)

۱۔ یہ ذکر آ چکا ہے کہ سپین کی الیکانتے یونی ورسٹی میں تشکیل "اقبال و پاکستان سٹڈیز چیئر" پر تحسین صاحب کا تقرر ہو گیا تھا اور وہ اس نئی ذمہ داری پر جانے کے لیے تیاری کر رہے تھے۔ (بعد ازاں افسر شاہی کی طرف سے گوناگوں رکاوٹوں کے سبب وہ نہ جا سکے۔)

ویسا ہی بُرا ہو، جیسا اندلس کے مسلمان حکمرانوں کے سامنے آیا۔ ہم نے علم کی سلطنت، تحسین صاحب کو بخش رکھی ہے، اسے وہ اپنی خوش اعمالیوں سے روبہ زوال نہ ہونے دیں اور وہاں کے جلووں میں گم ہو کر ہمیں بھول نہ جائیں۔ میرا خیال ہے کہ تحسین صاحب کی نگرانی کے لیے دوستوں میں سے کسی کو ساتھ جانا چاہیے، مگر اورنگ زیب صاحب کو نہیں کہ وہ کم عمر ہیں اور اُن کے خود بہک جانے کا اندیشہ ہے۔ جو شخص بے پیے ہی نشے میں رہتا ہو، اُس کی مستی سے خدا محفوظ رکھے۔

معاف کیجیے، اورنگ زیب صاحب کے ساتھ مَیں بھی بہک گیا، حالانکہ اس وقت ایک نہایت افسوس ناک خبر آپ تک پہنچانی ہے، جس کی اطلاع مجھے خود ایک گھنٹہ پہلے ملی ہے۔ بنگلہ دیش سے ایک دوست شام بارک پوری صاحب[۲] کا خط آیا ہے کہ ۲۳ر دسمبر ۱۹۹۹ء کو ڈھاکا میں ڈاکٹر ابوسعید نورالدین کا انتقال ہو گیا۔ اس کا الم ناک پہلو یہ ہے کہ اُن کے اہل خانہ ملک سے باہر تھے اور انتقال کے وقت کوئی اُن کے پاس نہ تھا۔ حق مغفرت کرے کہ وہ بہت عمدہ انسان تھے۔ میری اُن سے چالیس برسوں کی دوستی تھی۔ وہ کراچی یونی ورسٹی کے پہلے پی ایچ ڈی تھے۔ اُن کے اصل نگران مولوی عبدالحق تھے، بعد میں کاغذی نگران ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ہوئے۔ بنگلہ دیش کے قیام کے بعد خط و کتابت رہتی تھی اور جب کبھی وہ کراچی آتے تھے، ملاقات ہوتی تھی۔ آخری ملاقات نومبر ۱۹۹۶ء کو ہوئی تھی، جب وہ کسی کانفرنس میں شرکت کے لیے لاہور یا اسلام آباد آئے تھے اور واپسی پر کراچی ٹھہرے تھے۔ از رہِ کرم اس کی اطلاع ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کو دے دیجیے۔ اس سلسلے میں ایک زحمت بھی کرنی ہو گی۔ مرحوم کے بارے میں ایک خبر لاہور کے اخباروں میں چھپوا دیجیے، تاکہ اُن کے سب دوستوں کو علم ہو جائے۔ خبر کی نقل مجھے بھجوا دیجیے، تاکہ کراچی کے اخبارات میں چھپوا سکوں۔ ان کے حالات آپ کو اقبال صدی کے بروشیر میں مل جائیں گے۔ ان کی آخری کتاب اردو ادب کی تاریخ، ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے اپنے ادارے سے دو جلدوں میں شائع کی ہے[۳]۔

تفہیم و تجزیہ اور خطبات رسول کے لیے بے حد ممنون ہوں۔ مضامین کا مجموعہ نہایت عمدہ ہے اور سارے مضامین بہت کام کے ہیں۔ اس دوران میں وہ کتابیں بھی مل گئیں، جو

۲۔ شام بارک پوری: بنگلہ دیشی اردو افسانہ نگار۔

۳۔ ڈاکٹر ابوسعید نورالدین کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ اسلامی تصوف اور اقبال اقبال اکادمی پاکستان سے متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔ ان کی اردو ادب کی تاریخ مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور سے دو جلدوں میں چھپی تھی۔

آپ نے لاہور میں عنایت فرمائی تھیں (فرحت اللہ بیگ وغیرہ)۔ آپ کی چار کتابیں انجمن ترقی اردو کے کتب خانہ خاص میں داخل کردی ہیں۔ (فرحت اللہ بیگ، تفہیم و تجزیہ، خطبات، تصانیف مودودی)[۴] ان چاروں پر قومی زبان میں تبصرہ بھی آ جائے گا۔

سید محمد نبی والی کتاب (پیشہ و کالت ......) میں آپ کو بھیج دوں گا۔ آپ اس سے اپنے کام کی چیزیں لے کر واپس کر دیجیے گا۔

اپریل کے پہلے ہفتے میں جھنڈیر کا پروگرام نہایت مناسب رہے گا، لیکن آپ کی طرف سے حتمی فیصلہ چاہیے، تاکہ سفر کے انتظامات کیے جاسکیں۔ ازرہِ کرم جعفر بلوچ صاحب اور اورنگ زیب صاحب سے بات کر کے مطلع فرمائیے، تاکہ میں جھنڈیر والوں سے بات کرلوں۔ ہوگا یوں کہ میں یہاں سے اور آپ تینوں حضرات لاہور سے ملتان پہنچیں گے۔ وہاں سے ہم جھنڈیر جائیں گے۔ پروگرام ایسا ہوگا کہ ایک دن اوچ میں اور ایک دن بہاول پور میں گزاریں گے۔ یہ دو دن لازماً ہمارے پروگرام میں شامل ہونے چاہییں۔ 'حتمی فیصلے' سے مراد تاریخوں کا تعین ہے[۵]۔

کتاب نما کئی ماہ سے میرے پاس نہیں آ رہا۔

آپ کا خیر اندیش

مشفق خواجہ

۱۴۔۱۔۲۰۰۰ء

....

۴۔ راقم کی یہ چار تالیفات حسب ذیل تھیں:

الف۔ مضامین فرحت اللہ بیگ (انتخاب و مقدمہ): القمر انٹر پرائز، لاہور، ۱۹۹۹ء

ب۔ تفہیم و تجزیہ (تحقیقی و تنقیدی مضامین): فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور، ۱۹۹۹ء

ج۔ خطباتِ رسولؐ (منتخب خطبوں کا اردو ترجمہ): منشورات، لاہور، ۱۹۹۹ء

د۔ تصانیف مودودی (توضیحی کتابیات): ادارہ معارف اسلامی، لاہور، ۱۹۹۹ء

۵۔ جھنڈیر لائبریری (میلسی) جانے کا پروگرام بالآخر اپریل ۲۰۰۰ء میں روبعمل آ سکا۔ خواجہ صاحب کراچی سے براستہ ملتان اور تحسین فراقی اور اورنگ زیب عالمگیر لاہور سے براہ راست وہاں پہنچے۔ افسوس ہے، راقم وہاں نہ جاسکا اور خواجہ صاحب اور دیگر دوستوں کی چند روزہ صحبت سے محروم رہا۔

۱۱۰

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آج صبح مَیں نے پہلا کام یہ کیا کہ جھنڈیر خط لکھ دیا کہ آپ لوگ ۱۴ اپریل (جمعہ) کی شام کو ملتان پہنچیں گے۔ مَیں ایک دن پہلے یعنی ۱۳ کی شام کو ملتان پہنچوں گا، کیونکہ کراچی سے ملتان ہر روز جہاز نہیں جاتا، جمعرات یا ہفتہ کو جاتا ہے، لہٰذا مَیں جمعرات کی فلائٹ سے جاؤں گا۔ مَیں نے اُنھیں یہ پروگرام لکھا ہے کہ ہم لوگ دو دن جھنڈیر کی لائبریری میں صرف کریں گے۔ ایک روز اوچ شریف جائیں گے اور ایک روز بہاول پور۔ گویا اس طرح چار روز ہم ساتھ رہیں گے۔ اوچ، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، زبردست تاریخی اہمیّت کا شہر ہے، یہاں ایک دن گزارنا ہم سب کے لیے بہت فائدہ مند ہوگا۔ بہاول پور میں سیر و سیاحت کے سلسلے میں اورنگ زیب صاحب ہماری رہنمائی کریں گے۔ یہ اورنگ زیب صاحب کا شہر ہے۔ یہاں ڈاکٹر شفیق احمد، ڈاکٹر انور صابر اور خورشید ناظر وغیرہ سے بھی ملاقات کی جاسکتی ہے اور اگر اورنگ زیب صاحب چاہیں گے تو قلعۂ ڈریور کی سیر بھی کی جاسکتی ہے۔ یہ نہایت [قدیم] تاریخی قلعہ ہے اور فنِ تعمیر کا شاہ کار۔

آپ لاہور سے روانگی سے چار پانچ روز پہلے سردار مسعود احمد صاحب کو خط لکھ دیجیے گا، تاکہ ملتان ریلوے اسٹیشن پر آپ کو 'وصول' کیا جاسکے۔ ظاہر ہے کہ مَیں بھی موجود ہوں گا۔ سردار صاحب کا پتا یہ ہے:

سردار مسعود احمد صاحب

سردار پور جھنڈیر۔
تحصیل میلسی۔ ضلع وِیہاڑی، پوسٹ کوڈ 61290

پرسوں رات تحسین فراقی صاحب سے فون پر بات ہوئی تھی۔ اُنھوں نے یہ خوش خبری سنائی کہ ایک ہفتے میں 'نسخۂ فتح دین' پر اُن کا کتابچہ شائع ہو جائے گا[1]۔

عزیزی رفاقت علی شاہد بھی اگر آنا چاہیں تو اُنھیں ساتھ لے آیئے گا، تاکہ وہ وہاں رسالوں

۱۔ اشارہ ہے: ڈاکٹر تحسین فراقی صاحب کے کتابچے دیوان غالب: نسخۂ خواجہ، اصل حقیقت کی طرف۔

کے اشاریے کا کام کرلیں۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
۲۷۔۳۔۲۰۰۰ء

....

۱۱۱

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ حاجیوں کی واپسی کی وجہ سے ہوائی جہاز میں سیٹ ملنا ایک کارِ محال ہوگا۔ بڑی تگ و دَو اور سفارشوں کے بعد ۱۵؍ اپریل کے جہاز میں جگہ ملی ہے۔ شام سات بجے کی فلائٹ نمبر pk326 سے مَیں چلوں گا، نو بجے تک ملتان پہنچ جاؤں گا۔ آپ لوگ بھی اسی روز ملتان پہنچ جایئے۔ واپسی کی سیٹ مجھے ۲۰؍ اپریل ہی کی ملی ہے۔ ملتان سے جہاز ساڑھے تین بجے روانہ ہوگا۔ اس طرح آپ کے پروگرام میں ایک دن کا فرق آئے گا، کیوں کہ آپ ۱۴ کو ملتان آنا چاہتے تھے۔ اسی خیال سے مَیں نے سوچا کہ اگر مجھے ۱۳ کی سیٹ بھی مل جائے تو کوئی بات نہیں، آپ کا استقبال کرنے کے لیے ایک دن پہلے پہنچ جاؤں گا، مگر افسوس......

آپ لاہور سے روانگی کی اطلاع سردار مسعود احمد صاحب کو ضرور دیجیے گا، تاکہ اسٹیشن پر اُن کے لوگ موجود ہوں۔ اُن کا فون نمبر یہ ہے:

06515 / 430787 یہ کوڈ نمبر ہے۔

06515 / 430786

ڈاک کا پتا یہ ہے:

سردار مسعود احمد صاحب

سردار پور، جھنڈیر۔ 61290

تحصیل میلسی۔ ضلع وہاڑی

بہتر ہوگا کہ آپ ابھی سے ریل میں سیٹیں بک کرالیں، تاکہ بعد میں دقت نہ ہو۔

آپ لوگوں سے ملاقات کی بے حد خوشی ہے۔

خیر اندیش
مشفق خواجہ
۴-۴-۲۰۰۰ء

....

۱۱۲

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

اب کے آپ نے میرے ساتھ وہی سلوک کیا، جو کسی زمانے میں محترم قاضی حسین احمد صاحب نے پوری قوم کے ساتھ کیا تھا۔ ہر طرف 'قاضی آ وے ای آ وے' کا نعرہ گونج رہا تھا، لیکن دُور دُور تک اُن کے آنے کے آثار نہیں تھے۔ جھنڈیر کا پروگرام آپ کے ایما پر بنایا گیا، تاریخ آپ کی مرضی سے مقرر کی گئی، باقی سب آ گئے، آپ ہی نہ آئے۔ حضرتِ فراقی بھی آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش میں تھے، لیکن میری دھمکی کارگر ہوگئی کہ اگر آپ نہ آئے تو میں ہوائی سفر کے ساڑھے چار ہزار روپے آپ سے وصول کروں گا۔ افسوس کہ فون پر آپ سے رابطہ نہ ہو سکا۔ اور اب تو جی چاہتا ہے کہ آپ سے بطور ہرجانہ دگنی رقم وصول کی جائے۔ آپ سے ملنے کے لیے مَیں ہی نہیں، میزبان بھی بے قرار تھے[۱]۔ اُنھوں نے آپ کی تمام تصانیف ایک جگہ جمع کر دی تھیں کہ ان پر آپ سے دستخط کرائیں گے۔ آپ کے نہ آنے کا افسوس اُس وقت زیادہ ہوا، جب یہ معلوم ہوا کہ آپ کے نہ آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کو صدر شعبہ کی ایک میٹنگ میں شرکت کرنی تھی۔ جناب، آپ جھنڈیر آتے تو وہاں آپ کو صدر الصدور کی مسند پر بٹھایا جاتا اور ہم چاروں آپ کے حاشیہ نشین ہوتے۔

آپ نے جھنڈیر تشریف نہ لا کر میرا ہی نہیں، اپنا بھی نقصان کیا۔ ایسا عظیم الشان ذاتی کتب خانہ پاکستان میں کوئی دوسرا نہیں۔ ایک لاکھ سے زیادہ کتابیں، اور ان میں بہت سی جو

۱۔ تحسین فراقی اور اورنگ زیب عالم گیر تو جھنڈیر پہنچ گئے، لیکن راقم دفتری اور منصبی مجبوریوں کے سبب نہ جا سکا۔ یکم اپریل سے صدر شعبہ کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی تھی۔ جھنڈیر میں میزبان میاں مسعود احمد صاحب تھے۔ لائبریری اُنھی کے ذوق اور کاوشوں سے مرتب ہوئی ہے۔ راقم کے ذخیرۂ کتب کا کچھ حصہ بھی یہاں محفوظ ہے۔ چند ماہ پہلے قومی زبان کراچی میں جھنڈیر لائبریری، میلسی پر مفصل تعارفی مضمون (از ڈاکٹر عبدالستار نیازی) شائع ہوا تھا۔

نادرات کا درجہ رکھتی ہیں۔ اقبالیات کا شعبہ بھی خاصا باثروت ہے[۲]۔

آپ سے مجھے دلی محبت ہے، مگر کتنی؟ اس کا احساس جھنڈیر جا کر ہی ہوا۔ وہاں ہر وقت آپ یاد آتے تھے۔ آپ کی کمی بے حد محسوس ہوتی تھی۔ باقی تینوں تو حال مست تھے، اُنھیں کوئی پروا ہی نہیں تھی، کیونکہ وہ لاہور ہر روز آپ سے ملتے ہیں۔

آپ کے نہ آنے پر تو حیرت تھی ہی، مزید حیرت اس پر ہے کہ آپ نے میری دل جوئی کے لیے کوئی خط بھی نہیں لکھا[۳]۔

خدا آپ کو خوش و خرم اور صحت مند و توانا رکھے۔

آپ کا
مشفق خواجہ

۲۵-۴-۲۰۰۰ء

....

۱۱۳

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کا خط ملا۔ آپ کی مصروفیات کی تفصیل جان کر خوشی ہوئی۔ انسان کو مصروف ہی رہنا چاہیے۔ صحت و سلامتی کا راز اسی میں ہے۔ میری رائے میں تو علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کو بند ہی ہو جانا چاہیے۔ اس کا کلوز ہونا اوپن ہونے سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس یونی ورسٹی نے اعلیٰ ڈگریوں کو جس طرح سہل الحصول بنایا اور تعلیم کے نام پر جہالت کو فروغ دیا ہے، اُس سے ہماری بڑی رسوائی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان سے باہر اس یونی ورسٹی کی ڈگری کو نہ صرف یہ کہ تسلیم نہیں کیا جاتا، بلکہ حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ادارۂ تالیف و ترجمہ کی نظامت بھی اب آپ کے ذمے ہے[۱]۔ اس

۲۔ میاں مسعود احمد صاحب بارہا دعوت دے چکے ہیں، مگر تا حال ایسے عظیم الشان کتب خانے کی زیارت سے محروم ہوں۔ جھنڈیر کے سفر کا عزم راسخ ہے، دیکھیے کب پورا ہوتا ہے۔

۳۔ دراصل مَیں دفتری اور منصبی مصروفیات میں اس بُری طرح الجھ گیا کہ جھنڈیر نہ پہنچ سکنے پر خواجہ صاحب کو معذرت کا خط بھی نہ لکھ سکا۔

(۱۱۳)

۱۔ ادارہ تالیف و ترجمہ، پنجاب یونی ورسٹی کا ایک علمی و تحقیقی ادارہ ہے۔ بالعموم شعبۂ اردو .... ←

ادارے کے اغراض ومقاصد سے آگاہی ہو جائے تو مَیں یقیناً کچھ تجاویز پیش کرسکتا ہوں۔ جہاں تک سیرِ افلاک کی اشاعت کا خیال ہے تو میرے نزدیک یہ تجویز مفید نہیں ہے۔ یہ کتاب آؤٹ آف ڈیٹ ہو چکی ہے[۲]۔ سائنس کی کتابیں وقت گزرنے کے ساتھ اشاعت ثانی کے لائق نہیں رہتیں۔ مجھے اس سے بھی اتفاق نہیں ہے کہ دوسروں کے شائع کردہ کاموں کو آپ دوبارہ شائع کریں۔

انجمن کی اصطلاحات پر نظرِ ثانی کی گئی تھی اور یہ تمام اصطلاحات اردو سائنس بورڈ لاہور نے شائع کردی تھیں۔ ان کی مزید اشاعت نامناسب ہوگی۔ آپ کا جواب آنے پر مَیں کوشش کروں گا کہ کوئی نادر چیز اشاعت کے لیے حاصل کرسکوں۔

آپ کہتے ہیں کہ شعبے میں ۱۹/اساتذہ تھے، اب صرف چار ہیں۔ یہ شعبہ کیسے چلائیں گے۔ مَیں تو کہتا ہوں کہ اکیلے عالم گیر صاحب ہی پورا شعبہ چلا سکتے ہیں، چار تو بہت زیادہ ہیں[۳]۔

شعبۂ اردو کی تاریخ ضرور لکھوایئے۔ میرے خیال میں یہ ایک مفید کام ہوگا۔ زاہد منیر عامر ہی اس کام کے لیے موزوں ہو سکتے ہیں۔ اُن کے پاس نظر بھی [ہے] اور فہم بھی۔ اُنھوں نے ایچی سن کالج کے بارے میں بہت عمدہ مضمون لکھا تھا۔ آپ اُنھیں آمادہ کیجیے[۴]۔ ویسے اس شعبے میں ایک ری سرچ آفیسر تو آپ کو رکھنا ہی پڑے گا۔

بقیہ: کا سربراہ یا کوئی سینئر استاد اس کا ناظم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اور سید وقار عظیم کے دَورِ نظامت میں ادارے نے اصطلاحات کے تراجم اور سائنسی مضامین کی بہت سی مفید کتابیں شائع کیں۔ راقم نے اپنے مختصر دَورِ نظامت (مئی ۲۰۰۰ء۔ ۵/جولائی ۲۰۰۱ء) میں ادارے کا جمود توڑنے اور اسے فعال و متحرک کرنے کی اپنی سی کاوش کی، متعدد منصوبے بنا کر پیش کیے، مگر کچھ پیش نہ گئی، کیوں کہ اس دَور میں جامعہ کے سربراہ ایک سابق جرنیل تھے، جنھیں ادارے کی اہمیت اور اس کے علمی و تحقیقی منصوبوں کی افادیت کا شعور نہ تھا۔

۲۔ خیال تھا: سیرِ افلاک دوبارہ چھاپی جائے، جو کسی زمانے میں انجمن ترقی اردو پاکستان نے شائع کی تھی۔

۳۔ مَیں نے لکھا تھا کہ ایک وقت میں شعبۂ اردو میں ۹/اساتذہ تھے۔ اب میرے زمانۂ صدارت میں فقط چھے اساتذہ رہ گئے ہیں۔ (تحسین فراقی، فخر الحق نوری، اورنگ زیب عالم گیر، زاہد منیر عامر، محمد کامران اور راقم)۔ اگر مَیں بھی ایک ہفتے کے لیے جھنڈیر چلا جاتا تو صرف تین استاد رہ جاتے۔

۴۔ مجھے شعبۂ اردو کی تاریخ لکھوانے کا خیال آیا۔ جیسا کہ خواجہ صاحب نے لکھا ہے: زاہد منیر عامر ہی اس کے لیے موزوں تھے (اور اب بھی وہی موزوں ترین ہیں)، مگر انھیں آمادہ کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ ایچی سن کالج پر اُن کا متذکرہ مضمون اب چار موسم، ایچی سن کالج میں کے نام سے ملک اینڈ کمپنی، لاہور سے کتابی صورت میں چھپ چکا ہے۔ اسی طرح انھوں نے تاریخ جامعۂ پنجاب بھی ۲۰۰۴ء میں شائع کی تھی۔

جی ہاں، جھنڈیر میں میری طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ دراصل خالص دودھ، خالص گھی اور خالص اجناس مجھے راس نہیں آتیں۔ زندگی بھر جعلی اور بناسپتی اغذیہ پر گزارا کیا ہے، معدہ خالص چیزوں کو قبول نہیں کرتا۔ آپ کے وہاں نہ آنے کا اب تک قلق ہے۔ آپ ہوتے تو وہاں کے قیام کا لطف دوبالا ہو جاتا۔

تحسین فراقی صاحب کے مقالے کی خوب دھوم ہے[۵]۔ معین الرحمٰن نے اپنا رسالہ الموسوم بہ عذرِ لنگ بڑے پیمانے پر تقسیم کیا[۶]۔ جو اُسے دیکھتا ہے، تحسین صاحب کے مقالے کی تلاش میں نکل پڑتا ہے۔ کل کے اخبار ڈان میں انتظار حسین نے کالم لکھا ہے، جو تحسین صاحب کے حق میں ہے۔ اس کا عکس بھیج رہا ہوں، یہ انھیں دے دیجیے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ڈاکٹر وحید قریشی صاحب سے بات ہوئی۔ انھوں نے بتایا کہ لاہور میں ڈاکٹر سلیم اختر[۷] وغیرہ نے یہ اُڑا دی ہے کہ تحسین صاحب سے مضمون مشفق خواجہ نے لکھوایا ہے اور ڈاکٹر وحید قریشی تقسیم کر رہے ہیں۔ یہ ہم دونوں پر اِتہام ہے۔ تخریبی کاموں کے لیے تحسین صاحب خود ہی آمادہ رہتے ہیں، کسی دوسرے کو انھیں بھڑکانے کی کیا ضرورت ہے۔ ویسے اُنھوں نے معین صاحب کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا۔ خود تو لکھا ہی تھا، اب دوسرے بھی لکھ رہے ہیں۔ سنا ہے کہ کراچی میں ایک صاحب پمفلٹ شائع کر رہے ہیں، جس میں تحسین و معین کے فرمودات پر محاکمہ ہے[۸]...... ان سب 'معین آزار' تحریروں کا گناہ تحسین صاحب کے سر جائے گا۔ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے بھی بتایا کہ آج کل معین صاحب کا بلڈ پریشر بڑھ گیا ہے۔ 'فتے دین' بھی سنا ہے، بہت بیمار ہے۔ وہ کہتا ہے: مَیں نے تو صرف پنجاب یونی ورسٹی کی مہر پر اپنے نام کی چپپی لگائی تھی، اتنے معمولی جرم کی سزا اتنی شدید بیماری کی صورت میں کیوں مل رہی ہے۔

پچھلے دنوں رسالہ شاعر کے پرانے پرچے دیکھ رہا تھا کہ مولانا ماہر القادری کا ایک خط نظر آیا۔ اس میں بعض اہم معلومات ہیں۔ اس کا عکس منسلک ہے۔ یہ ازرہِ کرم ڈاکٹر عبدالغنی فاروق

۵۔ دیوانِ غالب، نسخۂ خواجہ: اصل حقائق، لاہور، ۲۰۰۰ء۔
۶۔ دیوانِ غالب، نسخۂ خواجہ: صحیح صورتِ حال۔ لاہور، مئی ۲۰۰۰ء۔
۷۔ ڈاکٹر سلیم اختر (پ: ۱۱ر مارچ ۱۹۳۴ء) معروف نقاد اور ادیب۔ گورنمنٹ کالج، لاہور میں اردو کے استاد رہے۔ سبک دوشی کے بعد، کچھ عرصہ لاہور کی یونی ورسٹی آف ایجوکیشن سے وابستہ رہے۔ پچاس سے زائد کتابوں کے مصنف و مؤلف۔
۸۔ غالباً اشارہ ہے سید قدرت نقوی کے کتابچے: دیوانِ غالب، نسخۂ خواجہ یا نسخۂ مسروقہ: ایک جائزہ (کراچی، اگست ۲۰۰۰ء) کی طرف۔

صاحب کو دے دیجیے اور اُنھیں یہ بھی بتا دیجیے کہ شاعر میں مولانا کی بے شمار تحریریں شائع ہوئی ہیں۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیراندیش
مشفق خواجہ
۵۔۶۔۲۰۰۰ء

....

۱۱۴

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

عزیزی روبینہ شاہ جہان پشاور یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو میں استاد ہیں۔ یہ جس زمانے میں ڈاکٹر احسن فاروقی پر ایم فل کے لیے مقالہ لکھ رہی تھیں تو کراچی آئی تھیں۔ انھوں نے بڑی محنت سے مقالہ لکھا ہے۔ اب یہ پی ایچ ڈی کرنا چاہتی ہیں۔ مَیں نے انھیں مشورہ دیا ہے کہ پنجاب یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کریں۔ موضوع 'مظفر علی سید: احوال و آثار' کیسا رہے گا؟ ویسے ڈاکٹر احسن فاروقی پر پی ایچ ڈی کی سطح پر بھی کام ہو سکتا ہے[۱]۔

اُمید ہے، آپ کی توجہ سے یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

خیراندیش
مشفق خواجہ
۹۔۶۔۲۰۰۰ء

....

۱۱۵

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کے کئی خط پے در پے ملے، عنایات کی اس بارش کے لیے ممنون ہوں۔ آپ کے ان خطوں سے کئی تازہ اطلاعات ملیں، نیز آپ کی مصروفیات کا اندازہ ہوا۔ حافظ محمود شیرانی سے متعلق

۱۔ ڈاکٹر روبینہ شاہ جہان (پ: ۲۵ رمئی ۱۹۷۰ء) نے ۲۰۰۵ء میں خواجہ صاحب ہی کے تجویز کردہ موضوع پر پشاور یونی ورسٹی سے ڈاکٹر صابر کلوروی کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کر لیا تھا۔ ان دنوں وہاں لیکچرار ہیں۔

مجلّہ چھاپنے کا خیال بہت عمدہ ہے، مگر آپ نے مقالہ نگاروں کو جو مہلت دی ہے، وہ بہت کم ہے۔ اتنے عرصے میں تو بقول غالبؔ، لپٹا ہوا بستر بھی نہیں کھولا جا سکتا، مقالہ کون لکھے گا۔ ڈاکٹر نذیر احمد (دہلی، علی گڑھ) نے یادگار نامۂ قاضی عبد الودود شائع کیا ہے، اس میں پانچ برس صرف ہوئے ہیں۔ آپ نے جن اہلِ علم کو خطوط روانہ کیے ہیں، ان کے علاوہ کوئی میری نظر میں ایسا نہیں ہے کہ اُسے مقالہ لکھنے کے لیے کہا جائے۔ ہاں، اگر آپ تنقید نگاروں کو بھی شایانِ التفات سمجھیں تو کئی لکھنے والے ہاتھ آ سکتے ہیں۔ میری رائے میں معیاری مجموعے کے لیے کم از کم ایک سال کی مدت تو لازماً درکار ہوگی[۱]۔

آپ نے اپنے پچھلے ایک خط میں ادارۂ تالیف و ترجمہ کے لیے کوئی مسودہ طلب کیا تھا۔ اس دَوران ایک صاحب، باقر نقوی سے ملاقات ہوئی۔ یہ وہی صاحب ہیں، جن کی کتاب نوبیل انعامات کے بارے میں اردو سائنس بورڈ نے چھاپی ہے۔ انھوں نے کلوننگ اور DNA کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے۔ اگر آپ فرمائیں تو مَیں ان سے یہ مسودہ لے کر آپ کو بھیج دوں یا کہوں کہ وہ آپ سے رابطہ کریں[۲]۔

ٹھوکر نیاز بیگ سے آگے چلے جانے والے ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کی باتوں کو آپ نے خوب قلم بند کیا[۳]۔ ان میں نادر معلومات ہیں۔ آپ کم از کم مہینے میں ایک بار اُن سے ضرور ملیے

۱۔ ڈاکٹر سہیل احمد خاں (پ: ۱۸ر جولائی ۱۹۴۸ء) کے زمانۂ صدارت میں، شعبۂ اردو کو یونی ورسٹی سے کچھ ریسرچ گرانٹ ملی تھی۔ طے ہوا کہ شعبے کے مرحوم اساتذہ کی یاد میں چند یادگاری جلدیں مرتب و شائع کی جائیں۔ محمود شیرانی، سید عبداللہ، عبادت بریلوی، وقار عظیم اور سجاد باقر رضوی کے لیے جلدوں کی تیاری کا کام مختلف اساتذہ کو سونپا گیا۔ شیرانی پر جلد کی ذمہ داری راقم اور زاہد منیر عامر کو تفویض ہوئی۔ یہاں اس کا ذکر ہے۔ متذکرہ جلد ہم نے ارمغان شیرانی کے نام سے فروری ۲۰۰۲ء میں شائع کر دی تھی۔ ارمغان سید عبداللہ (مرتبین: تحسین فراقی + ڈاکٹر ضیاء الحسن) ۲۰۰۵ء میں شائع ہو گئی۔ باقی جلدیں ابھی تک 'زیرِ ترتیب' ہیں۔

۲۔ چونکہ ادارہ تالیف و ترجمہ بالکل بے اختیار تھا، اس لیے یہ تجویز بھی روبعمل نہ آ سکی۔

۳۔ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب اپنا ۲۶۹، اپن سمن آباد والا مکان فروخت کر کے ای ایم ای ہاؤسنگ سوسائٹی میں اپنے نئے مکان (نمبر ۲۱۵، ای) میں منتقل ہو گئے تھے۔ قلبِ شہر سے اس کا فاصلہ ۱۹، ۲۰ کلو میٹر ہے۔ اس حوالے سے اُن دنوں وہ اپنے ملاقاتیوں کو اپنا یہ شعر سنایا کرتے تھے:

ٹھوکر نیاز بیگ سے آگے چلے گئے
چکر تھا ایک پاؤں میں، بھاگے چلے گئے

اپنی ذاتی سواری کے بغیر یہاں پہنچنا بہت مشکل ہے۔ خط ۱۲۷ میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ اُنھی دنوں کی ایک ملاقات میں راقم نے شعر کے ساتھ ان کی کچھ گفتگو بھی قلم بند کر کے خواجہ صاحب کو ارسال کی تھی۔

اور ٹیپ ریکارڈ سامنے رکھ کر گفتگو کیجیے۔ یقین ہے کہ اس طرح بہت سی معلومات محفوظ ہو جائیں گی۔ جس زمانے میں ڈاکٹر صاحب کراچی میں تھے، مَیں نے اُن سے کہا تھا کہ جن شخصیات سے اُن کے تعلقات رہے ہیں، اُن سے متعلق اپنی یادداشتیں قلم بند کر ڈالیں۔ تقریباً چالیس شخصیات کی ایک فہرست بھی بنائی تھی، مگر افسوس کہ اُنھوں نے کسی ایک پر بھی نہیں لکھا۔ بیماری، اقبال اکیڈیمی اور مقتدرہ کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کے تقریباً ۲۵ برس ضائع ہو گئے۔ اُن کا سارا علمی و تحقیقی کام ۲۵ برسوں سے پہلے کا ہے۔ اس دوران مَیں نے اُن سے بارہا کہا کہ میر حسن والے مقالے پر نظرِ ثانی کریں، تاکہ اسے چھپوایا جا سکے، مگر وہ اس کے لیے وقت نہ نکال سکے۔ ڈاکٹر صاحب جیسا باکمال آدمی ہمارے ملک میں شاید ہی کوئی دوسرا ہو کہ بیک وقت اردو ادب، فارسی ادب، تاریخ برصغیر اور تحریک پاکستان پر اُن کی گہری نظر ہے۔ کاش، وہ اپنے اصل کام کی طرف لوٹیں۔ ممکن ہے، آپ کی بات، چیت سے وہ دوبارہ علمی طور پر فعال ہو جائیں۔ خدا اُن کو صحت اور طویل عمر سے نوازے اور وہ اپنے نامکمل کاموں کو مکمل کر سکیں۔

...... خدا جانے، اس قسم کی جعل سازی سے وہ کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ دولت، شہرت اور شہوت کے پیچھے جو لوگ دیوانے ہو جاتے ہیں، ان کا انجام بُرا ہوتا ہے......

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ کا دفتری کاموں کا تجربہ خوش گوار رہا، مگر مَیں نہیں سمجھتا کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوگا۔ دفتری کاموں کے نتیجے میں اکثر لوگ ناخوش ہو جاتے ہیں اور پھر ذہنی دباؤ کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ خدا آپ کو اس سے محفوظ رکھے۔ کوشش کیجیے کہ دفتری کاموں سے چھٹکارا حاصل ہو جائے، ورنہ آپ کی علمی سرگرمیاں متاثر ہوں گی[۴]۔ آپ کا یہ خیال درست ہے کہ مَیں اس جنجال سے محفوظ رہا۔ حال ہی میں مجھے مقتدرہ کی صدر نشینی کی پیش کش ہوئی، بہت اصرار تھا، مگر مَیں نے انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ مَیں ملازمت کا اہل ہی نہیں ہوں۔ مَیں نے خورشید رضوی صاحب کا نام پیش کیا ہے۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔

اردو بک ریویو مجھے آج تک نہیں ملا۔ آپ نے اس کا سالانہ چندہ کتنا ادا کیا ہے، مطلع

۴۔ یہ شعبۂ اردو کی صدارت کی ذمہ داری تھی۔ اس کا آغاز یکم اپریل ۲۰۰۰ء کو ہوا تھا۔ اگلے برس جون میں راقم نے اپنی علالت (اور آنتوں کی جراحت کے بعد، معالجین کی ہدایت) کے پیشِ نظر رئیسِ جامعہ سے درخواست کر کے اس ذمہ داری سے چھٹکارا حاصل کر لیا اور اسی روز (۵؍جولائی) سے تحسین فراقی نے یہ بارِ گراں خوشی خوشی اٹھا لیا۔

فرمایئے، تا کہ مَیں آپ کی خدمت میں پیش کرسکوں[۵]۔ اگر اسی رسالے کے پچھلے شمارے بھی مل سکیں تو بہت اچھا ہو۔ ہمارے ہاں اس قسم کا کوئی رسالہ نہیں۔ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کا نقطۂ نظر ہے، لیکن اس کی نظر بے حد کمزور ہے۔ مذہبی یا متعلقاتِ مذہب سے سروکار ہے۔ علمی کتابوں کو عموماً نظرانداز کیا جاتا ہے۔ ادبی کتابیں (شاعری۔ افسانہ) ضرور نظرانداز کریں، لیکن ادب کے حوالے سے علمی تحقیق کو نظرانداز کرنا کوتاہیِ نظر ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ یہ رسالہ، باوجود عمدہ طباعت کے، کتابوں کی دنیا کے بارے میں، بہ حیثیت مجموعی، کوئی رہنمائی نہیں کرتا۔

سعید شیخ صاحب بہت محبت کرنے والے انسان ہیں اور پھر میرے والد صاحب کے دوستوں میں سے ہیں۔ میری کوتاہی ہے کہ مَیں پچھلی مرتبہ لاہور گیا تو اُن سے نہیں ملا۔ اس سال کے آخر تک لاہور کا پروگرام ضرور بنے گا۔ اب کے سب سے پہلے شیخ صاحب کے درِ دولت پر دستک دوں گا۔ لاہور آنے کی ایک صورت یہ ہوسکتی تھی کہ سہیل عمر اقبال ایوارڈ کی میٹنگ بلاتے، مگر اُنھوں نے اس معاملے میں دلچسپی نہیں لی۔ اس کی دو وجوہ ہیں۔ ایک تو ایوارڈ کی رقم وہ دوسری مَدات میں صرف کر چکے ہیں، دوسرے گزشتہ مرتبہ کے انعامات کا اعلان اُنھوں نے ابھی تک نہیں کیا۔ کیونکہ ہم نے جن کتابوں [کو] ایوارڈ کے لائق سمجھا تھا، وہ سہیل عمر کے پسندیدہ مصنفین کی نہیں ہیں۔ مَیں نے کئی مرتبہ سہیل عمر سے اس بارے میں پوچھا، اُن کا جواب تھا، گورنمنٹ آپ کے فیصلوں سے مطمئن نہیں ہے۔ گویا موصوف اپنے آپ کو گورنمنٹ سمجھتے ہیں[۶]۔

علی گڑھ کا رسالہ تہذیب الاخلاق معلوم نہیں، آپ کی نظر سے گزرتا ہے یا نہیں۔ اس میں اسپین کا ایک سفرنامہ شائع ہوا ہے۔ اس کا عکس بھیج رہا ہوں۔ یہ آپ کی دلچسپی کی چیز ہے۔

قاضی محمد حسین یا تلمذ حسین (اس وقت صحیح نام یاد نہیں آ رہا) کا سفرنامہ اندلس[۷] اس لائق ہے کہ دوبارہ شائع ہو۔ کیوں نہ آپ اسے مرتب کر دیں۔ ایک دیباچہ اور جہاں ضرورت ہو،

۵۔ لاہور میں ہمارے دوست سجاد الٰہی صاحب دہلی سے چند پرچے منگاتے تھے۔ مَیں اُن سے پرچے حاصل کر کے بعض دوستوں کو، بشمول خواجہ صاحب، پرچہ بھجواتا تھا۔

۶۔ یہ خواجہ صاحب کی غلط فہمی تھی۔ منصفین کے فیصلے میں رد و بدل کا اختیار کسی کو بھی نہیں ہوتا۔ فیصلوں کے اعلان میں تاخیر کا سبب یہ ہوتا ہے کہ منصفین کے فیصلوں کا اعلان مرکزی حکومت کی مقرر کردہ اوارڈ کمیٹی کی توثیق کے بعد کیا جاتا ہے۔

۷۔ سفرنامۂ اندلس (۱۹۲۷ء) کے مصنف قاضی ولی محمد ہیں۔ بلاشبہ یہ اندلس کا نہایت عمدہ سفرنامہ ہے۔ افسوس ہے کہ خواجہ صاحب کی تجویز پر عمل نہ کرسکا۔

وہاں حواشی آپ لکھ دیں۔ اس وقت ایک پبلشر میرے ہاتھ میں ہے، وہ اسے نہایت اہتمام سے شائع کر دے گا اور آپ کو معاوضہ بھی دے گا۔

آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ معین صاحب کے بڑے بھائی متین الرحمٰن مرتضٰی نے طاہر مسعود سے یہ کہا کہ تحسین فراقی نے مضمون[۸] خود نہیں لکھا، مشفق خواجہ نے لکھ کر دیا ہے۔ ظاہر ہے، یہ بات معین صاحب ہی نے بڑے بھائی سے کہی ہوگی۔ معلوم نہیں، تحسین صاحب کے عشق میں مجھے اور کیا کیا کچھ سننا ہوگا۔

اچھا جناب، اب اجازت دیجیے کہ ورق تمام ہوا، باقی مدح اگلے خط میں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
۱۲-۸-۲۰۰۰ء

....

۱۱۶

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

امید ہے آپ اب تک پوری طرح صحت یاب ہو کر معمول کے مطابق اپنے کاموں میں مصروف ہوں گے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ دوسری مرتبہ آپ کو سڑک عبور کرتے ہوئے حادثہ پیش آیا۔ خدا کے لیے آپ اپنا خیال رکھیے اور سڑکیں عبور کرنا چھوڑ دیجیے۔ لوگ تو دریائے شور کو بھی صحت و سلامتی کے ساتھ عبور کر لیتے تھے، ایک آپ ہیں کہ اپنے محبت کرنے والوں کے لیے پریشانی کا سامان پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اگر مَیں لاہور میں ہوتا تو آپ کو کبھی اکیلے سڑک عبور نہ کرنے دیتا۔ اتنی دور بیٹھ کر دعائے خیر ہی کر سکتا ہوں، سو کرتا رہتا ہوں۔ خدا آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے کہ آپ کی صحت و سلامتی، ہم سب کی صحت و سلامتی ہے۔[۱]

۸۔ مراد ہے: کتابچہ: دیوانِ غالب: نسخۂ خواجہ، اصل حقائق

(۱۱۶)

۱۔ برادرم اورنگ زیب عالم گیر صاحب سے طے شدہ پروگرام کے مطابق راقم اوائل اکتوبر کی ایک شام مغرب سے ذرا پہلے گھر سے نکلا (ہمیں فرانس سے آنے والے ایک دوست میخائل سمل کو ہوائی اڈے سے لینا تھا)۔ مجھے وحدت روڈ عبور کرتے ہوئے ایک تیز رفتار موٹر سائیکل نے ٹکر ماری، چوٹیں آئیں اور کولھے کی ہڈی کو ایسا ضعف پہنچا کہ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق پانچ ہفتے کے لیے پابند بستر رہنا پڑا۔

سفرنامے کا مسودہ مل گیا ہے۔ اِن شاء اللہ اس کی اشاعت کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔ فضلی سنز نے تو کتابیں شائع کرنے کا کام بند کر دیا۔ کوئی دوسرا پبلشر تلاش کروں گا۔ اسلام آباد میں ایک نئے پبلشر 'الحمرا' نے کام شروع کیا ہے[۲]۔ یہ اب تک ۲۵ کے قریب کتابیں شائع کر چکا ہے اور اتنی ہی زیرِ طبع ہیں۔ مجھ سے اس کا رابطہ ہے۔ قاضی ولی محمد کے سفرنامے کی بات اسی پبلشر سے ہوئی تھی۔ آپ قاضی صاحب کے سفرنامے کو مرتب کر دیجیے، آپ کا سفرنامہ اس کے ساتھ ہی شائع کرادوں گا۔ سفرنامہ مرتب کرنے کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں، مگر جس قدر جلد از جلد یہ کام ہو جائے، بہتر ہے[۳]۔ اُسے مَیں نے چھ سفرنامے ایک ساتھ شائع کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ آپ نے اپنے سفرنامے کے لیے جو تصویریں بھیجی ہیں، وہ نہایت خراب ہیں، ان کی طباعت اچھی نہیں ہوگی۔ کیا آپ کے پاس اصل تصویریں نہیں ہیں؟ آپ کے پاس نہیں تو ہمارے...... دوست کے پاس تو ہوں گی......

....

اردو بک ریویو کا ایک شمارہ (جولائی اگست) مجھے ملا ہے۔ ازرہِ کرم مطلع فرمایئے کہ آپ نے یہ رسالہ جاری کرانے کے لیے کتنی رقم دی ہے، تا کہ مَیں یہ رقم آپ کو بھیج سکوں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ مجھے جنوری ۲۰۰۰ء سے خریدار بنا لیا جائے۔ یہ رسالہ نسبتاً بہتر ہے۔ اسلام آباد والے رسالے (نقد و نظر) میں تو صرف مذہبی کتابوں پر تبصرے ہوتے ہیں[۴]۔ دو روز قبل ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کا فون آیا تھا کہ قائداعظم لائبریری سے بھی اس نوعیت کا رسالہ شائع ہوگا[۵]۔

اقبال اکیڈمی کے معاملات پر افسوس ہوتا ہے......

اکرام چغتائی صاحب پچھلے دنوں کراچی میں تھے۔ پورا ایک ہفتہ میرے ساتھ گزار کر گئے ہیں۔ افسوس یہ کہ میرے گھر میں کوئی پلنگ ایسا نہ تھا، جس پر یہ پورے اترتے۔ نتیجہ یہ کہ پاؤں کی طرف ایک کرسی رکھنی پڑتی تھی، تا کہ پاؤں کے نیچے کچھ تو ہو۔ اورنگ زیب صاحب کے بارے

۲۔ یہ ذکر ہے میرے سفرنامہ اندلس کا۔ خواجہ صاحب کا خیال تھا کہ وہ اسے الحمرا سے چھپوائیں گے، لیکن جب اس میں تاخیر ہوئی تو راقم نے اسے دارالتذکیر، لاہور سے شائع کرا دیا۔

۳۔ افسوس ہے کہ مَیں قاضی ولی محمد کا مذکورہ سفرنامہ مرتب نہیں کر سکا۔

۴۔ نقد و نظر: یہ شش ماہی مجلہ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، اسلام آباد سے شائع ہوتا ہے۔ مدیر: سفیر اختر۔ خط ۱۱۵ اور خط ۱۱۷ میں بھی اس کا ذکر ہے۔

۵۔ مخزن کے نام سے قائداعظم لائبریری، لاہور کا یہ شش ماہی ادبی رسالہ ڈاکٹر وحید قریشی کی ادارت میں ۲۰۰۱ء میں جاری ہوا تھا۔ اب تک اس کے ۱۳ شمارے شائع ہو چکے ہیں۔

میں آپ کی اس اطلاع سے پریشانی ہوئی کہ آج کل وہ بے حد مصروف ہیں۔ خدانخواستہ، کیا کسی علمی منصوبے پر کام کر رہے ہیں۔ ازرہِ [کرم] میری نیک خواہشات اُن تک پہنچا دیجیے۔ وہ صحیح معنوں میں میرے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں کہ مواقع بھی ہیں، صلاحیت بھی ہے، مگر نتیجہ کچھ نہیں۔ تحسین صاحب سے کہیے کہ فوراً میرے خط کا جواب لکھیں۔ اورینٹل کالج میگزین کا تازہ شمارہ مجھے نہیں ملا۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۷۔۱۰۔۲۰۰۰ء

....

۱۱۷

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

معذرت خواہ ہوں کہ اب کے مَیں بھی آپ کا مقلد بن گیا، یعنی خط کا جواب خاصی تاخیر سے دے رہا ہوں۔ آج کل کلیاتِ یگانہ کے حواشی کمپوز ہو رہے ہیں، انھیں فوراً پڑھنا ہوتا ہے۔ دو مرتبہ خواندگی کر چکا ہوں، اب تیسری مرتبہ پروف دیکھوں گا۔ باریک کتابت میں تین سو صفحات ہیں۔ ایک مشکل میں جان ہے۔

آپ کے سفرنامے کی اشاعت کے سلسلے میں عرض ہے کہ پبلشر آج کل ملک سے باہر ہے۔ وہ جب واپس آئے گا تو کراچی آ کر مجھ سے ملے گا۔ تب مسودہ اُس کے حوالے کروں گا، اس لیے آپ سے گزارش ہے کہ آپ قاضی صاحب کے سفر نامہ اندلس پر کام جاری رکھیے۔ یہ آپ جس قدر جلد مکمل کریں گے، اُسی نسبت سے آپ کے سفرنامے کی اشاعت بھی جلد ہوگی۔ یہ پبلشر کتاب چھاپنے میں تاخیر نہیں کرتا۔ عام پبلشروں کے مقابلے میں تیز رفتاری سے کام کرتا ہے۔

امید ہے، اب آپ پوری طرح صحت یاب ہو چکے ہوں گے اور کالج جانا شروع کر دیا ہوگا۔

ارمغانِ شیرانی کے لیے مضمون لکھنے کو میرا جی بھی چاہتا ہے، مگر مذکورہ مصروفیت کی بنا پر شاید نہ لکھ سکوں۔ بہر حال آپ کا حکم ہے، کچھ نہ کچھ کروں گا[1]۔ اردو بک ریویو میرے پاس آنا

۱۔ خواجہ صاحب، خود تو ارمغانِ شیرانی کے لیے مضمون نہ لکھ سکے، البتہ بھارت کے بعض اہلِ قلم کے چند مضامین ہمیں اُن کی معرفت سے حاصل ہوئے۔ تفصیل ۱۹؍مارچ ۲۰۰۰ء کے خط میں ملاحظہ کیجیے۔

شروع ہو گیا ہے۔ اب تک دو شمارے آ چکے ہیں، مگر جناب، یہ رسالہ دیکھ کر خوشی نہیں ہوئی، نہایت معمولی قسم کی کتابوں پر تبصرے شائع ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں ایک سے ایک عمدہ علمی کتاب شائع ہو رہی ہے، مگر ان لوگوں کو کچھ علم نہیں۔ پھر مذہبی کتابوں پر زیادہ زور ہے اور وہ بھی ایسی، جو تبلیغی مقاصد کے لیے چھپتی ہیں اور پہلے بھی کئی بار چھپ چکی ہیں۔ یہی حال ہمارے اسلام آباد والے رسالے کا ہے، جو اختر راہی مرتب کرتے ہیں[۲]۔ اس کے تبصرے دیکھ کر تو یہ لگتا ہے، جیسے پاکستان میں صرف پمفلٹ چھپتے ہیں۔ اس قسم کا معیاری رسالہ صرف وہی لوگ نکال سکتے ہیں، جو گروہ بندی سے بلند ہوں اور کتابوں کی وصولی کا انتظار نہ کریں، کتابیں خرید کر اُن پر تبصرے کرائیں۔ اردو بک ریویو کے ستمبر اکتوبر کے شمارے میں ایک آپ بیتی جنت سے نکالی ہوئی حوّا پر تبصرہ ہے۔ تبصرہ نگار نے کتاب میں شامل ستایشی تحریروں کا ایک ایک جملہ نقل کر کے تبصرہ مکمل کر دیا ہے۔ بہرحال ایک کام کی چیز نظر آ گئی اور وہ ہے: ڈاکٹر افتخار صدیقی کے بارے میں آپ کا مختصر مضمون۔ مرحوم کے بارے میں کچھ نہیں لکھا گیا، حالانکہ وہ بہت اہم مصنف تھے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اس مضمون کو قدرے بڑھا کر قومی زبان کے لیے مجھے بھیج دیں۔ آپ نے عروج اقبال کی بجا طور پر تعریف کی ہے، میری رائے میں ڈپٹی نذیر احمد پر اُن کا مقالہ بھی بے مثال ہے۔ برصغیر کی یونی ورسٹیوں کے پی ایچ ڈی کے دس مقالات کا انتخاب کیا جائے تو یہ اس میں ضرور شامل ہو گا۔ اللہ ان کی مغفرت کرے، انسان بھی بہت عمدہ تھے[۳]۔

انجمن میں ادیب سہیل صاحب کے نام آپ کا کارڈ دیکھا[۴]۔ مَیں کتابت کی غلطیوں کی طرف اُنھیں متوجہ کر کر کے تھک گیا ہوں، مگر وہ حضرت ناقابلِ اصلاح ہیں۔ انھیں معلوم ہی نہیں، کیا غلط ہے اور کیا درست۔ نومبر کے شمارے میں کم از کم دو جگہ 'فواکہات' کو 'فواکحات' لکھا ہے۔ مَیں نے اُن کو بتایا تو کہنے لگے، اچھا مَیں تو اسے بڑی ح سے سمجھتا تھا۔ اب بتایئے، ایسے ظالم کا کیا

۲۔ نقطۂ نظر۔ اس کا ذکر خط ۱۱۶ میں بھی آ چکا ہے۔

۳۔ اپنے مرحوم استاد، ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی (م: ۱۷ ارجون ۲۰۰۰ء) پر مَیں نے ایک مختصر شذرہ لکھا تھا، جو اردو بک ریویو دہلی میں چھپا تھا۔ اس میں اضافہ نہ کر سکا۔ عروجِ اقبال (بزم اقبال لاہور، ۱۹۸۷ء) پر 'صدارتی قومی اقبال اوارڈ' مل چکا ہے۔ نذیر احمد دہلوی: احوال و آثار (مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۷۱ء) صدیقی صاحب کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے۔ ان کی وفات پر شعبۂ اردو کے اساتذہ نے ایک نشست میں طے کیا کہ دیگر مرحوم اساتذہ کے ساتھ صدیقی صاحب کے لیے بھی ایک یادگاری جلد مرتب کی جائے اور یہ کام مَیں نے اپنے ذمے لیا تھا، لیکن یہ منصوبہ بھی تا حال التوا میں ہے۔

۴۔ مَیں نے ادیب سہیل صاحب کو قومی زبان کی بعض اغلاط املا و کتابت کی طرف متوجہ کیا تھا۔

کرے کوئی۔

اردو بک ریویو کے دوسو روپے میری طرف ہیں۔ تھوڑی سی رقم اور صرف کر دیجیے۔ خرم مراد کی کتاب لمحات منصورہ سے شائع ہوئی ہے[۵]۔ اس کا ایک نسخہ پبلشر سے کہیے، میرے نام پوسٹ کر دے۔، رجسٹری سے۔ کتاب کی قیمت اردو بک ریویو کے چندے کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھجوا دوں گا، پیشگی شکریہ۔

تحسین صاحب سے کہیے، رشید حسن خاں کی املائے غالب اگلے دو تین روز میں چھپ جائے گی۔ اس کا ایک غیر مجلد نسخہ میں اُنھیں فوراً بھیج دوں گا۔

کلوننگ والی کتاب تو اردو سائنس بورڈ والے چھاپ رہے ہیں، البتہ ایک اور مسودہ بھجوا سکتا ہوں۔ آپ نے احمد الدین مار بروی مرحوم کا نام سنا ہوگا۔ عالم فاضل آدمی تھے۔ انھوں نے حیوانیات کا ایک ان سائی کلو پی ڈیا مرتب کیا تھا، بے شمار کتابوں سے استفادہ کر کے۔ اس میں ہر قسم کے حیوانات کے بارے میں الفبائی ترتیب سے معلومات جمع کی گئی ہیں۔ اردو میں ایسی عمدہ کتاب کبھی نہیں لکھی گئی۔

عید کے بعد بہاولپور سنٹرل لائبریری اور جھنڈیر لائبریری جانے کا ارادہ ہے[۶]۔ کیا آپ ایک ہفتے کے لیے وقت نکال سکتے ہیں۔ اورنگ زیب صاحب میرے ساتھ ہوں گے[۷]۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۱۔۱۱۔۲۰۰۰ء

....

۱۱۸

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کا خط مورخہ ۳۰ر نومبر موصول ہوا۔ ادارۂ تالیف و ترجمہ کی طرف سے بھی حیوانیات

۵۔ لمحات (منشورات، لاہور، ۲۰۰۰ء) خرم مراد (۱۹۳۲ء۔۱۹۹۶ء) کی آپ بیتی ہے، جو میں نے خواجہ صاحب کو بھجوادی تھی۔

۶۔ خواجہ صاحب نے مذکورہ مسوّدہ بھجوا دیا تھا، مگر افسوس کہ ادارۂ تالیف و ترجمہ اسے شائع نہ کر سکا، چنانچہ مسوّدہ واپس خواجہ صاحب کو پہنچا دیا گیا تھا۔

۷۔ افسوس کہ یہ پروگرام روبعمل نہ آ سکا۔

کے ان سائی کلو پی ڈیا[کے سلسلے میں] خط مل گیا ہے۔ یہ کتاب اُردو میں اپنی نوعیت کی پہلی اور منفرد کتاب ہے۔اس کی اشاعت سے آپ کے ادارے کی بھی نیک نامی ہوگی۔ یہ انجمن کے اشاعتی پروگرام میں شامل تھی، مگر آپ کے خیال سے مَیں نے مصنف مرحوم کے وارث جمیل زبیری صاحب کی اجازت سے آپ کو بھیج دی۔ جمیل زبیری صاحب اس کا کوئی معاوضہ بھی نہیں لیں گے۔اہلِ خاندان میں تقسیم کے لیے اُنھیں چند نسخوں کی ضرورت ہوگی۔

آپ نے بہت اچھا کیا کہ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کے لیے اپنے شعبے میں مصروفیت پیدا کردی۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ تو اُن کے طالب علموں کو ہوگا، لیکن خود ڈاکٹر صاحب بھی فائدے میں رہیں گے۔شہر سے دور رہائش کی وجہ سے اُن کی تنہائی کا سدِّ باب ہوگا، جس کا اُن کی صحت پر خوش گوار اثر پڑے گا[۱]۔ کوشش کیجیے کہ ڈاکٹر صاحب اپنے نامکمل علمی کاموں کو مکمل کرنے کی طرف توجہ کریں۔ اُن جیسے علم وفضل کے لوگ، ہمارے معاشرے میں بہت کم ہیں۔ کاش، اُن کے لیے ایسی آسانیاں پیدا کی جاسکیں کہ وہ سارا وقت اپنے علمی کاموں کی نذر کردیں[۲]۔

....

....

گیان چند صاحب کا خط دیکھا۔ اُن کا اس موضوع پر مضمون بھی آ گیا ہے، جس کی فوٹو اسٹیٹ مَیں نے تحسین صاحب کو بھیجی ہے۔ یہ آپ اُن سے لے کر دیکھیے۔ پہلی مرتبہ ڈاکٹر صاحب نے جانب داری سے کام لیا ہے، ورنہ علمی معاملات میں وہ عام طور پر ایسا نہیں کرتے۔ نام نہاد ماہر غالبیات کی دل جوئی کے لیے اُنھوں نے بعض ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں، جو تالیفِ قلب کے لیے ہیں۔ مَیں اُنھیں ایک مفصل خط لکھ رہا ہوں[۳]۔

دسمبر کے مہینے میں ایک دم شعبۂ اُردو کے تین اساتذہ کا غائب ہوجانا اگرچہ طلبہ کے حق میں مفید ہوگا، مگر شعبے کے انتظامی امور متاثر ہوں گے، اس لیے مَیں نے سوچا ہے کہ بہاول پور اور

۱۔ راقم کی درخواست پر (یونی ورسٹی کی منظوری کے بعد) ڈاکٹر وحید قریشی صاحب، شعبۂ اُردو سے بطور مہمان استاد (visting professor) وابستہ ہو گئے تھے اور وہ ایم اے کی جماعتوں کو ہفتے میں دو روز، دو دو پیریڈ پڑھانے لگے تھے۔

۲۔ اگر ایسا ہو جاتا تو کتنا اچھا ہوتا!

۳۔ ڈاکٹر گیان چند کا مضمون اور خط دیوانِ غالب: نسخہ خواجہ کے موضوع سے متعلق تھا۔ مضمون ہماری زبان دہلی میں چھپا تھا۔

جھنڈیر کے سفر کو اپریل تک ملتوی کر دیا جائے۔ اپریل میں یونی ورسٹی بند ہوگی اور آپ لوگ آسانی سے لاہور سے باہر چند روز گزار سکتے ہیں۔ اپریل میں موسم بھی معتدل ہوگا اور گرم کپڑوں کا بوجھ اُٹھانا نہیں پڑے گا۔ بہاول پور اور جھنڈیر تو محض بہانہ ہیں، میرا اصل مقصد یہ ہے کہ آپ کے ساتھ چند روز گزارے جائیں، اور یہ کام لاہور سے باہر ہی ہوسکتا ہے[۴]۔

کراچی کے ایک رسالے موجود میں چار قسطوں میں ماہر غالبیات پر ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ یہ تحسین صاحب سے لے کر پڑھیے۔ بہت دل چسپ مضمون ہے۔

خرم جاہ مراد مرحوم کی کتاب لمحات مل گئی، بے حد شکریہ۔ اب اطلاع دیجیے کہ کتنی رقم کا منی آرڈر بھیجوں۔ ۲۰۰ تو رسالے کے چندے کے ہیں اور اس کتاب کی قیمت کیا ہے؟ آپ کا اتنا احسان ہی کم نہیں کہ آپ کتابوں کی فراہمی میں مدد کر دیتے ہیں، لہٰذا فوراً لکھیے[۵]۔

[آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ

دسمبر ۲۰۰۰ء]

....

۱۱۹

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

یہ نیا سال ہمارا تو نہیں، مگر رسمِ دنیا کے مطابق، نئے سال، بلکہ نئے ہزاریے کے آغاز پر دعا کرتا ہوں کہ آپ صحت و شادمانی کے ساتھ طویل عمر پائیں اور مجھ جیسے گمراہوں کو منزل کا سراغ دیں۔ منصورہ سے آگے کی منزل، جو ہم سب کی منزلِ آخر ہے اور منزلِ مراد بھی۔

آپ کی طرف میرے خط کا جواب واجب ہے، لیکن آپ واجبات کا خیال ہی کہاں رکھتے ہیں۔ جی چاہتا ہے تو پے در پے خط لکھتے ہیں، نہیں جی چاہتا تو منتظرِ خط کو بھی بھول جاتے ہیں۔

اِدھر سید معین الرحمٰن کا ایک دل چسپ خط آیا ہے۔ اس خط کی اور اپنے جواب کی فوٹو اسٹیٹ

۴۔ خواجہ صاحب کی تجویز بہت اچھی تھی، مگر ردِ عمل نہ آسکی۔

۵۔ اس خط پر کاتب کے دستخط اور تاریخ تحریر نہیں ہے۔ غالباً خواجہ صاحب لکھنا بھول گئے۔ اسی خط پر درج یادداشت کے مطابق مَیں نے اس کا جواب ۷؍ دسمبر ۲۰۰۰ء کو لکھا تھا۔ گویا اس طرح، اندازہ ہے کہ خواجہ صاحب نے یہ خط دسمبر کے پہلے یا دوسرے ہفتے میں لکھا ہوگا۔

مَیں نے تحسین صاحب کو بھیجی ہے۔ موقع ملے تو اُن سے لے کر دیکھیے۔

جھنڈیر کے سلسلے میں پروگرام آپ ہی طے کیجیے۔ ایسی تاریخیں ہوں، جو آپ سب کے لیے مناسب ہوں۔ مَیں اُن کے مطابق حاضر ہو جاؤں گا۔ بس یہ خیال رکھیے کہ موسم ایسا ہو کہ گرم کپڑے پہننے پڑیں نہ ساتھ لینے پڑیں۔ اس اعتبار سے اپریل کا مہینہ بہت موزوں ہے۔ اس مہینے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ سورج مکھی کی فصل اپنی بہار پر ہوتی ہے۔ ہر طرف رنگ ہی رنگ نظر آتا ہے۔ یہ نظارہ آنکھوں کے لیے اور دل کے لیے بھی فرحت بخش ہوتا ہے۔

میرے خط میں ایک جواب طلب امر یہ تھا کہ اردو بک ریویو اور خرم جاہ مراد کی کتاب کی مجموعی رقم سے مطلع فرمائیے۔ ابھی آپ نے یہی حساب نہیں بھیجا کہ منصورہ کی شائع کردہ ایک اور کتاب دامن کشِ دل ہوگی۔ ترجمان القرآن کے تازہ شمارے میں میاں طفیل محمد صاحب کے مشاہدات (مرتبہ سلیم منصور خالد) کا اشتہار دیکھا۔ اب یہ کتاب بھی بھجوا دیجیے اور تینوں کی مجموعی رقم سے مطلع فرمائیے[1]۔

ڈاکٹر اورنگ زیب عالم گیر صاحب کا کیا حال ہے؟ ان سے کئی دنوں سے رابطہ نہیں ہے۔ میرا فون اگر ڈائریکٹ ہوتا تو مَیں آپ لوگوں کو فون کرتا رہتا، مگر ایکسچینج کے ذریعے نمبر ملانا ناممکنات میں سے ہے۔ اورنگ زیب صاحب سے کہیے کہ کسی وقت فون کر لیں۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ

۱-۱-۲۰۰۱ء

....

۱۲۰

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کے لیے مضامین تلاش کرنے میں خاصا وقت صرف ہوا۔ اگر یہ مضامین کسی ایک جگہ رکھے ہوتے تو فوراً بھیج دیتا، مگر درجنوں فائلوں اور ڈھیروں کاغذات کے انبار میں انھیں ڈھونڈ

۱- مشاہدات میاں طفیل محمد (پ: نومبر ۱۹۱۳ء) سابق امیر جماعت اسلامی پاکستان کی خودنوشت ہے، جسے پروفیسر سلیم منصور خالد نے مرتب کیا ہے۔ ناشر: ادارہ معارف اسلامی لاہور، ۲۰۰۰ء۔

نکالنا ایسا ہی مشکل کام ہے، جیسا آپ کے ساتھ جھنڈیر کا پروگرام بنانا۔ پچھلی مرتبہ آپ آتے آتے رہ گئے اور اس مرتبہ ہمیں جاتے جاتے روک دیا۔ بہرحال بعد از خرابیِ بسیار چھ نہایت عمدہ مضامین بھیج رہا ہوں۔ یہ سب غیر مطبوعہ ہیں:

۱۔ 'مصحفی سے منسوب دو تذکرے' از ڈاکٹر حنیف نقوی۔ نقوی صاحب نے یہ مضمون نقوش کے لیے بھجوایا تھا، مگر نقوش کا عام شمارہ شاید ہی نکلے، لہٰذا مضمون آپ کو بھیج رہا ہوں۔ نقوی صاحب کو اطلاع کر دی ہے۔

۲۔ 'زخ ش کی شخصیت خطوط کے آئینے میں'۔ شان الحق حقی صاحب کو زخ ش کے غیر مطبوعہ خطوط مل گئے تھے، اُنھیں سامنے رکھ کر یہ مضمون لکھا گیا ہے۔

۳۔ 'مخطوطہ ہدیۃ المورخین کا ایک ورق': ڈاکٹر اکبر حیدری کشمیری۔

۴۔ 'یہاں وہاں کا ارتقائی سفر' از فرید احمد برکاتی۔ یہ فرید احمد برکاتی وہی ہیں، جنھوں نے فرہنگِ میر مرتب کی ہے۔ پچھلے دنوں حکیم محمود احمد برکاتی صاحب ہندوستان گئے تھے۔ فرید صاحب (جو اُن کے قریبی عزیز ہیں) نے اُنھیں یہ مضمون دیا کہ پاکستان کے کسی جریدے میں چھپوا دیں۔ اُنھوں نے مجھے دیا، مَیں آپ کو پیش کرتا ہوں۔ مَیں نے حکیم محمود احمد برکاتی صاحب کو فون پر اس کی اطلاع دی اور ساتھ ہی فرمایش کی کہ وہ ارمغانِ شیرانی کے لیے مقالہ عنایت فرمائیں۔ اتفاق سے حکیم صاحب نے حال ہی میں چار سال کی محنت کے بعد حکیم احسن اللہ خاں پر مقالہ مکمل کیا ہے اور وہ اب اسے صاف کر رہے ہیں۔ اُنھوں نے وعدہ کیا ہے کہ ایک ہفتے میں وہ یہ مقالہ عنایت فرما دیں گے۔ مَیں آپ کو بھیج دوں گا۔

۵۔ 'شاگردانِ رشک' از ڈاکٹر محمد انصار اللہ۔ یہ اپنے موضوع پر واحد مقالہ ہے۔ مَیں اسے اردو میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، مگر اب یہ صحیح جگہ چھپے گا۔

۶۔ 'دیوان عطار' مرتبہ: خضر نوشاہی۔ یہ سندھ کی ادبی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ پہلی مرتبہ یہ کلام چھپے گا اور پہلی مرتبہ ہی شاعر کا مفصل تعارف ہوگا۔ یہ مقالہ کتابی صورت میں شائع ہوتے ہوتے رہ گیا، اس لیے تو شاعر صاحب نے مجھے دیا کہ کسی رسالے میں شائع کرا دوں۔

آخری دونوں مقالے قدرے طویل ہیں، مگر موضوع کے اعتبار سے نہایت اہم ہیں۔ میرا

خیال ہے کہ ارمغان کے ۴۰،۴۰ صفحات کے اندر آ جائیں گے۔ چھوٹے چھوٹے خراب مقالے چھاپنے سے بہتر ہے کہ اچھے طویل مقالوں کے لیے گنجایش نکالی جائے۔

اگر کسی وجہ سے کوئی مقالہ آپ شائع نہ کر سکیں تو فوراً واپس کر دیں[۱]۔

وہ جو حیوانیات سے متعلق کتاب مَیں نے بھیجی تھی، اُس کا کیا ہوا[۲]؟

مضامین کے ساتھ رسالہ غالب کے دو نسخے بھی بھیج رہا ہوں۔ ایک اعجاز بٹالوی[۳] صاحب کے لیے ہے اور دوسرا اکرام چغتائی صاحب کے لیے۔ برادرم اورنگ صاحب کے حوالے کر دیجیے۔ انھوں نے پروفیسر عبدالشکور احسن کے مقالات کا مجموعہ بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ یہ وعدہ انھیں یاد دلا دیجیے۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب نے بھی اس کتاب کی فرمایش کی ہے۔ اُن کے لیے بھی ایک اعزازی نسخہ حاصل کیجیے۔ اگر آپ براہِ راست نہ بھیج سکیں تو مجھے عنایت کیجیے، مَیں دوسری کتابوں کے ساتھ پوسٹ کر دوں گا۔

اب ذرا دل تھام کے بیٹھیے۔ ایک نہایت دردناک[۴] مسئلے پر آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ سید معین الرحمٰن کے خلاف جو مہم چل رہی ہے، اگرچہ اس کے ذمہ دار وہ خود ہیں، مگر اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے۔ موصوف بے حد پریشان ہیں۔ اتنے پریشان کہ انھیں اپنی موت کے آثار نظر آنے لگے ہیں۔ اُنھوں نے میرے نام ایک خط لکھا ہے، جس کی نقل منسلک کر رہا ہوں۔ ملاحظہ فرمایئے[۵]۔ یہ خط پڑھ کر طبیعت بے چین ہو گئی۔ کسی بھی انسان کی اتنی پریشانی مجھ سے نہیں دیکھی جا سکتی، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اب اُنھیں معاف کر دیا جائے۔ تحسین فراقی صاحب لاہور

۱۔ خواجہ صاحب نے یہ سب مقالے زیرِ ترتیب ارمغان شیرانی کے لیے بھجوائے تھے۔ اکبر حیدری کشمیری اور خضر نوشاہی کے مقالے شامل نہ ہو سکے۔ انصار اللہ صاحب کے مذکورہ مقالے کے بجائے ان کا ایک اور مقالہ 'قدیم تذکروں کی روشنی میں' شامل کیا گیا۔

۲۔ اعجاز بٹالوی (م: ۷ مارچ ۲۰۰۳ء) معروف قانون دان، ادیب، افسانہ نگار۔

۳۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، مذکورہ کتاب (کا مسودہ) واپس خواجہ صاحب کو پہنچا دیا گیا تھا۔

۴۔ ڈاکٹر عبدالشکور احسن (۱۵ر جنوری ۱۹۱۶ء-۱۱ر مارچ ۲۰۰۷ء) سابق صدر شعبۂ فارسی، اورینٹل کالج، لاہور اور پروفیسر ایمریطس پنجاب یونی ورسٹی۔ ان کا متذکرہ بالا مجموعہ مقالات احسن (مرتبین: آفتاب اصغر + معین نظامی) شعبۂ فارسی، اورینٹل کالج، لاہور نے ۱۹۹۹ء میں شائع کیا تھا۔

۵۔ یہ ۳ر مارچ کا خط ہے، جو کئی جگہ شائع ہو چکا ہے، مثلاً ڈاکٹر صدیق جاوید کی ڈاکٹر سید معین الرحمن: تحقیق کیے چراغ تلے ...... (مثال پبلشرز، فیصل آباد، مئی ۲۰۰۵ء)۔ ص ۲۶۱...... معین صاحب نے یہ خط ڈاکٹر فرمان فتح پوری صاحب کے توسط سے خواجہ صاحب کو بھیجا تھا اور اس کی نقول ادا جعفری، حسین مجروح، رشید حسن خاں اور کالی داس گپتا رضا کو ارسال کی تھیں۔

...... ←

والوں کو منع کر سکتے ہیں۔ آپ میرا یہ خط اور موصوف کا خط تحسین صاحب کو دکھائیے اور کہیے کہ وہ غصہ تھوک دیں۔ جس شخص کی حالت اتنی خراب ہو چکی ہو، اُسے معاف ہی کر دینا چاہیے۔ فی الحال کسی سے ذکر نہ کیا جائے۔ موصوف کے سب سے بڑے دشمن ملتان میں ہیں۔ اُن کو سمجھانے کے لیے فرمان فتح پوری صاحب کوشش کر رہے ہیں۔ موصوف کے خط کے بین السطور سے ظاہر ہے کہ اُن کا یہ خیال ہے کہ اس سارے معاملے کو میری تائید حاصل ہے، اسی لیے اُنھوں نے میرے بعض کرم فرماؤں کو خط کی نقلیں بھیجی ہیں، تاکہ وہ مجھ پر اثر ڈالیں۔ اس قسم کی بات کسی کو بھی مشتعل کرنے کے لیے کافی ہوسکتی ہے، مگر مجھ سے کسی کی پریشانی نہیں دیکھی جاتی، اس لیے مَیں موصوف کو معاف کرتا ہوں۔ اس سارے معاملے میں موصوف کا کردار مجرمانہ رہا ہے۔ وہ جس ذہنی اذیت سے گزر رہے ہیں، میرے خیال میں اتنی 'سزا' کافی ہے۔ مجھے احساس ہے کہ موصوف نے اپنے جوابی پمفلٹ میں تحسین صاحب کے کسی اعتراض کا جواب نہیں دیا اور گستاخانہ لب ولہجہ میں بات کی ہے، مگر اب اُنھیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے، لہٰذا معاف کر دینا ہی بہتر ہے۔ اس سلسلے میں آپ جلد از جلد اپنی رائے لکھیے اور کوشش کیجیے کہ یہ قصہ ختم ہو۔ مَیں معین صاحب کو خط لکھ رہا ہوں کہ مَیں اس قضیے کو ختم کرانے کی کوشش کروں گا۔

آپ کراچی کب آ رہے ہیں؟ عقیل صاحب لندن گئے ہیں، شاید اس مہینے کے آخر تک کراچی آئیں گے۔ ان کی موجودگی میں آپ کراچی آئیں تو اچھا ہے، تاکہ آپ اُن کی شاندار لائبریری دیکھ سکیں۔ مَیں شاید اپریل کے مہینے میں لاہور کا رخ کروں۔ آپ کو اور تمام احباب کو پہلے سے اطلاع کر دوں گا، تاکہ کوئی لاہور سے بھاگنے کی کوشش کرنا چاہے تو کر لے۔

یکم اپریل کو پیر حسام الدین راشدی[6] مرحوم کی برسی پر اُن کے بھتیجے حسین شاہ راشدی نے

بقیہ: اس خط میں معین صاحب نے خواجہ صاحب کو لکھا تھا کہ میرے خلاف مہم کو 'آپ ہی روکنے پر قادر ہیں۔ مَیں کمزور آدمی ہوں۔ مجھ سے غلطیاں ہوتی ہوں گی، لیکن سازش یا سیاست میرے خمیر ہی میں نہیں۔ بہر طور میں کسی حجاب یا تذبذب کے بغیر معذرت اور معافی کا طالب اور عفو و درگزر کا اُمیدوار ہوں۔ طبی وجوہ سے شکر مجھ پر حرام ہے اور جو مہم چلائی جارہی ہے، وہ میرے لیے شدید فشار خون کا باعث ہے، جس کا نتیجہ کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ یہ احساس لے کر نہ جاؤں اور یہ تلخ یاد اور یقین میرے مختصر سے گھرانے کا اثاثہ نہ بنے کہ آپ بچاؤ کی صورت پیدا کر سکتے تھے، لیکن نہ صرف یہ کہ آپ کی توجہ اور شفقت سے محروم رہا، بلکہ آپ کے اغماض کا شکار ہوا'۔

۶۔ پیر حسام الدین راشدی (۲۰ ستمبر ۱۹۱۱ء۔ ۲ اپریل ۱۹۸۲ء) معروف صحافی، مورخ اور محقق۔ اردو، فارسی، سندھی اور انگریزی زبانوں پر دسترس حاصل تھی۔ تاریخ، ادب، ثقافت اور آثارِ قدیمہ وغیرہ پر تقریباً پچاس کتابوں کے مصنف، اور مؤلف و مرتب۔

پیر صاحب کے نیاز مندوں کو اُن کی قبر پر لے جانے کا پروگرام بنایا ہے۔ اگر اس روز آپ یہاں ہوئے تو آپ کو ساتھ لے چلوں گا۔ اس طرح آپ ٹھٹھہ کا تاریخی مقام دیکھ سکتے ہیں [۷]۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۹۔۳۔۲۰۰۱ء

آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ دو کتابوں کی قیمت لکھی، تیسری کی نہیں۔ اب حساب بوقت ملاقات ہی ہو گا۔

....

۱۲۱

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کا گرامی نامہ مورخہ ۲۰ را پریل موصول ہوا، اس عنایت کے لیے ممنون ہوں۔ کراچی میں آپ سے ملاقات بہت مختصر رہی۔ کاش، آپ کچھ دیر اور ٹھہرتے تو بعض اہم اور تاریخی لوگوں سے آپ کی ملاقات ہو جاتی اور میری مکرر کتابوں میں سے آپ اپنے کام کی کتابوں کا انتخاب کر لیتے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب تو میرے گھر کے بالکل قریب ہی رہتے ہیں اور حکیم محمود احمد برکاتی بھی کچھ زیادہ فاصلے پر نہیں تھے۔ بہر حال آیندہ سہی [۱]۔ حکیم صاحب کا مضمون ارسال کر رہا

۷۔ افسوس ہے کہ میں کراچی نہ جا سکا اور ٹھٹھہ کے پروگرام میں شرکت سے بھی محروم رہا۔

(۱۲۱)

۱۔ ۱۶ را پریل کو راقم کو سندھ یونی ورسٹی، جام شورو کا سفر درپیش ہوا۔ ۱۶ رکو سہ پہر حیدر آباد پہنچ کر بعد نماز مغرب محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کے ہاں حاضری دی۔ بعدۂ نجم الاسلام (مرحوم) کے ہاں جا کر ان کے اہلِ خانہ سے تعزیت کی۔ برادرم رفیق احمد خاں میرے راہ نما تھے۔ ۱۷ را پریل کو شعبۂ اردو، جام شورو میں ایم فل اُردو کے طالب علم ظفر حسین ظفر (حال: استاد اردو، گورنمنٹ کالج، راولا کوٹ) کا زبانی امتحان (مقالہ: برصغیر کے مسلمانوں کا جداگانہ تشخص اور اقبال) لینے کے بعد، اسی روز سہ پہر کو کراچی، ناظم آباد میں خواجہ صاحب کے ہاں پہنچا۔ چار بجے سے رات گئے تک ہم مسلسل باتیں کرتے رہے۔ اس دوران معین الدین عقیل صاحب بھی آ گئے اور کھانے میں شریک رہے۔ اگلے روز گیارہ بجے تک پھر باتیں اور ملاقات...... بقول خواجہ صاحب واقعی یہ 'ملاقات بہت مختصر رہی'۔ ارادہ دو تین روز قیام کا تھا، مگر ۱۹ را پریل کو مجھے یونی ورسٹی سلیکشن بورڈ میں پیش ہونا تھا۔ پروفیسر شپ کا انٹرویو تھا، اس لیے بادلِ ناخواستہ شام لاہور لوٹ آیا۔ ستم یہ کہ لاہور پہنچنے پر معلوم ہوا، سلیکشن بورڈ ایک روز کے لیے مؤخر ہو گیا ہے۔

ہوں۔ یہ حکیم احسن اللہ خاں کے بارے میں ہے اور پہلی بار ایسا مفصل مضمون اس موضوع پر لکھا گیا ہے۔ ممکن ہے، اس کے بعض الفاظ پڑھنے میں نہ آئیں۔ حکیم صاحب نے کہا ہے کہ آپ اس کے پروف ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی سے پڑھوا لیجیے۔ وہ حکیم صاحب کے سوادِ خط سے پوری طرح واقف ہیں۔ مَیں نے شیرانی صاحب کو بھی خط لکھ دیا ہے کہ وہ اس مضمون کے پروف پڑھ دیں[۲]۔
مَیں نے آپ کو جو مضامین بھیجے ہیں، اُن کے مصنفین سے فرداً فرداً اجازت حاصل کر لی ہے، اس لیے ان تمام مضامین کا آپ کے مجموعے میں شامل ہونا ضروری ہے۔ ازرہِ کرم اس سلسلے میں مطلع فرمایئے کہ آپ نے کیا سوچا ہے؟ اگر ایک دو مضامین کی گنجایش نہ نکل سکے تو بتا دیجیے کہ ایسے مضامین کون سے ہیں۔ ایسا نہ ہو، حیوانیات والی کتاب کی طرح یہ مسودے بھی ہوا میں معلق رہیں[۳]۔

یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ اپنے منصب کے آخری مرحلے تک پہنچ گئے۔ یہ مرحلہ سال دو سال پہلے بھی آ سکتا تھا، بہرحال اس میں بھی خدا کی کوئی مصلحت ہوگی کہ حق بحق دار رسید کا مرحلہ قدرے تاخیر سے آیا[۴]۔

لاہور آنے کا پروگرام، اُمید ہے، مئی کے مہینے میں بن جائے گا۔ اس کا انحصار اُن اداروں پر ہے، جن کے اجلاسوں میں شرکت کرنی ہے۔ اب ہوائی سفر اپنے وسائل سے کرنا ممکن نہیں رہا۔
عقیل صاحب کا کتب خانہ دیکھنے کے لائق ہے۔ افسوس کہ آپ کے پاس وقت نہیں تھا۔ وہ یورپ سے خاصے نوادر جمع کر کے لائے ہیں۔ یہاں اَور کتب خانے بھی ایسے ہیں، جو اس لائق ہیں کہ آپ اُنھیں دیکھیں، مثلاً بیدل لائبریری، کتب خانہ بہادر یار جنگ سوسائٹی[۵]۔

مَیں نے رسالہ غالب زاہد منیر عامر صاحب کے لیے بھی بھیجا تھا۔ معلوم نہیں، اُن تک پہنچا

۲۔ حکیم محمود احمد برکاتی (پ:۱۹۲۶ء) کی تحریر پڑھنا فی الواقع بے حد مشکل تھا، تاہم راقم اور زاہد منیر اُسے پڑھنے میں کامیاب ہوئے۔ چند ایک مقامات پر مظہر محمود شیرانی صاحب سے مدد لی۔ پھر اسے صاف نقل کرنے کے بعد کاتب کو دیا گیا۔ حکیم احسن اللہ خاں پر یہ اعلیٰ درجے کا عالمانہ تحقیقی مضمون ہے۔ مشمولہ: ارمغان شیرانی۔

۳۔ خواجہ صاحب نے ارمغان شیرانی کے لیے بھارتی اہلِ قلم کے بعض مقالات بھجوائے تھے، جو سب کے سب مجموعۂ مذکور میں شامل کیے گئے۔

۴۔ یونی ورسٹی سلیکشن بورڈ کے ۲۰ راپریل ۲۰۰۱ء کے فیصلے کے مطابق یکم دسمبر ۲۰۰۰ء سے راقم کا تقرر بطور 'پروفیسر' اُردو، عمل میں آیا۔

۵۔ اُس روز (۱۸ راپریل) لاہور واپس آنے سے پہلے ایک نظر عقیل صاحب کا کتب خانہ دیکھنے کا موقع مل گیا۔ بیدل لائبریری ۱۹۸۹ء میں دیکھ چکا تھا، البتہ کتب خانہ بہادر یار جنگ سوسائٹی تا حال دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔

یا نہیں؟ کوئی کتاب یا رسالہ بھیجوں تو وہ خط ضرور لکھتے ہیں، مگر اب کے اُن کا خط نہیں ملا۔

معلوم نہیں، سہیل عمر نے اب کے اقبال ایوارڈ کے منصفین میں میرا نام رکھا ہے یا نہیں؟ حالاں کہ اُنھیں میرا نام خارج کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ آپ اپنے طور پر اُن کا عندیہ معلوم کیجیے۔ میری اطلاع یہ ہے کہ منصفین کو کتابیں بھیجنے کا کام شروع ہو گیا ہے[۶]۔

برادرم جعفر بلوچ کے لیے مَیں نے جو 'ٹافیاں' دی تھیں، اُمید ہے، وہ اُن کو پہنچا دی ہوں گی۔ اگر وہ انھیں پسند ہوں تو مزید کا انتظام کیا جا سکتا ہے[۷]۔

آپ کے ساتھ جھنڈیر کا پروگرام ضرور بننا چاہیے۔

منسلکہ دو خط مکتوب الیہم تک پہنچا دیجیے، شکریہ۔

آپ کا

مشفق خواجہ

۳۰-۴-۲۰۰۱ء

....

۱۲۲

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

مانا کہ آپ بے حد مصروف ہیں، لیکن ایسی بھی کیا مصروفیت کہ آپ دو سطری خط لکھنے کا وقت بھی نہ نکال سکیں۔ مَیں نے بار بار کے تقاضوں کے بعد حکیم محمود احمد برکاتی صاحب کا مضمون حاصل کیا اور آپ کو بھیجا، اور آپ نے یہ بتانا بھی پسند نہ کیا کہ مضمون آپ کو ملا، یا نہیں۔ ۱۵ دن کے انتظار کے بعد جب صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔ میرے خط میں بعض ضروری جواب طلب باتیں بھی ہیں، اُن کی طرف بھی توجہ فرمایئے۔ خصوصاً یہ کہ آپ ارمغانِ شیرانی میں کون کون سے مضامین شامل کر رہے ہیں؟ چوں کہ تمام مصنفین کو مَیں نے یہی لکھا تھا کہ آپ کا مضمون ارمغانِ شیرانی میں شامل ہوگا، اس لیے مضمون شامل نہ ہونے کی صورت

۶۔ خواجہ صاحب قومی صدارتی اقبال اوارڈ کے منصفین میں بدستور شامل تھے اور انھیں بھی کتابیں بھیجی گئی تھیں۔

۷۔ یہ خاص قسم کی ٹافیاں تھیں، جو شیریں ہونے کے باوجود ذیابیطس کے مریضوں کے لیے نقصان دہ نہیں تھیں۔ جعفر صاحب بھی خواجہ صاحب کے 'ہم مرض' ہیں۔

میں بعد میں شرمندگی ہوگی، اس سے بچنے کی کوئی صورت پہلے ہی نکال رکھوں[1]۔

شان الحق حقی صاحب نے اپنے مضمون کے شروع میں ایک مختصر عبارت اضافہ کی ہے، یہ بھیج رہا ہوں۔ اس عبارت کے نیچے مَیں نے ہدایات لکھ دی ہیں۔

۷رمئی کو مجلس ترقی ادب کی میٹنگ[2] میں مجھے لاہور آنا تھا، مگر اس کا دعوت نامہ اتنی تاخیر سے ملا کہ میرے لیے سفر کرنا ناممکن تھا۔ اگر ایک ہفتہ پہلے بھی دعوت نامہ مل جاتا تو مَیں لاہور آ جاتا۔ افسوس کہ آپ لوگوں سے ملاقات کا یہ موقع ضائع ہوگیا۔ اب تو ستمبر اکتوبر سے پہلے ملاقات کا امکان نہیں ہے۔

دوسرا خط جناب فراقی کی خدمت میں پیش کر دیجیے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
۱۵۔۵۔۲۰۰۱ء

....

۱۲۳

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

گزشتہ ایک مہینے سے میری طبیعت ناساز تھی، اس لیے مَیں آپ کو خط نہ لکھ سکا۔ اس دوران آپ کے تین خط ملے، جن سے صورت احوال معلوم ہوئی۔ آپ کے آپریشن کی اطلاع سے تشویش تھی، مگر اب یہ جان کر اطمینان ہے کہ آپ روبصحت ہیں[1]۔ اس دوران میں کئی بار جی

۱۔ یہ میری صدارتِ شعبہ کا زمانہ تھا، اس لیے شدید مصروفیات کے سبب بعض اوقات جوابِ خط میں تاخیر ہو جاتی تھی۔ بہرحال خواجہ صاحب نے جو مضامین بھجوائے اُن میں سے بیشتر ارمغانِ شیرانی میں شامل ہیں۔ تفصیل سابقہ خطوں میں اور بعض حواشی میں آ چکی ہے۔

۲۔ خواجہ صاحب مجلس کی منتظمہ کے رکن تھے۔ ناظمِ مجلس (احمد ندیم قاسمی) سال میں عموماً ایک ہی بار اجلاس بلانے کا تکلف کرتے (وہ بھی اس لیے کہ بجٹ کی منظوری مجلسِ منتظمیہ سے لینا ضروری تھا) اور اس کی اطلاع بھی دو چار دن پہلے دی جاتی تھی۔ راقم بھی اس زمانے میں رُکن تھا۔

(۱۲۳)

۱۔ ۲۳رمئی کو منصورہ ہسپتال میں سرجن ڈاکٹر محمد افضل صاحب نے راقم کا آنتوں کا ....←

چاہا کہ آپ سے فون پر بات کروں، مگر میرا فون نان ایس ٹی ڈی ہے۔ کئی بار ٹرنک کال بک کرائی، مگر صدائے برنخاست۔ اس دوران جس دوست کا فون بھی لاہور سے آیا، مَیں نے اُس سے گزارش کی کہ آپ کو فون کر کے آپ کی خیریت معلوم کرے اور میری نیک خواہشات آپ تک پہنچا دے۔ خدا کا شکر ہے کہ مَیں اب بہتر ہوں۔ خطوں کے جواب لکھنے بیٹھا ہوں تو سب سے پہلے آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔

بہت دنوں سے الحمرا والوں سے میرا رابطہ نہیں ہے۔ وہ شاید ملک سے باہر ہیں۔ جوں ہی رابطہ ہوا، مَیں آپ کے سفرنامے کے بارے میں معلوم کروں گا۔ اُنھوں نے وعدہ کیا تھا کہ بہت جلد شائع کر دیں گے۔ معلوم نہیں، کیا بات ہوئی، جو وہ دیر کر رہے ہیں۔

محترم رشید حسن خاں صاحب کا خط آیا ہے۔ اُنھوں نے لکھا ہے کہ خاصے دن ہوئے، آپ کو ارمغانِ علمی کے لیے ایک مضمون بھیجا گیا تھا[۲] مگر آپ نے اُس کے وصول ہونے کی اطلاع انھیں نہیں دی، اس سے انھیں تشویش ہے۔ مَیں اُنھیں خط لکھ رہا ہوں اور آپ کے آپریشن کی اطلاع دے رہا ہوں۔ اُمید ہے کہ اُن کا مضمون ضرور مل گیا ہوگا۔ آپ بھی اُنھیں فوراً خط لکھ دیجیے۔

یہ فیصلہ صحیح ہے کہ گرمیوں کی تعطیلات میں آپ صرف آرام کریں گے اور کالج اور شعبے کی ذمہ داریوں کے لیے پریشان نہ ہوں گے۔ اصل چیز صحت ہے۔ آپ نے اب تک اپنی ذمہ داریوں کی وجہ سے صحت کو نظر انداز کیا، اب اس کے برعکس عمل کرنا چاہیے[۳]۔

یہاں گرمی اپنے شباب پر ہے[۴]۔ کسی کام میں جی نہیں لگتا۔

آپ کی صحت و شادمانی کے [لیے] ڈھیر ساری دعاؤں کے ساتھ۔

آپ کا
مشفق خواجہ

۲۵-۶-۲۰۰۱ء

بقیہ: آپریشن کیا، جو بڑا نازک تھا۔ تقریباً ۲ ہفتے ہسپتال میں رہنا پڑا۔ سرجن نے کہا: آپ کو کچھ خاص لوگوں کی خاص دعائیں پہنچی ہیں۔

۲۔ خاں صاحب نے مضمون ارمغانِ شیرانی کے لیے بھیجا تھا (نہ کہ ارمغانِ علمی کے لیے)، جو کتاب میں شامل ہے۔ (خط کی اس سطر کے بالمقابل دائیں طرف لفظ 'ضروری' درج ہے)

۳۔ راقم نے اپنی صحت کی خرابی اور کمزوری کی بنا پر (طبی رخصت کے دوران ہی) ۲۰ رجون کو وائس چانسلر صاحب کو تحریرا درخواست کی کہ مجھے صدارتِ شعبہ سے سبک دوش کر دیا جائے۔ اس کی اطلاع خواجہ صاحب کو دی تھی۔

۱۲۴

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کا ۱۷؍جولائی کا خط ابھی دو روز قبل ملا۔ جب سے محکمہ ڈاک کا سربراہ ایک فوجی کو مقرر کیا گیا ہے، تب سے ڈاکیہ ہفتے میں ایک بار سے زیادہ نہیں آتا۔ ایسی بدانتظامی پہلے نہیں تھی۔ ایوب خان کے مارشل لا سے پہلے، دن میں دو بار ڈاک آتی تھی۔ خیر یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اب آپ کی صحت مجموعی طور پر بہت بہتر ہے۔ خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو صحتِ کاملہ عطا ہو تا کہ آپ یک سوئی سے اپنے کاموں کو انجام دے سکیں۔

آپ نے بہت اچھا کیا کہ شعبے کی صدارت سے سبک دوش ہو گئے۔ یہ بلا ضرورت بوجھ تھا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آئے دن ذہنی پریشانیوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے[۱]۔

ارمغانِ شیرانی کی اشاعت کب تک متوقع ہے؟ میرے ارسال کردہ مضامین میں سے جو دو بچ گئے ہیں، وہ ارمغانِ سید عبد اللہ کے لیے دے دیجیے، مگر یہ وعدہ لے لیجیے کہ ہر حال میں یہ اُس میں شامل ہوں گے، ورنہ ان کے مصنفین کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔

لندن کے بزمی صاحب بڑے مخلص انسان ہیں۔ کبھی کبھی مجھے بھی فون کرتے رہتے ہیں[۲]۔

ڈاکٹر وحید قریشی صاحب سے فون پر بات ہو جاتی ہے۔ افسوس کہ ان کی صحت ساتھ نہیں دے رہی۔ وہ لاہور آنے کے لیے کہتے ہیں۔ میرا جی بھی چاہتا ہے، مگر ابھی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی۔ سہیل عمر نے تو شاید میٹنگ بلانے کا ارادہ ہی ختم کر دیا ہے[۳]......

جھنڈیر کے پروگرام کے لیے آپ تحسین صاحب اور اورنگ زیب صاحب سے بات کیجیے۔ آپ جب فرمائیں گے، مَیں وہاں پہنچ جاؤں گا[۴]۔

۱۔ شعبۂ اُردو کی صدارت سے راقم کا استعفا ۵؍جولائی کو منظور کر لیا گیا اور اسی تاریخ سے تحسین فراقی صاحب صدرِ شعبہ مقرر ہوئے۔

۲۔ عبدالرحمٰن بزمی (۲۷؍اگست ۱۹۳۰ء۔ ۱۴؍نومبر ۲۰۰۵ء) ہمارے نہایت مخلص اور محبت کرنے والے دوست تھے۔ کینیا سے جبری ہجرت (یکم جنوری ۱۹۷۲ء) کے بعد لندن آ گئے تھے۔ لندن ٹرانسپورٹ میں آرکی ٹکٹ (architect) کی ملازمت سے دسمبر ۱۹۹۲ء میں سبک دوشی کے بعد لندن ہی میں مقیم ہو گئے تھے۔ کبھی کبھی پاکستان آیا کرتے۔ نہایت عمدہ ادبی ذوق رکھتے تھے، خود شاعر اور ادیب تھے۔

۳۔ اقبال اوارڈ کے اجلاس کی طرف اشارہ ہے، جو خاصی تاخیر سے بلایا گیا تھا۔

۴۔ افسوس ہے جھنڈیر کا پروگرام، جس کے لیے خواجہ صاحب بار بار لکھ رہے تھے، پھر کبھی نہ بن پایا۔

الحمرا والے تو ایسے غائب ہوئے کہ سمجھ نہیں آتا، اُن کا کیا ارادہ ہے۔ آپ کے علاوہ کئی اور دوستوں کے مسودے اُن کے پاس ہیں۔ ان دوستوں سے شرمندہ ہو رہا ہوں۔ بہر حال ایک مرتبہ پھر اُن سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

احسان دانش مرحوم کی آپ بیتی کے دوسرے حصّے کا انتظار تھا۔ جہانِ دگر کے نام سے چھپ گئی ہے۔ بڑے اشتیاق سے منگوائی، مگر نہایت فضول کتاب ہے۔ شروع کے ڈھائی تین سو صفحے تو محیر العقول باتوں اور قصوں کی نذر ہو گئے۔ باقی صفحات میں آدمیوں کی ایک بھیڑ جمع کر دی ہے۔ کام کی باتیں بہت کم ملتی ہیں۔ کاش، وہ کم لوگوں کے بارے میں لکھتے اور ڈھنگ سے لکھتے۔

آپ اپنے کتب خانے کی فہرست مکمل کر لیجیے، تا کہ جب ہم جھنڈیر جائیں تو اُن سے بات کر لیں[۵]۔

آپ کا
مشفق خواجہ
۳۔۸۔۲۰۰۱ء

....

۱۲۵

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

گرامی نامہ ملا اور کتابوں کی فہرست بھی۔ آپ کی محنت کی داد دیتا ہوں کہ اتنی بہت سی کتابوں کی فہرست بنائی، اور ہمت کی داد دینے کے لیے بھی ہمت چاہیے، جو مجھ میں نہیں۔ جن کتابوں کو ذوق و شوق سے جمع کیا ہو اور جو دکھ درد کی ساتھی رہی ہوں، اُنھیں اپنے سے جدا کرنا بہت بڑی بات ہے، لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں کہ یہ امر خود کتابوں کے مفاد میں ہے۔ بہر حال یہ کڑوا گھونٹ تو پینا ہی تھا، بادلِ ناخواستہ بھی آدمی کو کچھ کام کرنے پڑتے ہیں۔ یہی زندگی ہے!

میرا خیال ہے کہ دستخطی نسخے کالج کو نہ دیجیے۔ کیسا ہی حفاظتی انتظام کیوں نہ ہو، کالجوں میں کتابیں لازماً ضائع ہو جاتی ہیں۔ طلبہ تو الگ رہے، بعض اساتذہ بھی کتابوں کی چوری کو جائز، بلکہ کارِ ثواب سمجھتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ یہ کتابیں واجد علی شاہ کی ممنوعات کی طرح کبھی زیر

۵۔ مَیں نے اپنے کتب خانے کا کچھ حصّہ کسی کتب خانے کو دے دینے کا عندیہ ظاہر کیا تھا۔

مطالعہ نہ آئیں[۱]۔

یہ فہرست جھنڈیر والوں کو مَیں خود پیش کروں گا۔..... اکتوبر میں ہم لوگ وہاں جانے کا پروگرام بنائیں[۲] اور اسی وقت تمام معاملات طے کر لیے جائیں۔

مَیں نے آپ کی فہرست کو اس نظر سے نہیں دیکھا کہ کون سی کتاب میرے کام کی ہے اور میرے پاس نہیں ہے[۳]۔ مَیں اس نظر سے دیکھوں گا بھی نہیں۔ ہوس، دولت وشہرت کی ہو، نفسِ امارہ کی یا کتابوں کی، اس کی کوئی انتہا نہیں۔ الحمدللہ، مَیں ہر معاملے میں قناعت پسند ہوں۔ حد تو یہ ہے کہ ایک ہی شادی پر قناعت کر لی، ورنہ گیارہ کمروں کے مکان میں شرعی اجازت سے مستفید ہونے کا سامان موجود تھا۔ اب تو یہ حال ہے کہ کتابوں کے رکھنے کی بھی جگہ نہیں ہے۔

اکتوبر کے مہینے میں موسم خوش گوار ہوتا ہے، اس لیے جھنڈیر کا پروگرام ضرور بنایئے۔

تحسین صاحب کا ایک روز فون آیا تھا۔ شعبے کی صدارت سے بہت خوش ہیں۔ خدا اُنھیں خوش ہی رکھے، ورنہ انتظامی عہدے اُستروں کی مالا ہوتے ہیں۔ پہنو تو نقصان، اتارو تو نقصان۔ لیکن تحسین صاحب اِن شاء اللہ نقصان نہیں اُٹھائیں گے۔ وہ ماہرِ فن ہیں اور اُستروں کے استعمال سے خوب واقف ہیں[۴]۔

ارمغانِ شیرانی کس منزل پر ہے؟ جس قدر جلد ممکن ہو، اسے شائع کر دیجیے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ

۱۵۔۸۔۲۰۰۱ء

۱۔ مَیں نے اپنی کتابوں کی فہرست تیار کر کے خواجہ صاحب کو بھیجی تھی۔ بعد میں ان کتابوں کا ایک حصہ جھنڈیر لائبریری میں دے دیا گیا۔ مصنفین کی (عنایت کردہ) دستخطی کتابوں کی فہرست الگ سے تیار کی تھی۔ خیال تھا، یہ اورینٹل کالج لائبریری میں محفوظ کرا دی جائیں۔ خواجہ صاحب کو اس سے اتفاق نہ تھا۔ ان کی رائے میں جھنڈیر میں کتابوں کے محفوظ رہنے کا بہتر انتظام تھا۔

۲۔ جھنڈیر جانے کا پروگرام نہ بن سکا، مگر فہرست خواجہ صاحب نے بذریعہ ڈاک وہاں بھیج دی تھی۔

۳۔ مَیں نے خواجہ صاحب کو پیش کش کی تھی کہ میری کتابوں میں سے جو کتاب آپ کے پاس نہ ہو اور آپ وہ لینا چاہیں، نشان زد کریں، مَیں آپ کو ہدیہ کر دوں گا، مگر اُنھوں نے استغنا کا مظاہرہ کیا۔

۴۔ تحسین صاحب کے ساڑھے تین سالہ دورِ صدارت (۵ رجولائی ۲۰۰۱ء۔ ۲ رفروری ۲۰۰۵ء) نے خواجہ صاحب کی رائے کی تصویب کر دی۔

۱۲۶

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کے خط کا جواب قدرے تاخیر سے دے رہا ہوں۔ مَیں اس انتظار میں تھا کہ الحمرا والوں سے رابطہ ہو جائے تو آپ سے کچھ عرض کروں۔ وہ حضرت بیرونِ ملک ہیں اور ابھی تک واپس نہیں آئے[۱]۔ اُن سے بات کروں گا، اگر مزید تاخیر کا امکان ہوا تو مسودہ واپس لے لوں گا۔

دونوں دوستوں کے مزاج سے میں پوری طرح واقف ہوں۔ دونوں جوان ہیں اور جوانی کے صحیح استعمال سے قطعاً ناواقف۔ نتیجہ یہ ہے کہ اُن معاملات میں بھی جذباتی ہو جاتے ہیں، جن کے ردِ عمل میں آدمی کو پتھر بن جانا چاہیے۔ آپ ہی ان دونوں انتہا پسندوں کو اعتدال کی راہ پر لا سکتے ہیں، لہٰذا نگہداشت کرتے رہیے اور کوشش کیجیے کہ اختلاف، مخالفت کی شکل اختیار نہ کرے۔ مجھے دونوں ہی بے حد عزیز ہیں۔[۲] ....

اکتوبر کا مہینہ آن پہنچا۔ آپ کے جاپان جانے کا پروگرام کب سے کب تک کا ہے؟ میرے خیال میں تو موجودہ حالات میں گھر والوں سے دور رہنا مناسب نہیں ہے۔ بہتر ہو گا کہ حالات کے بہتر ہونے تک یہ پروگرام ملتوی کر دیا جائے[۳]۔ مَیں اکتوبر ہی میں (آخری ہفتے میں) لاہور آ رہا ہوں۔ اگر آپ وہاں نہ ہوئے تو سفر کا لطف آدھا رہ جائے گا۔ لاہور میں آپ ہی لوگوں کے لیے آتا ہوں، ورنہ اس شہر سے مجھے کیا لینا دینا۔ جس شہر میں راسپوٹین جیسے لوگ موجود ہوں، اُس شہر کو دور ہی سے سلام۔

۱۔ یہ اشارہ ہے الحمرا پبلشرز، اسلام آباد کی طرف، جس کے مالک یا مہتمم شفیق ناز صاحب بلجیم میں اپنے کاروبار کے سلسلے میں زیادہ تر بیرونِ ملک رہتے تھے۔ جیسا کہ سابقہ خطوط میں ذکر ہوا، خواجہ صاحب میرا سفر نامہ اندلس، الحمرا سے شائع کرانے کے خواہاں تھے۔

۲۔ خواجہ صاحب کے ان بے حد عزیز دوستوں کے درمیان اختلافات اور کشیدگی میرے لیے پریشانی کا باعث تھی، کیوں کہ دونوں میرے بھی عزیز دوست ہیں۔ مَیں نے خواجہ صاحب سے اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا تھا کہ وہ ان کے درمیان کشیدگی ختم کرانے کے لیے اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں۔ انھوں نے کوشش بھی کی، مگر (جیسا کہ آیندہ خط سے اندازہ ہوگا) بد قسمتی سے کامیابی نہ ہوئی۔

۳۔ راقم کو جاپان کی دائتو بنکا یونی ورسٹی نے بطور وزٹنگ سکالر ایک ماہ کے لیے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ مَیں اکتوبر میں وہاں جانے والا تھا کہ نو گیارہ کے حادثے کے سبب سفر ملتوی کرنا پڑا۔ بعد میں یہ سفر فروری مارچ ۲۰۰۲ء میں روبعمل آیا۔

جھنڈیر کا پروگرام آپ کی سہولت ہی سے بنے گا اور کتب خانے کی بات اُسی وقت کروں گا۔
ارمغان شیرانی کب تک شائع ہو رہا ہے؟

آپ کا
مشفق خواجہ
5-10-2001ء

پس نوشت:
پہلے ارادہ تھا کہ منسلکہ خطوط آپ کو بھیجوں گا اور آپ باقی حضرات تک پہنچا دیں گے، مگر اب خیال آیا کہ اگر آپ جاپان چلے گئے تو یہ لفافہ آپ کی واپسی تک کھلے گا نہیں، لہٰذا یہ لفافہ تحسین صاحب کو بھیج رہا ہوں۔

....

127

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

اب کے سفر میں میرے حال پر آپ کا بے پایاں کرم رہا۔ پہلے اسلام آباد میں اور پھر لاہور میں اپنے قیمتی وقت [کا] خاصا حصہ مجھ پر صرف کیا[1]۔ لاہور میں یوں تو زیادہ تر وقت ہنسنے بولنے میں گزرتا ہے، مگر آپ سے کام کی باتیں بھی بہت ہو جاتی ہیں۔ دونوں 'نوجوانوں' کے باہمی تعلقات پر جو آپ کو تشویش ہے، وہ بجا ہے، مگر مجھے اصلاحِ احوال کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ چوں کہ مجھے دونوں عزیز ہیں، اس لیے اندازہ ہوا کہ اصلاحِ احوال کی کوشش ناکام ہوگی۔ ویسے بھی ایسے معاملات میں مَیں [سراج الدین ظفر کا] یہ شعر پڑھ کر خاموش ہو جاتا ہوں:

1۔ اس سفر میں خواجہ صاحب کراچی سے اسلام آباد پہنچے تھے، جہاں اُنھیں غالبًا اکادمی ادبیات پاکستان کے کسی اجلاس میں شریک ہونا تھا۔ عین انھی دنوں میں علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کی ایک میٹنگ میں شرکت کے لیے میرا بھی وہاں جانا ہوا، اکادمی ادبیات کے مہمان خانے میں ملاقات رہی۔ چند روز بعد خواجہ صاحب لاہور آئے، یہاں وہ اقبال اکادمی کے مہمان تھے۔ اقبال اوارڈ کے اجلاس میں شرکت کے بعد بھی دو چار دن لاہور مقیم رہ کر دوست احباب سے ملاقاتوں میں مصروف رہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب اور شیخ منظور الٰہی صاحب کے ساتھ ملاقاتوں میں، کچھ اور دوستوں کے علاوہ، راقم بھی ان کے ہمراہ شامل رہا۔ ایک روز غریب خانے پر تشریف لا کر مجھے عزت بخشی۔

اصلاحِ اہلِ ہوش کا یارا نہیں ہمیں
اس قوم پر خدا نے اتارا نہیں ہمیں

لہٰذا دعا ہی کرنی چاہیے کہ دلوں میں ایک دوسرے کے لیے گنجایش پیدا ہو[۲]۔

آپ کے دولت خانے پر ظفر حجازی اور عبدالغنی فاروق صاحب سے بڑی مفید گفتگو ہو رہی تھی، مگر افسوس، وقت کی کمی کی وجہ سے یہ محفل زیادہ دیر جاری نہ رہ سکی۔ اب کے لاہور آؤں گا تو کوشش کروں گا کہ آپ کے دولت خانے پر زیادہ دیر ٹھہر سکوں۔

ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے اتنی دور مکان بنا لیا ہے کہ اب اُن سے رابطہ رکھنا عملاً ناممکن ہو گیا ہے۔ خدا جانے، وہ کیوں ایک مرکزی جگہ سے اُٹھ کر ایک ویرانے میں جا بسے۔ سمن آباد میں تو ہر کوئی اُن کے ہاں پہنچ سکتا تھا، مگر نئے مکان تک پہنچنا ہمت اور حوصلے کی بات ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا پرسوں فون آیا تھا اور وہ شکایت کر رہے تھے کہ مَیں نے اُن کے ہاں کچھ وقت نہیں گزارا۔ آپ ہی سوچیے، یہ کیسے ممکن ہوتا۔ بہر حال کوشش کروں گا کہ آیندہ پورا ایک دن اُن کے ساتھ گزاروں[۳]۔

اب کے سہیل عمر صاحب کا رویہ بھی غیر معمولی رہا۔ اُنھوں نے نہ صرف رہایش، بلکہ شہر میں آمد و رفت کی سہولت بھی میرے استحقاق سے زیادہ دی۔ یہ دوسری بات ہے کہ مَیں نے اُن سے کرائے وغیرہ کے نام پر کوئی رقم نہیں لی۔ اُن کا یہ عمل بھی اچھا تھا کہ تحسین فراقی صاحب کے ہاں وہ از خود آئے، اور ڈاکٹر وحید قریشی کے اور ان کے درمیان کوئی بدمزگی بھی نہیں ہوئی۔ کوشش کرنی چاہیے کہ ڈاکٹر صاحب اب کسی قسم کی tension میں نہ رہیں۔

آخر میں ایک مرتبہ پھر آپ کی عنایات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

دسمبر میں جھنڈیر جانے کے متعلق اب کیا خیال ہے؟

آپ کا
مشفق خواجہ

۱۰۔۱۱۔۲۰۰۱ء

۲۔ یہ وہی مسئلہ ہے، جس کا ذکر ماقبل خط کے حاشیہ ۲ میں آ چکا ہے۔

۳۔ دیکھیے خط ۱۱۵ کا حاشیہ ۳۔ خواجہ صاحب کے اس سوال: 'خدا جانے، وہ ایک مرکزی جگہ سے اٹھ کر ایک ویرانے میں جا بسے' کا جواب یہ ہے کہ اس منتقلی میں ڈاکٹر صاحب کی اپنی رضا سے زیادہ حالات کا دخل تھا اور بسا اوقات حالات کے جبر پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔

۱۲۸

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

بہت دنوں سے آپ سے رابطہ نہیں ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کی خیریت کی اطلاع دوسرے ذرائع سے ملتی رہتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ روبصحت ہو رہے ہیں[۱]۔ جی تو بہت چاہتا ہے کہ لاہور پہنچ کر اُن کے ساتھ کچھ وقت گزاروں، لیکن یہاں حالات کچھ ایسے ہیں کہ میرا کراچی سے باہر جانا ممکن نہیں۔ ۱۶ر جنوری کو آمنہ کی ایک آنکھ کا آپریشن ہوا تھا، ۶ر فروری کو دوسری آنکھ کا۔ دونوں مرتبہ وہ تین تین دن اسپتال میں رہیں اور اب وقفے وقفے سے معائنے کے لیے اُنھیں اسپتال لے جانا پڑتا ہے۔

ڈاکٹر قریشی صاحب کی لائبریری کا 'حال' سن کر دل پریشان ہوا۔ ڈاکٹر صاحب اب بھی چاہیں تو جھنڈیر والوں سے کوئی اطمینان بخش تصفیہ ہو سکتا ہے، ورنہ اس کا امکان ہے کہ لائبریری ضائع ہو جائے، بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ دو جگہ منتقلی (یکے بعد دیگرے) کے دوران بھی بہت سی کتابیں 'لاپتا' ہو چکی ہوں گی[۲]۔

اپریل میں جھنڈیر کا پروگرام ضرور بنایئے۔ اس دوران آپ کی لائبریری کے سلسلے میں بھی جھنڈیر صاحبان سے بات کر چکا ہوں۔ اِن شاء اللہ معقول معاملت ہو جائے گی۔

۱۔ ڈاکٹر وحید قریشی اس زمانے میں لاٹھی کا سہارا لے کر چلتے تھے۔ دسمبر ۲۰۰۱ء میں (نئے مکان میں تھے) چلتے ہوئے لاٹھی چکنے فرش پر پھسل گئی، ڈاکٹر صاحب گر پڑے اور ان کی بائیں ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ بہت دن ہسپتال میں رہے۔

۲۔ ڈاکٹر صاحب کا کتب خانہ بہت قیمتی تھا۔ خواجہ صاحب کے توسط سے اس قیمتی کتب خانے کو پہلے تو ہمدرد کراچی منتقل کرنے کی تجویز ہوئی، مگر حکیم محمد سعید کی پیش کش ڈاکٹر صاحب کے لیے قابلِ قبول نہ تھی۔ پھر مسعود جھنڈیر لائبریری سے بات چلی، لیکن یہاں بھی معاملہ طے نہ ہو سکا۔ ۱۹۹۹ء میں جب ڈاکٹر صاحب سمن آباد سے ای ایم ای سوسائٹی منتقل ہوئے تو نئے مکان میں اتنے بڑے کتب خانے کے لیے جگہ نہ تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے ایما پر ان کے ایک شاگرد ڈاکٹر طارق عزیز (پ: ۱۰ر جنوری ۱۹۹۴ء، حال: ایسوسی ایٹ پروفیسر، اُردو، گورنمنٹ کالج، وحدت روڈ، لاہور) نے یہ کتابیں گتے کے ڈبوں میں بند کر کے اپنے ہاں رکھ لیں۔ کچھ عرصے کے بعد کتابیں وہاں سے منگا کر ای ایم ای سوسائٹی کمیونٹی سنٹر میں رکھ دی گئی تھیں۔ 'دو جگہ منتقلی' سے یہی مراد ہے۔ بعد ازاں ڈاکٹر صاحب نے اپنا کتب خانہ گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، لاہور کو بطور عطیہ دے دیا۔

میرے پاس علامہ اقبال کے، قادیانیت کے بارے میں، مقالے کا فوٹو اسٹیٹ تھا۔ مَیں نے سہیل عمر صاحب سے وعدہ کیا تھا کہ انھیں اس کا فوٹو اسٹیٹ مہیا کروں گا۔ اب ڈھونڈتا ہوں تو کہیں نظر نہیں آتا۔ کچھ ایسا یاد پڑتا ہے کہ مَیں نے کسی 'اقبال دوست' کو دیا تھا۔ ڈرتے ڈرتے پوچھ رہا ہوں کہ وہ 'اقبال دوست' کہیں آپ تو نہیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر اس کا فوٹو اسٹیٹ بنوا کر سہیل عمر صاحب کو دے دیجیے اور اگر ایسا نہیں ہے تو میری یادداشت پر لعنت بھیجتے ہوئے میری اس احمقانہ جسارت کو نظر انداز کر دیجیے۔ آپ کا جواب آنے پر ایک مرتبہ پھر اپنی خانہ تلاشی لوں گا۔ میوزیم سے اس کا دوبارہ عکس حاصل کرنا، ناممکن نظر آتا ہے[۳]۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ

۱۹-۲-۲۰۰۲ء

....

۱۲۹

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

ابھی ابھی سفرنامہ ملا[۱]۔ ایسی عمدہ طباعت، خصوصاً سرورق دیکھ کر تو آنکھیں روشن ہو گئیں۔ آپ نے اچھا کیا کہ اسے چھپوا دیا، ورنہ الحمرا والے تو خدا جانے کب چھاپتے۔ ان کے پاس کئی کتابیں رکھی ہیں، مگر وہ کوئی جواب ہی نہیں دیتے، حالاں کہ یہ سب کتابیں اُن کے اصرار پر اُنھیں دی گئی تھیں۔

ریٹائرمنٹ کے بعد کی آپ کی مصروفیات کی تفصیل جان کر اطمینان ہوا۔ خداوند تعالیٰ سے

۳۔ یہ علامہ اقبال کے مقالے Islam and Ahmadism کے اس مسودے کی عکسی نقل تھی، جس پر علامہ نے اپنے قلم سے تصحیحات کی تھی۔ یہ مضمون پہلی بار مشفق خواجہ کے والد خواجہ عبدالوحید نے انجمن خدام الدین، لاہور کے رسالے *Islam* کے شمارہ ۲۲ر جنوری ۱۹۳۶ء میں شائع کیا تھا۔ اصل مسودہ خواجہ صاحب نے کراچی میوزیم میں محفوظ کرا دیا تھا۔

(۱۲۹)

۱۔ راقم کا سفرنامہ اندلس: پوشیدہ تری خاک میں...... اس کا سرورق میرے عزیز دوست پروفیسر سلیم منصور خالد کے حسنِ تخیل کا نتیجہ تھا۔ سرورق پر الحمرا کے جھروکے سے البائزین کا منظر دکھایا گیا ہے۔

دُعا ہے کہ آپ کی زندگی کا یہ نیا دَور آپ کے لیے اور تمام متعلقین کے لیے خیر و برکت کا باعث ہو۔ اِن شاء اللہ اب آپ اپنے کاموں کو بہتر طور پر انجام دیں گے[۲]۔

جاپان سے آپ کا ایک پوسٹ کارڈ ملا تھا؛ دوسرا، جس کا آپ نے اس کارڈ میں ذکر کیا ہے، نہیں ملا؛ مگر جناب مَیں تو اس سفر کی تفصیل جاننا چاہتا ہوں، کیا آپ سفر نامہ لکھ رہے ہیں؟ ورنہ خط ہی میں لکھیے کہ سفر کا یہ تجربہ کیسا رہا[۳]۔ تحسین صاحب تو نظر کے ساتھ دل کو بھی کام میں لاتے کہ وہاں خدا کے سوا کوئی دیکھنے والا نہ ہوتا۔ یہاں تو ہم آپ اُن کی 'نگرانی' کرتے رہتے ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب اب فون پر بات کر لیتے ہیں۔ آٹھ دس روز ہوئے، اُن کا فون آیا تھا کہ وہ اسپتال میں داخل ہو رہے ہیں۔ معلوم نہیں، اب وہ کہاں ہیں؟ گھر واپس آ گئے یا ابھی اسپتال ہی میں ہیں؟

اقبال ایوارڈ کے لیے کتابیں آ گئی ہیں۔ کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ امید ہے، اگلے مہینے تک انھیں دیکھ لوں گا۔ اس سلسلے میں نہیں تو ایک اَور ایوارڈ کے سلسلے میں مئی مَیں لاہور آؤں گا۔ اصل مقصد تو ڈاکٹر وحید قریشی صاحب اور آپ دوستوں سے ملاقات ہے۔

رسائل کی فہرست بھی بھجوا دیجیے۔ مَیں آپ کی دونوں فہرستیں جھنڈیر والوں کو بھجوا دوں گا۔

قومی زبان[۴] جلد اور ارمغان شیرانی بھی، اُن سب لوگوں کے لیے، جن کے اس میں مضامین ہیں۔

منسلکہ خطوط دونوں دوستوں کے لیے ہیں۔

آپ کا

مشفق خواجہ

۲۵-۴-۲۰۰۲ء

....

۲۔ ۳۱ر مارچ ۲۰۰۲ء کے بعد، ایک تو مَیں ادارہ معارف اسلامی سے بطور ڈائریکٹر ریسرچ وابستہ ہو گیا۔ دوسرے، ہفتے میں دو روز شعبۂ اُردو، اورینٹل کالج میں سلسلۂ تدریس بھی جاری رکھا۔ تیسرے، اقبال اکادمی کے علمی و اشاعتی منصوبوں میں بھی بطور وِزِٹنگ سکالر شریکِ مشورہ ہونے لگا۔

۳۔ سفرِ جاپان (فروری مارچ ۲۰۰۲ء) کا احوال مَیں نے قسط وار ماہ نامہ بتـــول لاہور میں تحریر کیا تھا۔ اب یہ (نومبر ۲۰۰۷ء) ......سورج کو ذرا دیکھ کے نام سے کتاب سرائے، لاہور سے شائع ہو گیا ہے۔

۴۔ خواجہ صاحب جلدی میں قومی زبان لکھ گئے، وہ بازیافت لکھنا چاہ رہے تھے۔ یہ شعبۂ اردو کا تحقیقی مجلّہ ہے، جس کا پہلا شمارہ راقم نے مرتب کیا تھا اور انھی دنوں شائع ہونے والا تھا۔

۱۳۰

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

خدا کے فضل و کرم سے اب مَیں بہت بہتر ہوں۔ اصل مرض سے نجات مل گئی ہے، البتہ کمزوری باقی ہے۔ تھوڑا سا بھی چلتا ہوں تو تھک جاتا ہوں۔ خدا نے چاہا تو اس پر بھی قابو پالوں گا۔ صبح شام تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے چہل قدمی کرتا ہوں۔ اگرچہ گھر آئے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا ہے، مگر ابھی معمول کے کام شروع نہیں کیے۔ زیادہ تر وقت ڈاک دیکھنے میں صرف ہوتا ہے۔ ۳۴ دنوں کی غیر حاضری میں ڈھیروں خطوط، رسالے اور کتابیں جمع ہو گئی ہیں[۱]۔ ارمغان شیرانی مل گئی ہے، بازیافت نہیں ملا۔ آج معین الدین عقیل صاحب بھی پوچھ رہے تھے، انھیں بھی یہ نہیں ملا۔

اقبال اکیڈمی کی مجلس حاکمہ کا انتخاب لڑنے سے مجھے کوئی دل چسپی نہیں۔ اس قسم کے کام میرے مزاج کے خلاف ہیں۔ مَیں تو اس قسم کی پیش کشوں سے معذرت کر لیتا ہوں، مگر سہیل صاحب کا اصرار تھا کہ وہ اس معاملے کو خود سنبھال لیں گے۔ اب وہ جانیں اور اُن کا کام۔ مَیں تو کسی سے نہیں کہوں گا کہ مجھے ووٹ دو۔ ہاں اپنا ووٹ مَیں نے آج اپنے اور آپ کے حق میں پوسٹ کر دیا ہے[۲]۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ احمد ندیم قاسمی صاحب کے نام سے ایک ادبی ایوارڈ قائم کیا گیا ہے۔ منصفین میں میرا نام بھی ہے۔ اس سلسلے میں اگست یا ستمبر میں لاہور آنے کا ارادہ ہے۔ سہیل عمر صاحب نے کہا تھا کہ اقبال ایوارڈ کی میٹنگ بھی جلد ہی ہوگی۔ پھر مَیں اپنا پروگرام اقبال ایوارڈ کی میٹنگ کی مناسبت سے بناؤں گا، تاکہ اُسی وقت احمد ندیم قاسمی ایوارڈ کی میٹنگ بھی ہو سکے۔ دراصل مَیں قاسمی ایوارڈ والوں سے کرایا وغیرہ نہیں لینا چاہتا۔ بہر حال دیکھیے، ملاقات کب ہوتی ہے۔

ایک لطیفہ سنیے۔ میری بیماری کے دوران سارقِ اعظم کا ایک 'دل چسپ' خط آیا۔ اس کی نقل منسلک ہے۔ یہ خط ۱۱ر جون کو لکھا گیا تھا، لیکن سہو قلم سے ۱۱ر اکتوبر درج ہے۔ لفافے پر ڈاک

۱۔ خواجہ صاحب کئی ہفتوں تک علیل رہے۔ وہ بلا کے سگریٹ نوش تھے۔ روزانہ چالیس چالیس سگریٹ پی جاتے۔ صحت خراب ہوئی تو ڈاکٹروں کی ہدایت پر مجبوراً تعداد کم کر دی، اوسطاً ۱۵، ۱۶ سگریٹ پینے لگے۔ بعد ازاں شدید بیمار ہوئے تو سگریٹ نوشی بالکل ترک کر دی۔

۲۔ مجلس حاکمہ کی رکنیت کے لیے خواجہ صاحب لاہور کے احباب اور نیاز مندوں کے اصرار پر ہی رضامند ہوئے تھے۔ مجلس کی دو نشستوں کے لیے خواجہ صاحب اور راقم منتخب ہو گئے تھے۔

خانے کی ۱۳؍ جون کی مہر ہے۔ موصوف نے اس خط کی نقلیں اپنے بھائی اور معین الدین صاحب کو بھی بھیجیں۔ تاثر یہ دینا ہے کہ مَیں اُن کی بیماری کا پروپیگنڈا کر رہا ہوں، جبکہ صحیح صورتِ حال یہ ہے کہ مَیں تحریرِ خط کے وقت بیمار تھا۔ اور جن صاحب کے حوالے سے موصوف نے لکھا ہے، اُن سے میری ملاقات ایک عرصے سے نہیں ہوئی۔ یہ صاحب کبھی کبھی میرے ہاں اتوار کے روز آتے ہیں۔ دو تین مرتبہ آئے، دروازے پر قفل دیکھا تو میرے اہلِ محلّہ میں سے کسی نے میرے بیمار ہونے اور اسپتال میں داخل ہونے کا ذکر کیا۔ ان کے موصوف سے بھی تعلقات ہیں۔ اُنھوں نے فون پر میری بیماری کا ذکر کیا۔ موصوف اسے اپنی بیماری سمجھے۔ یہ صورتِ حال اُن صاحب نے طاہر مسعود صاحب سے اور مجھ سے خود بیان کی۔ اب بتایئے، موصوف کی جسمانی صحت نہ سہی، ذہنی صحت مشکوک ہے یا نہیں؟ کبھی فون پر بات ہو تو موصوف کو اس صورتِ حال سے آگاہ کر دیجیے۔ مَیں تو انھیں خط نہیں لکھوں گا۔

ازرَہِ کرم دوسرا خط ڈاکٹر عبدالغنی فاروق صاحب کو دے دیجیے۔ ایک زحمت دوں گا۔ فاروق صاحب کی کتاب سے ماہر صاحب کی کتاب ادبی معرکے کا علم ہوا[۳]۔ کیا آپ اپنے بک سیلر سے یہ کتاب بھجوا سکتے ہیں۔ قیمت ادا کر دوں گا، جس صورت سے وہ کہیں گے: منی آرڈر یا وی پی پی سے۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۱۔۷۔۲۰۰۲ء

....

۱۳۱

محترمی و مکرّمی، سلام مسنون

آپ سے فون پر جو گفتگو ہوئی تھی، اُس کے مطابق کچھ کتابیں بھیج رہا ہوں۔ یہ متعلقہ حضرات کو دے دیجیے۔ اس زحمت کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ ایک کتاب آپ کے لیے بھی

۳۔ ادبی معرکے ماہر القادری کے، فاران کراچی میں شائع شدہ ادبی استفسارات اور مباحث کا مجموعہ ہے، جسے طالب ہاشمی نے مرتب کیا۔ ناشر: ادارہ الحسنات لاہور۔

ہے: مختار نامہ[۱]۔ مجھے اس کے چند نسخے موصول ہوئے ہیں، جنھیں مَیں اپنی مرضی کے مطابق تقسیم کر رہا ہوں۔ ممکن ہے، یہ کتاب آپ کو علی گڑھ سے براہِ راست بھی آئی ہو۔ اس صورت میں یہ نسخہ تحسین صاحب کو دے دیجیے اور اگر تحسین صاحب کو مل گئی ہو تو پھر زاہد منیر عامر صاحب کو دے دیجیے۔ مجھے یقین ہے، یہ کتاب اُن کو ضرور ملے گی۔ اگر ابھی تک نہیں ملی تو جب تک نہ آ جائے، میرے پیش کردہ نسخے کو اپنی ملکیت تصور فرمایئے۔

کل رات سردار مسعود احمد صاحب (جھنڈیر) کا فون آیا تھا۔ اُنھیں جو کتابیں مطلوب ہیں، اُن کا اصرار ہے کہ اُن کی قیمت مَیں متعین کروں۔ مَیں نے اُن سے بہت کہا کہ آپ جو بھی تجویز کریں گے، وہ ہاشمی صاحب کے لیے قابلِ قبول ہوگا، مگر وہ نہیں مانے۔ مَیں نے اُن سے کہا ہے کہ جو کتابیں آپ انتخاب کریں، اُن کی ایک فہرست مجھے بھی بھیج دیجیے۔ اس کے بعد مَیں آپ کے مشورے سے اپنی تجویز پیش کروں گا۔ (آپ سے مراد آپ ہیں، نہ کہ وہ)

شیخ منظور الٰہی صاحب سے آپ ملتے رہا کیجیے۔ اُن جیسے لوگ اس دنیا میں بہت کم ہیں۔ آپ اب اُن سے ملیں تو اُن کی آپ بیتی کے سلسلے میں اُن سے ضرور بات کیجیے گا۔ علامت میں یہ نہایت غلط سلط شائع ہوئی۔ کتابت کی غلطیاں بے شمار ہیں۔ مَیں نے اُن سے گزارش کی تھی کہ تمام قسطوں کی اغلاط درست کر کے مجھے دیجیے، مَیں انھیں غالب میں ایک ساتھ شائع کر دوں گا[۲]۔

۱۔ مختار نامہ ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کے مقالات وتصانیف کا موضوعاتی وضاحتی اشاریہ ہے، جسے ڈاکٹر عطا خورشید اور مہر الٰہی ندیم (علیگ) نے مرتب کیا ہے۔ ناشر: علی گڑھ، ہیرٹیج پبلی کیشنز، علی گڑھ، ۲۰۰۲ء

۲۔ معروف ادیب (اور سابق وزیرِ اعلیٰ پنجاب، سیکرٹری تعلیم وغیرہ) شیخ منظور الٰہی صاحب سے خواجہ صاحب کے بہت قریبی تعلقات تھے۔ مجھے یاد نہیں کہ خواجہ صاحب کبھی لاہور آ کر شیخ صاحب سے ملے بغیر واپس گئے ہوں۔ بسا اوقات وہ اپنے بعض نیاز مندوں (تحسین فراقی، اورنگ زیب عالم گیر، جعفر بلوچ اور راقم) کو بھی شیخ صاحب سے ملوانے ساتھ لے جاتے۔ اگر کبھی ان کے دورۂ لاہور میں وقفہ طویل ہو جاتا تو ان کی ہدایت پر ہم از خود شیخ صاحب سے ملنے چلے جاتے۔ آپ بیتی کے سلسلے میں شیخ صاحب کو ہم نے کئی بار یاد دہانی کرائی، اُنھوں نے چند مزید قسطیں لکھیں۔ ایک ملاقات پر ایک حصہ پڑھ کر سنایا بھی، لیکن غالباً ابھی تک یہ سلسلہ ناتمام ہے۔ شیخ صاحب کی تصانیف (سلسلہ روز و شب، در دل کشا، نیرنگ اندلس) اُردو کے غیر افسانوی ادب میں وقیع اضافے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے بارے میں خواجہ صاحب، پروفیسر مختار الدین احمد کے نام ۸؍جنوری ۱۹۹۷ء کے خط میں لکھتے ہیں مَیں نے اپنی زندگی میں ان جیسا شایستہ، وضع دار اور مہذب انسان نہیں دیکھا۔ بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہنے کے باوجود مزاج درویشانہ ہے۔ (قومی زبان، فروری ۲۰۰۶ء، ص ۲۹)۔ مزید دیکھیے، ان پر ایم اے اردو کا مقالہ: شیخ منظور الٰہی: حیات اور ادبی خدمات از صائمہ علی، مخزونہ: اورینٹل کالج لائبریری، لاہور۔

لاہور میں آپ کے ساتھ جو وقت گزارا، اُس کا خوش گوار تاثر ذہن میں تازہ ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ، جنھیں آپ سے اکثر ملاقات کی مسرت حاصل ہوتی ہے۔

میری صحت ابھی پوری طرح بحال نہیں ہوئی، چند قدم چلتا ہوں تو تھک جاتا ہوں۔ یہ اُن دواؤں کا ردِعمل ہے، جو گوناگوں عوارض سے نبرد آزما ہونے کے لیے کھانی پڑتی ہیں۔ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھا کیجیے۔

معلوم ہوا ہے کہ آپ کی یونی ورسٹی نے دائرہ المعارف کا تکملہ شائع کر دیا ہے۔ازرہِ کرم میرے لیے یہ حاصل کر لیجیے، مگر پہلے قیمت اور اخراجاتِ ترسیل معلوم کر کے مطلع فرمایئے۔ مَیں یہ رقم منی آرڈر کر دوں گا۔

آپ کا
مشفق خواجہ

۱-۱۱-۲۰۰۲ء

....

۱۳۲

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

وحید الرحمٰن خاں صاحب[۱] ۲۶ کو یہاں سے روانہ ہوئے ہیں۔ امید ہے، کلیاتِ یگانہ اُنھوں نے آپ کو پیش کر دیا ہوگا۔

....

جناب عبدالوہاب خاں سلیم[۲] (امریکہ) ازرہِ کرم ہندوستان کے احباب کو فون کر کے اُن کی خیریت معلوم کرتے ہیں اور پھر مجھے بتاتے ہیں۔ پچھلے دنوں اُنھوں نے رشید حسن خاں صاحب سے بات کی۔ یہ جان کر افسوس ہوا کہ اُن کی حالت اچھی نہیں ہے۔ کئی عوارض نے حملہ

۱۔ ڈاکٹر وحید الرحمٰن خان (پ: یکم اپریل ۱۹۷۰ء) ادیب، مزاح نگار؛ محکمہ تعلیم میں اُردو کے لیکچرر ہیں۔ ان دنوں ڈیپوٹیشن پر شعبہ اقبالیات، پنجاب یونی ورسٹی میں ریسرچ آفیسر (علمی معاون) کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ اس زمانے میں وہ خامہ بگوش: ایک مطالعہ کے موضوع پر ایم فل کا مقالہ لکھ رہے تھے اور اسی سلسلے میں کراچی گئے تھے۔ مقالہ مذکور بازیافت اکادمی، کراچی سے ۲۰۰۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔ ان کی ڈاکٹریٹ کا موضوع تھا: محمد خالد اختر...... شخصیت اور فن۔

۲۔ دیکھیے: خط ۱۴۲، حاشیہ ۳

کر رکھا ہے، جن میں سرفہرست دل کا معاملہ ہے۔ دعا فرمایئے کہ انھیں صحت یابی ہو۔

میری صحت اب نسبتاً بہتر ہے۔ پہلے جیسی کمزوری نہیں ہے، مگر ایسا لگتا ہے کہ اندر ہی اندر کچھ ٹوٹ پھوٹ ہو رہی ہے۔ دعا کیجیے کہ خداوندِ تعالیٰ اتنی مہلت دے دیں کہ مَیں اپنے نامکمل کاموں کو مکمل کر سکوں۔

آج کل ہندوستان سے خوب کتابیں آ رہی ہیں۔ پچھلے ہفتے دارالمصنفین اعظم گڑھ کی ۱۰۵ مطبوعات آئی ہیں۔ حیرت اس پر ہے کہ بیس بیس کلو کے تین پیکٹ آئے اور مجھ تک صحیح سلامت پہنچے۔

آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔

آپ کا
مشفق خواجہ
۲۹-۳-۲۰۰۳ء

....

۱۳۴ء

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

جھنڈیر والوں کا ایک روز فون آیا تھا۔ انھیں میرا خط مل گیا ہے، مگر معاملے کی کوئی بات نہ کی۔ مَیں نے پوچھا تو کہا: بیماری کی وجہ سے خط نہ پڑھ سکے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ مَیں نے جو تجویز دی ہے، وہ انھیں پسند نہ آئی ہو۔ بہرحال دیکھیے، کیا جواب دیتے ہیں۔

مَیں پہلے ۲۸ر اپریل کو اسلام آباد جا رہا تھا، مگر اب گورننگ باڈی (مقتدرہ) کی میٹنگ ۶ر مئی کو ہو رہی ہے، اس لیے ۵ر کو روانہ ہوں گا، ۱۲ر مئی کو واپسی ہو گی۔ پہلے ارادہ تھا کہ لاہور میں بھی ایک دن گزار لوں، آپ سب سے ملاقات ہو جائے گی، مگر اب اس کا امکان نہیں۔ اب سفر در سفر کی طاقت نہیں رہی۔

رشید حسن خاں صاحب سے بالواسطہ میرا رابطہ رہتا ہے۔ آٹھویں دسویں دن اُن کی خیریت معلوم ہوتی رہتی ہے۔ اُن کی حالت اچھی نہیں ہے۔ اس پر یہ سانحہ کہ ۲۸ر مارچ کو اُن کی بیگم کا انتقال ہو گیا۔ خان صاحب کی زندگی گوناگوں مصائب کی آماج گاہ ہے۔ متعدد بیماریاں، خراب مالی حالات اور ان سب پر اب بیگم کی رحلت کا سانحہ۔ اگر ممکن ہو تو اس سانحے کی اطلاع

قاسمی صاحب کو دے دیجیے گا۔ اُن کے اور منصورہ احمد[1] کے رشید حسن خاں صاحب سے گہرے مراسم ہیں۔

اب ایک شکایت...... ترجمان القرآن میں تبصرے پڑھ کر کتابیں منگواتا رہتا ہوں۔ بعض اوقات مایوسی ہوتی ہے۔ خراب کتابوں کی بے جا تعریف کی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ خریدار دھوکا کھا جاتا ہے۔ ترجمان القرآن جیسے رسالے میں مروّت سے کام نہیں لینا چاہیے۔ ترجمان القرآن میں بعض تبصرے پڑھ کر کتاب کی فرمایش کی جاتی ہے، لیکن کوئی جواب نہیں آتا۔ اس کی ایک تازہ مثال یہ ہے کہ ڈاکٹر سعید اللہ قاضی کی آپ بیتی تصویر حیات پر تبصرہ[2] پڑھ کر مَیں نے اپنے معاون ناصر جاوید سے خط لکھوایا کہ اس کا ایک نسخہ وی پی پی سے بھیج دیں۔ یہ خط ۲۱ر مارچ ۰۳ء کو لکھا گیا تھا۔ کوئی جواب نہ آیا تو یاد دہانی کا خط ۲ر اپریل کو لکھا گیا۔ اس واقعے کو بھی ایک عرصہ ہو گیا، تاحال خاموشی ہے۔ آپ سے شکایت کی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ کتاب تنظیم اساتذہ پاکستان نے شائع کی (۳ بہاول شیر روڈ، مزنگ، لاہور)۔ یہ تنظیم نظریاتی طور پر جماعت کا ذیلی ادارہ ہے۔ ذرا ان لوگوں کے کان کھینچیے۔

ادارۂ یادگار غالب کی تازہ فہرست بھیج رہا ہوں، ان میں سے جن کتابوں کو آپ ترجمان القرآن میں تبصرے کے لائق سمجھیں، وہ بھجوادی جائیں گی۔ کیا دو نسخے بھیجنا ضروری ہے؟

خوشی ہوئی کہ بالآخر اقبال ایوارڈ تقسیم ہو گئے...... وہی ہوا، جو ہونا چاہیے تھا۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
۲۵-۴-۲۰۰۳ء

....

۱۳۴

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

....

۱۔ منصورہ احمد (پ: یکم جون ۱۹۵۷ء)، معروف شاعرہ اور احمد ندیم قاسمی کی منہ بولی بیٹی۔

۲۔ تصورِ حیات پر راقم کا تبصرہ ترجمان القرآن، مارچ ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا تھا۔

مکرمی خواجہ صاحب! سلام مسنون

امید ہے آپ سفرِ اسلام آباد کی تکان اتار چکے ہوں گے
اگر آپ اسلام آباد سے واپسی پر چند روز کے لیے لاہور
رک جاتے تو تکان یہیں ختم ہو جاتی اور آپ بالکل تر و تازہ ہو کر
واپس کراچی پہنچتے — آپ کے جو نیاز مند، اسلام آباد نہیں
جا سکے، وہ تو محروم ہی رہے — اب تو کسی طور لاہور آنا
پڑے گا — آپ آ جائیں تو بتائیے۔
کتاب "تصویرِ ملاقات" آپ کو مل گئی ہوگی۔ میں نے ظفر حجازی صاحب
سے ذکر کیا تو انھوں نے بتایا: دونوں خطوط نہیں ملے (تعجب ہے!)
— بہر حال انھوں نے کتاب بھجوا دی — وہی اس کے ناشر
تھے — آپ سن کر افسردہ ہوں گے کہ مصنف [سعید اللہ قاضی]
دو سو ہفتے قبل، پشاور میں یکایک انتقال کر گئے — تازہ
رسالے "افکارِ معلم" میں ان کے چند مضامین چھپے ہیں —
[یہ رسالہ آپ کی نظر سے گزرتا ہے؟] — مرحوم بہت عمدہ انسان تھے۔ اللہ مغفرت کرے۔
ہمارے فراقی صاحب، بطور صدر الحاق کمیٹی P.U.، بھاگے پھرتے ہیں۔ ہر ہفتے یا دوسرے
ہفتے سفر — گوجرانوالہ، راولپنڈی، اٹک — اب تین روز کے لیے کوئٹہ گئے ہوئے ہیں —
شعبۂ اردو کی صدارت، اُن سے سہیل احمد خاں نے لے لی، مگر اب موصوف تو "منصبِ
یونیورسٹی" میں بطور صدر شعبۂ اردو [ڈاکٹر معین صاحب کی جگہ [illegible]] منتقل

صدمہ یہ ہے ← بھی یہ ہے کہ ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری (سابق پروفیسر فلسفہ علی گڑھ) وہاں کی جماعت کے امیر منتخب ہو گئے ہیں — آپ جانتے ہوں گے یہ بہت فاضل آدمی ہیں — علوم اسلامیہ اور اردو ادب میں بھی رواں ہیں — جانے جماعت کیسی رہے، انھیں علوم سے [illegible] فی امان اللہ

رفیع

۲۹ جون ۲۰۰۳

ترجمان القرآن میں ابن فرید مرحوم پر آپ کا مضمون دیکھا، جی خوش ہوا کہ کسی نے تو اُنھیں یاد کیا۔ میرے بھی اُن سے بہت مخلصانہ مراسم تھے۔ ۱۹۸۴ء میں کراچی آئے تھے تو اُنھوں نے زیادہ تر وقت میرے ساتھ گزارا تھا۔ مَیں نے اُنھیں یہاں کے بہت سے ادیبوں سے ملوایا تھا۔ خط کتابت کا سلسلہ بھی ایک طویل عرصے تک اُن سے رہا۔ آپ نے اُن کے دو تنقیدی مجموعوں کے نام گنوائے ہیں۔ ایک مجموعہ ادب: داد طلب بھی تھا۔ یہ مَیں نے نہیں دیکھا، لیکن اس کا اشتہار کہیں نظر سے گزرا ہے۔ آپ اپنے مضمون میں تھوڑا بہت اضافہ کر کے قومی زبان کے لیے مجھے بھجوا دیجیے، تاکہ ایک اور حلقے میں اُن کی یاد تازہ ہو سکے۔ ابن فرید مرحوم کے افسانوی مجموعے: یہ جہاں اور ہے میں اُن کی تصانیف کی فہرست ملتی ہے[۱]۔

یہ اچھا ہوا، تحسین صاحب دوبارہ صدرِ شعبہ ہو گئے۔ اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے کہ آدمی جو منصب چاہے، وہ اُسے مل جائے، مگر اس منصب کے ساتھ لکھنے پڑھنے کا کام جاری رکھنا دشوار ہے۔ گزشتہ تین برسوں سے وہ عبرت الغافلین[۲] مرتب کرنے کا وعدہ کر رہے ہیں، لیکن ہنوز روزِ اوّل ہے۔ بہر حال مَیں اُنھیں یاد دلاتا رہتا ہوں[۲]۔

رشید احمد صدیقی کے خطوں کی جلد پنجم شائع ہوئی ہے۔ یہ رشید صاحب کے صاحب زادے اقبال رشید نے شائع کی ہے۔ اُن سے مَیں نے آپ کے لیے ایک نسخہ حاصل کیا ہے۔ یہ خط اور کتاب آپ کو تحسین صاحب سے ملے گی۔ آپ اقبال رشید صاحب کو شکریے کا خط ضرور لکھ دیجیے گا۔ اُن کا پتا وہی ہے، جو کتاب کے ص۲ پر ناشر کا پتا ہے۔

میری صحت کا وہی عالم ہے، جو تھا، یعنی گردوں کی خرابی کی وجہ سے کمزوری بہت ہے۔ چند قدم چلتا ہوں تو تھک جاتا ہوں۔ میرے لیے دُعا فرمائیے[۳]۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

۱۔ ڈاکٹر [محمود مصطفیٰ صدیقی] ابن فرید، مزید تفصیل خط ۳۹، حاشیہ ۲۔

۲۔ عبرت الغافلین مرزا محمد رفیع سودا کی فارسی تصنیف ہے، جس میں الفاظ و تراکیب کی اہمیت اور اعلیٰ شاعری کے رموز پر فکر افروز بحث ملتی ہے۔ فراقی صاحب اس پر کام کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ (انھوں نے نومبر ۲۰۰۱ء کے غالب انسٹی ٹیوٹ سیمی نار، دہلی میں 'عبرت الغافلین اور سودا کے شعری تصورات' کے عنوان سے ایک مقالہ پیش کیا تھا۔)

۳۔ تقریباً تین ہفتے بعد خواجہ صاحب نے رشید حسن خاں کے نام ایک خط میں اپنی صحت کی کیفیت نسبتاً تفصیل سے لکھی۔ ۸ راگست کا یہ خط اسی مجموعے کے ضمیمے میں ملاحظہ کیجیے۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۶۔۷۔۲۰۰۳ء

....

۱۳۵

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

خداوند تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ مَیں ۱۱؍ مارچ کو اپنے گھر واپس آ گیا[۱]۔ زندگی معمول کے مطابق گزر رہی ہے، بس ذرا پرہیز، احتیاط اور آرام کا عنصر بڑھا دیا ہے۔ کام تو مَیں نے وہیں شروع کر دیا تھا، اب ذرا بہتر طور پر کر رہا ہوں کہ حوالے کی کتابیں، جو وہاں نہیں تھیں، یہاں موجود ہیں۔

مَیں تو اس لائق نہ تھا، مگر آپ جیسے مخلصوں اور محبت کرنے والوں کی دعاؤں سے صحت یابی ہوئی ہے۔ دعا کیجیے کہ جو مہلت ملی ہے، اُس میں اپنے نامکمل کاموں کو مکمل کر سکوں اور کوئی ڈھنگ کا کام بھی کر سکوں۔

بیماری سے پہلے مَیں نے والد صاحب کا روزنامچہ کمپوزنگ کے لیے دے دیا تھا۔ یہ ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۸ء تک کی ڈائری ہے۔ تین سال تو مکمل ہیں، باقی سالوں کی ڈائری جزوی ہے۔ تقریباً پانچ سو صفحات ہیں[۲]۔ ان کے پروف پڑھنے کے علاوہ ایک دو اَور کام بھی اُسی مکان میں مکمل کیے تھے، جہاں مَیں بیماری کے بعد منتقل ہو گیا تھا۔ وہ مکان ایک خوب صورت علاقے میں ہے۔ میری قیام گاہ عین سمندر کے کنارے تھی اور سب سے بڑی بات یہ کہ میرے بھائی بہن اُسی علاقے میں رہتے ہیں اور وہ زیادہ سے زیادہ وقت میرے ساتھ گزارتے تھے[۳]۔

۱۔ خواجہ صاحب کئی ماہ بیمار رہے۔ کچھ عرصہ آغا خان ہسپتال میں بھی رہنا پڑا۔ اس عرصے ان سے خط کتابت کا سلسلہ منقطع رہا۔ (سابقہ اور موجودہ خط کے درمیان آٹھ ماہ کا طویل وقفہ ہے)۔ فون پر ان کی مزاج پرسی کرتا رہا۔ اُن کی آواز سے اندازہ ہوتا تھا کہ بہت نقاہت ہے۔ مَیں بات مختصر کرتا تھا، کیوں کہ لمبی گفتگو سے ان کی طبیعت پر بوجھ پڑتا تھا۔

۲۔ یادِ ایام کے نام سے یہ روزنامچہ طبع ہو گیا ہے۔ دیکھیے جریدہ کراچی، شمارہ ۳۳، ۲۰۰۵ء۔

۳۔ ہسپتال سے آنے کے بعد غالباً وہ اپنی بڑی بہن (بی بی باجی) کے ہاں مقیم رہے، جو کلفٹن میں واقع سی ویو (sea view) اپارٹمنٹس میں رہتی تھیں۔

بیماری کے دوران آپ نے متعدد مرتبہ فون کر کے میری ہمت بندھائی۔ میری صحت یابی کے اسباب میں آپ کا یہ کرم بھی شامل ہے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
۱۶-۳-۲۰۰۴ء

....

۱۳۶

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

گرامی نامہ مورخہ ۱۹؍ مارچ ملا، ممنون ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ مَیں معمول کے مطابق اپنے کاموں میں مصروف ہوں۔ جی تو بہت چاہتا ہے کہ مَیں لاہور آؤں اور کچھ وقت آپ اور دیگر احباب کے ساتھ گزاروں، مگر فی الحال سفرؔ سے ڈر لگتا ہے۔ ممکن ہے، اقبال اکیڈمی کی دوسری میٹنگ میں شرکت کے لیے آسکوں[1]۔

تحسین صاحب اور اورنگ زیب صاحب کے تعلقات کی خرابی کا مجھے اندازہ تھا، لیکن اس کا اندازہ نہ تھا کہ دلوں کا فاصلہ اس حد تک بڑھ چکا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ کوئی صورت نکالنی چاہیے کہ دونوں اپنے اختلافات ختم کر دیں۔ مَیں ایک دوسرے سے متعلق دونوں کے خیالات سے اچھی طرح آگاہ ہوں، مگر مایوس نہیں ہوں۔ اکتوبر ۲۰۰۲ء میں جب مَیں لاہور آیا تھا تو...... خاصی رات گئے مجھ سے ملنے آئے تھے۔ وہ بھی ...... کی شکایت کر رہے تھے۔ مَیں نے اُنھیں سمجھایا تھا کہ...... اُن کے خیر خواہ ہیں۔ آپ کا یہ خیال درست ہے کہ کچھ شکایات دو طرفہ ٹھیک ہیں۔ میرے خیال میں اُنھیں آمنے سامنے بٹھا کر آپ اس صورتِ حال کو تبدیل کر سکتے ہیں۔ مَیں اتنی دور بیٹھ کر اظہارِ افسوس ہی کر سکتا ہوں۔

عبدالجبار شاکر صاحب کے طباعتی ادارے[2] کا آغاز تو اچھا ہے۔ اشفاق احمد ورک کی

۱۔ اکادمی کی مجلسِ حاکمہ کا آیندہ اجلاس ۱۷؍ جولائی کو ہوا تھا، مگر خواجہ صاحب اس میں بھی شرکت کے لیے لاہور نہ آسکے۔ صحت کی خرابی کے سبب اب ان کے لیے بیرونِ کراچی کے سفر مشکل تر ہوتے جا رہے تھے۔

۲۔ کتاب سرائے، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔

کتاب تو خود مصنف نے بھیجی ہے[۳]، جہانِ حیرت میں نے بازار سے منگوائی ہے۔ دونوں طباعتی اعتبار سے نہایت عمدہ ہیں۔

آپ کو اس پر حیرت ہے کہ..... لوگوں سے گلے ملتی ہے۔ اطلاعاً عرض ہے کہ اب وہ عمر کی جس منزل میں ہے، اُس میں گلے ہی مل سکتی ہے[۴]۔ اُس نے تو اپنی خودنوشت میں اپنے آٹھ عاشقوں کا ذکر کیا ہے، جن میں سے نصف نے اُس کی محبت میں خودکشی کر لی تھی، باقی نصف اگر باری باری عشق میں کامیاب ہو جاتے تو قتل ہو جاتے۔

تحسین صاحب کو فون کر کے ابھی کہیے کہ وہ بازیافت[۵] فوراً مجھے بھیجیں۔ سنا ہے، اس میں ڈاکٹر اسلم فرخی نے اکرام چغتائی کے جواب میں کچھ لکھا ہے۔

پچھلے دنوں ڈاکٹر انور محمود خالد[۶] نے ریڈیو کے لیے اپنا گریباں چاک پر ایک تبصرہ لکھا تھا۔ اُس کی نقل مجھے بھیجی تو مَیں نے بھی اپنے خیالات ایک خط کی صورت میں اُن کو لکھ بھیجے۔ اس کی ایک نقل آپ کے ملاحظے کے لیے بھیج رہا ہوں۔ یہ اشاعت کے لیے نہیں ہے[۷]۔ آپ زیادہ سے زیادہ تحسین صاحب کو دکھا سکتے ہیں۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

۳۔ اشفاق احمد ورک (پ: ۱۳ر جون ۱۹۶۳ء) کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ اردو نثر میں طنز و مزاح کتاب سرائے نے شائع کیا تھا۔ ورک صاحب معروف مزاح نگار ہیں اور ان دنوں گورنمنٹ کالج آف کامرس، شیخوپورہ میں اردو کے استاد ہیں۔ تصانیف و تالیفات: قلمی دشمنی، ذاتیات، خاکہ نگری، خود ستائیاں، غزل آباد، اردو نثر میں طنز و مزاح، منٹو اور مزاح وغیرہ۔

۴۔ انھی دنوں الحمرا، لاہور میں سارک ممالک کے ادیبوں کی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ وہاں مَیں نے اس کانفرنس کی کرتا دھرتا ایک پاکستانی معروف شاعرہ کو بھارت کے ایک ادیب سے گلے ملتے دیکھا تو مَیں نے خواجہ صاحب سے اس 'روشن خیالی' اور 'ترقی پسندی' پر تعجب کا اظہار کیا تھا۔

۵۔ بازیافت جنوری رجون ۲۰۰۳ء میں محمد اکرام چغتائی کا مضمون بہ عنوان: 'محمد حسین آزاد شائع ہوا تھا۔ اس میں ڈاکٹر محمد اسلم فرخی صاحب کا ذکر بھی تھا۔ ردِعمل میں فرخی صاحب کا مضمون 'محمد حسین آزاد (فرموداتِ 'چغتائی' کی روشنی میں بازیافت ۳ر جولائی تا دسمبر ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا تھا۔

۶۔ ڈاکٹر انور محمود خالد (پ: یکم مارچ ۱۹۴۰ء) ادیب، شاعر اور نقاد۔ گورنمنٹ کالج، فیصل آباد میں مدت دراز تک اردو کے استاد رہے۔ اب سبک دوش ہو چکے ہیں۔

۷۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کی خودنوشت اپنا گریباں چاک پر بصورتِ مکتوب خواجہ صاحب کا یہ تبصرہ بعد ازاں مکتوب الیہ نے معاصر لاہور (اپریل تا دسمبر ۲۰۰۴ء) میں بھی شائع کر دیا تھا۔

آپ کا
مشفق خواجہ
۲۴-۳-۲۰۰۴ء

....

۱۳۷

محترمی ومکرمی، سلام مسنون

۲۱ راپریل کو جو چند گھنٹے آپ نے میرے ساتھ گزارے، وہ ایک خواب سا نظر آتے ہیں۔ افسوس کہ آپ کی طبیعت ناساز تھی، ورنہ یہ ملاقات کچھ طویل ہو سکتی تھی اور وہ اس طرح کے جلسے کے بعد مَیں آپ کو اپنے ہاں بلوا لیتا، لیکن بہتر یہی تھا کہ آپ آرام کرتے اور عقیل صاحب کے ہاں آپ زیادہ بہتر طور پر آرام کر سکتے تھے۔ اس کا بھی افسوس ہے کہ آپ نے کچھ میرے ہاں کھایا نہ عقیل صاحب کے ہاں، بس ہومیوپیتھی کی دوائیں پھانکتے رہے۔ اب معلوم ہوا، پاکستان میں ہومیوپیتھی کا کاروبار آپ ہی کی وجہ سے پھل پھول رہا ہے۔

آپ کے یوم اقبال کی خبر کسی اُردو اخبار میں نہیں آئی، البتہ انگریزی اخبار (ڈان) میں بڑی مفصل خبر آئی ہے، یہ بھیج رہا ہوں۔ آپ کی بڑی تصویر مقامی خبروں والے حصّے کے پہلے صفحے پر تھی۔ خبر اندرونی صفحے پر ہے۔[۱]

مَیں نے گزارش کی تھی کہ ۱۹۵۴ء کے قاصد[۲] میں ڈاکٹر اسرار احمد[۳] کا ایک خط بنام ڈاکٹر سید اسلم[۴] شائع ہوا تھا، اس کی نقل درکار ہے۔ اگر یہ نقل مل جائے تو کرم ہوگا۔

کل رات عقیل صاحب کے ہاں ایک بڑی عمدہ محفل تھی، جس میں ڈاکٹر جمیل جالبی اور

۱۔ راقم ۲۰ راپریل کو ای آر ڈی سی اور اقبال اکادمی کے اشتراک و اہتمام سے منعقدہ یوم اقبال کی تقریب میں شرکت کے لیے کراچی گیا تھا۔ تقریب ۲۱ راپریل کو شام میں ریجنٹ پلازا میں تھی، اس لیے اس روز صبح ۱۰ بجے سے شام ۴ بجے تک کا وقت خواجہ صاحب کے ہاں گزارا۔ جی تو چاہتا تھا کہ رات دوبارہ خواجہ صاحب سے ملنے جاؤں، مگر بخار تھا اور طبیعت بے حد مضمحل، اس لیے نہ جا سکا۔ اگلے روز لاہور واپسی تھی۔

۲۔ سہ روزہ قاصد کوئٹہ سے شائع ہوتا تھا۔

۳۔ ڈاکٹر اسرار احمد (پ: ۲۶ راپریل ۱۹۳۲ء) معروف عالم دین، خطیب اور مفسرِ قرآن، تنظیم اسلامی پاکستان کے بانی امیر۔

۴۔ ڈاکٹر سید اسلم: معروف ماہر امراضِ قلب۔

لطف اللہ خاں[۵] (آوازوں والے) بھی تھے۔ حیدر آباد دکن کے بارے میں 'دور درشن' کا ایک پروگرام عقیل صاحب کے پاس محفوظ ہے، یہ اُنھوں نے دکھایا۔ مَیں نے حیدر آباد نہیں دیکھا، لیکن اس شہر سے بے پناہ انسیت ہے۔ یہ پروگرام دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ اسے جیلانی بانو[۶] اور اُن کے شوہر ڈاکٹر انور معظم[۷] نے تیار کیا ہے۔

ایک دن مَیں نے تحسین صاحب کو فون کیا تھا۔ اب تو وہ ماشاء اللہ بالکل ٹھیک ہیں[۸]۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۳۔۵۔۲۰۰۴ء

....

۱۳۸

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کے خط مل گئے تھے۔ جواب میں تاخیر کا سبب سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ والد صاحب مرحوم کے روزنامچے کے پروف پڑھنے اور حواشی لکھنے میں مصروف رہا۔ اب جواب طلب خط خاصے جمع ہو گئے ہیں، اس لیے چند روز خطوط نویسی کی نذر ہوں گے۔ سب سے پہلے آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔

....

سہیل صاحب.....فون کر کے میٹنگ کی اطلاع دیتے ہیں۔ .....۷ار جولائی کی میٹنگ

۵۔ لطف اللہ خاں (پ: ۲۵ر نومبر ۱۹۱۶ء) ادیب اور افسانہ نگار۔ ان کا تخصص یہ ہے کہ انھوں نے زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی نامور یا غیر معروف شخصیات کی آوازیں ریکارڈ کر کے، اپنی آڈیو لائبریری میں محفوظ کر رکھی ہیں۔ مختلف اصحاب کے خاکوں کا ایک مجموعہ تماشاے اہلِ قلم کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۶۔ جیلانی بانو (پ: ۱۴ر جولائی ۱۹۳۶ء) معروف افسانہ نویس۔

۷۔ ڈاکٹر انور معظم (پ: ۱۹۲۹ء) معروف سکالر اور دانش وَر۔ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن میں شعبہ علوم اسلامیہ کے صدر نشیں رہے۔

۸۔ فراقی صاحب نے موٹر سائیکل ایک ریڑھی والے سے ٹکرا لیا تھا اور انھیں کچھ چوٹیں آئیں، و لے بخیر گذشت۔

۲۸ [illegible] منصورہ
لاہور - ۵۴۵۷۰

مکرم و محترم خواجہ صاحب

سلام مسنون — کراچی سے واپسی پر، ہر روز ارادہ کرتا کہ آج خط لکھتا ہوں تا آنکہ آپ کا نامۂ گرامی آن پہنچا — یوم اقبال کی خبر + تقریر بھجوانے کا شکریہ — اس تقریر کی رشحات سے، مجھے کراچی کے بعض احباب سے شرمندگی محسوس ہو رہی ہے اگر طبیعت ٹھیک ہوتی تو ان سے معذرت کرتا یا کم از کم ٹیلی فون پر ٹیلیفونک سلسلہ کر لیتا — سب وہ صاحبان کی عجیب بے رخی ہے، بلکہ نالائقی ہے اس حقیر کی — خصوصاً بزرگ بشمول جالبی صاحب، یا فرمان صاحب — خیر، آپ سے معذرت ہو گئی، یہی دورۂ کراچی کا حاصل ہے اور جیسا کہ آپ نے لکھا ہے، طبیعت ناساز ہو گئی، ورنہ رات پھر آپ سے ملنے آ جاتا — بہر حال جو میسر ہوا، اس پر خدا کا شکر ہے اور جو محرومی رہی، اس کی تلافی کی، امید ہے ان شاء اللہ۔

کراچی سے واپسی پر ۲، ۳ روز میں طبیعت ٹھیک ہو گئی، اور اب الحمدللہ بالکل ٹھیک ہوں۔ ۱۲ اپریل کو بخار تھا، بھوک ندارد — اور یوم اقبال کی تقریب میں سردی لگ رہی تھی اس لیے وہاں سے نکل کر میں طفیل صاحب کے ساتھ چلا گیا، ہم پہلے ان کے گھر پہنچے، میں گھر پہنچتے ہی سو گیا، اس قدر نڈھال تھا کوئی ڈیڑھ بجے آنکھ کھلی تو کھانا رکھا ہوا تھا، چند لقمے کھائے، پھر سو گیا — اگلے روز دوپہر تک ایسی کیفیت رہی کہ آپ کو فون بھی نہیں کر سکا جس کا بہت افسوس ہے — بہر حال ان شاء اللہ اس کی تلافی پھر کسی وقت ہو سکے

آج کل صحت اللہ کے فضل سے حسب معمول ہے، ہر منگل اورینٹل کالج جا رہا ہوں

گرمی شدید ہو گئی ہے — کبھی کبھار ہفتے دو ہفتے میں ایک بار اقبال اکادمی
اور وہ بھی صرف ۲، ۳ گھنٹوں کے لیے — سیّد قاسم محمود صاحب نے
کافی کام سنبھال لیا ہے —

آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ امید ہے بخیر ہوں گے۔
صدیق جاوید کی کتاب موضوعِ بحث ہے —

لندن میں عبدالرحمٰن بزمی صاحب کا ۱۷ مئی کو آپریشن
ہونے والا ہے — ان کے لیے دعا فرمائیے —

شمس الرحمٰن فاروقی صاحب سے ۲-۳ بار ملاقات
ہوئی — پہلے روز سینیٹ ہال میں جلسہ ہوا بعد ازاں اساتذہ
اورینٹل کالج میں چائے کی نشست — یکم مئی کو انھوں نے ایوانِ
اقبال میں لیکچر دیا (جس کے لیے وہ بلائے گئے تھے)
How to read Iqbal
یہ کمپوز کیا ہوا طویل مضمون انگریزی میں تھا، مگر انھوں نے خلاصہ
اردو میں کیا — اسی روز صبح اقبال اکادمی میں چیدہ احباب
کی ایک نشست ان کے ساتھ رہی ۲ گھنٹے — (آفتاب، رضا رؤف)
جعفر بلوچ، عزیز ابن الحسن، ضیاء الحسن وغیرہ — اس
میں ان سے سوال جواب ہوئے جو دیر تک چلے — اس
بھی ہو سکا — بہت محبت کے انسان ہیں ان کا بے تکلفانہ
انداز و اسلوب پسند آیا — میرے خیال میں تو وہ اس وقت
بھارت میں چوٹی کی نقاد اور شخصیت ہیں — آج کل ان
کے خطوط کا "شمس کبیر" دیکھ رہا ہوں — "آفاقی روز مرہ"
بھی آ گئی ہے — خدا نگہبان

ہاشمی

اتوار، ۱۶ مئی ۰۴ء

کے لیے انھوں نے فون کیا تھا تو مَیں نے کہا کہ اب اکتوبر میں ایک میٹنگ رکھیے تو مَیں ضرور آؤں گا۔ اس بہانے آپ سب لوگوں سے ملاقات ہو جائے گی۔ انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اکتوبر میں میٹنگ ضرور رکھیں گے۔ اس وقت تک اِن شاء اللہ والد مرحوم کا روزنامچہ بھی چھپ جائے گا تو ساتھ لیتا آؤں گا۔

ایک دل چسپ خبر یہ ہے کہ مولانا مودودیؒ کا ایک خط میرے نام دستیاب ہوا ہے، جو میرے ذہن میں بالکل نہیں تھا۔ ہوا یہ کہ ۱۹۶۰ء میں جب رسالہ اردو اور برگِ گل کا عبدالحق نمبر شائع کرنے کا پروگرام بنایا گیا تو مولانا مرحوم کو مضمون لکھنے کی دعوت دی گئی۔ مَیں نے خط لکھا، اس کا جواب آیا، وہ حکیم اسرار احمد کرنل عطاء الرحیم نے برگِ گل میں شائع کیا۔ اُس زمانے میں فوٹو اسٹیٹ کا رواج تو تھا نہیں، اصل خط ہی سے کاتب نے کتابت کی۔ حاشیے پر روشنائی کے نشانات پر سادہ کاغذ رکھ کر فوٹو بنوایا ہے، لیکن تاریخ پر موجود نشان پھر بھی رہ گئے[1]۔

خدا کا شکر ہے کہ میری صحت اب بہتر ہے۔ ۲/اگست کو اسلام آباد جا رہا ہوں۔ وہاں پانچ چھ روز قیام کا ارادہ ہے۔ قیام اکادمی ادبیات کے مہمان خانے میں ہوگا[2]۔

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اب آپ کی صحت بہت بہتر ہے، البتہ تحسین صاحب کی طرف سے تشویش ہے۔ انھیں خط لکھ رہا ہوں۔

ادارۂ یادگارِ غالب کی تازہ فہرست بھیج رہا ہوں۔

۱۔ سلیم منصور خالد اور راقم نے مل کر خطوط مودودی کے نام سے دو جلدیں شائع کی تھیں۔ خواجہ صاحب کو علم تھا کہ ہم سید مودودی کے مزید خطوط بھی جمع کر رہے ہیں، اس لیے انھوں نے یہ خط مجھے فراہم کر دیا۔ اُمید ہے خطوط مودودی کے تیسرے حصے میں شامل ہوگا۔

۲۔ جیسا کہ مقدمے میں ذکر کیا گیا ہے، راقم ۷/اگست کو اسلام آباد پہنچا۔ ایک گھنٹہ شب کو اور تین گھنٹے ۸/اگست کو قبل از دوپہر خواجہ صاحب کی صحبت میں گزرے۔ اس دنیاے فانی میں یہ اُن سے آخری بالمشافہ ملاقات تھی۔ وہ جلیل عالی کے ہاں دوپہر کھانے پر مدعو تھے۔ ڈاکٹر طیب منیر انھیں لینے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ مجھے بھی دعوت ملی، مگر مَیں شام سے قبل ایبٹ آباد پہنچنا چاہتا تھا، اس لیے معذرت کر لی۔ اکادمی ادبیات کے مہمان خانے کے دروازے پر خواجہ صاحب سے الوداعی معانقہ کر کے اُن سے رخصت لی۔ نہیں معلوم تھا کہ اب اس فانی زندگی میں دوبارہ ملاقات نہ ہو سکے گی، ورنہ سفر ایبٹ آباد مؤخر کر دیتا.......... لیکن تا کجے.......... بچھڑنا تو تھا ہی.......... قیامت تو آنی ہی تھی.......... یہ قیامت ۲۱/فروری کو آئی اور گزر گئی.......... اب روزِ قیامت کا انتظار ہے، جب خواجہ صاحب سے ٹوٹا ہوا سلسلہ، پھر سے قائم ہوگا، اِن شاء اللہ۔

آپ نے اورینٹل کالج سے دور رہنے کا جو فیصلہ کیا، وہ بہت مناسب ہے[۳]۔ دونوں دوستوں کی کشیدگی تو دشمنی کا رنگ اختیار کرتی جا رہی ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے۔ دونوں کے فون آتے ہیں۔ جو کہتے ہیں، سنتا رہتا ہوں۔ اب اکتوبر میں لاہور آؤں گا تو دونوں سے بات کروں گا۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۶۔۷۔۲۰۰۴ء

....

۱۳۹

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کی ناسازیِ طبع کا علم ہوا، بے حد تشویش ہے۔ خداوند کریم سے دُعا ہے کہ آپ کو مکمل صحت عطا ہو[۱]۔

میرے نزدیک، وہ چند لوگ، جن کی وجہ سے یہ دنیا خوب صورت نظر آتی ہے، اُن میں سے ایک آپ ہیں، اس لیے آپ کی صحت اُن سب لوگوں کی صحت ہے، جو آپ سے محبّت کا رشتہ استوار رکھتے ہیں۔

۳۔ اورینٹل کالج، شعبۂ اُردو سے سبک دوشی (۳۱ر مارچ ۲۰۰۲ء) کے بعد دو برس (۲۰۰۲ء۔۲۰۰۳ء اور ۲۰۰۳۔۲۰۰۴ء) تک مہمان پروفیسر (Visiting Professor) کی حیثیت سے، ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی جماعتوں کی درس و تدریس میں شامل رہا۔ بعدۂ اپنے اور شعبے کے ناسازگار حالات کے پیشِ نظر اوائلِ جون ۲۰۰۴ء ہی میں صدر شعبہ کو مطلع کر دیا کہ آیندہ تعلیمی میقات (۲۰۰۴ء۔۲۰۰۵ء) میں میرے لیے تدریس میں شمولیت ممکن نہ ہوگی۔ سب سے اہم وجہ تو یہ تھی کہ میرے متعدد تصنیفی و تالیفی منصوبے مسلسل التوا میں چلے آ رہے تھے اور مَیں نے اندازہ کر لیا تھا کہ اب درس و تدریس سے دست کش ہوئے بغیر ان پر توجہ نہیں دی جا سکتی۔

(۱۳۹)

۱۔ ایبٹ آباد سے واپسی پر راقم وسطِ اگست سے آخر ستمبر تک شدید بیمار رہا۔ تیز بخار، کھانسی، پھر نمونیا، بعدۂ پیٹ اور معدے کی خرابی اور السر کی شکایت۔ چند دن ہسپتال میں بھی رہنا پڑا۔

آپ کا
مشفق خواجہ
۱۷۔۹۔۲۰۰۴ء

....

۱۴۰

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

یہ جان کر اطمینان ہوا کہ اب آپ روبصحت ہیں۔ خداوند کریم آپ کو صحت مند و توانا رکھے کہ آپ اپنے دوستوں اور بہی خواہوں کی صحت کا مقیاس ہیں۔ کم از کم مَیں تو یہی محسوس کرتا ہوں کہ آپ بیمار پڑ جاتے ہیں تو طبیعت میری بگڑ جاتی ہے۔

یہ بہت اچھا ہے کہ آپ فی الحال آرام کر رہے ہیں۔ بیماری کا اصل علاج آرام ہی ہے۔ آپ نے اچھا کیا، اورینٹل کالج کی تدریس کا سلسلہ ختم کر دیا۔ ادارۂ معارف اسلامی کا بھی اتنا ہی کام کیجیے، جتنا اپنے آپ کو تھکائے بغیر کیا جا سکے۔ یہ ادارہ چونکہ گھر کے نزدیک ہے، دوسرے خالص علمی ہے اور یہاں اورینٹل کالج جیسی فضا نہیں ہے، اس لیے اس سے وابستگی رہنی چاہیے[1]۔

میری صحت، خدا کا شکر ہے، اطمینان کے لائق ہے۔ کام کی میز پر بیٹھتا ہوں تو بھول جاتا ہوں کہ دلِ ریزہ ریزہ لیے بیٹھا ہوں۔ آپ ہی کی طرح دوائیں اور دعائیں دونوں ہی کام آ رہی ہیں۔

کل رات مَیں نے رشید حسن خاں صاحب کو فون کیا تھا۔ خیریت سے ہیں، مگر آواز سے نقاہت ظاہر تھی۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ ان کی بیگم صاحبہ کا انتقال دو سال پہلے ہو گیا تھا[2]۔ مَیں نے بیگم صاحبہ کا حال پوچھا تو اُنھوں نے اُن کی وفات کا ذکر کیا اور کہا کہ جب اُن کی ضرورت زیادہ تھی تو وہ چلی گئیں۔ اس جملے سے اُن کا شدید کرب ظاہر ہوتا ہے۔

اقبال اکیڈیمی کی نئی کتابیں آئیں تو اُن میں ڈاکٹر گیان چند کی ابتدائی کلام والی کتاب بھی

۱۔ اورینٹل کالج کی ملازمت سے سبک دوشی (۳۱ مارچ ۲۰۰۲ء) کے بعد یکم اپریل سے راقم ادارۂ معارف اسلامی، لاہور سے وابستہ ہو گیا تھا۔

۲۔ خواجہ صاحب نے راقم کے نام اپنے خط (۲۵ اپریل ۲۰۰۳ء) میں مطلع کیا تھا کہ ۲۸ مارچ ۲۰۰۳ء کو خاں صاحب کی بیگم کا انتقال ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے، ڈیڑھ برس بعد خود خواجہ صاحب کے ذہن سے یہ بات محو ہو گئی۔

تھی[۳]۔ مَیں نے سہیل عمر صاحب سے کہا کہ اس سلسلے کی پہلی کڑی تو اقبال از احمد دین ہے، اُسے آپ شائع کیوں نہیں کرتے۔ وہ اس پر آمادہ ہیں۔ میرے لیے اس کتاب پر نظر ثانی کرنا ممکن نہیں۔ اگر مقدمے میں مَیں نے کوئی بات غلط لکھی ہو تو آپ 'پس نوشت' کے عنوان سے اس کی تصحیح کر دیجیے یا احمد دین اور اس کی کتاب کے متعلق کوئی نئی بات آپ کے سامنے ہو تو وہ لکھ دیجیے۔ آپ سہیل عمر صاحب سے بات کر لیجیے۔ کتاب کی پروف ریڈنگ وغیرہ اب مَیں نہیں کر سکتا، اس لیے مطبوعہ نسخے کا عکس ہی شائع کر دیا جائے[۴]۔

والد صاحب مرحوم کے روزنامچے پر کام جاری ہے۔ اِن شاء اللہ اس سال کے آخر تک چھپ جائے گا۔

عبدالرحمٰن بزمی صاحب کی علالت کا سُن کر تشویش ہوئی۔ خدا اُنھیں صحت کاملہ و عاجلہ سے نوازے۔ اب اُن جیسے مخلص اور وضع دار لوگ دنیا میں بہت کم ہیں۔ مَیں اُن کی صحت یابی کے لیے دعا کرتا ہوں۔ آپ سے فون پر بات ہو تو میری نیک تمنائیں اُن تک پہنچا دیجیے گا[۵]۔

مرحوم ابن فرید کے میرے نام خط خاصی تعداد میں ہونے چاہییں۔ مَیں اِن شاء اللہ بہت جلد ان کا عکس بھجوا دوں گا۔ کیا اُن کے خطوط کا مجموعہ شائع کرنے کا ارادہ ہے[۶]؟

لاہور کے دوست یقیناً ہندوستان سے بہت کتابیں لائے ہوں گے۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے گھر بیٹھے ہندوستانی کتابیں مل جاتی ہیں۔ پچھلے ایک مہینے میں خدا بخش لائبریری پٹنہ، مکتبہ جامعہ دہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی اور متعدد مصنفین کی ارسال کردہ ایک سو سے زیادہ کتابیں موصول ہوئی ہیں۔

خیر اندیش

مشفق خواجہ

۸-۱۰-۲۰۰۴ء

....

۳۔ اقبال اکادمی نے ۲۰۰۲ء میں ڈاکٹر گیان چند کی کتاب ابتدائی کلام اقبال کا عکسی اڈیشن شائع کیا تھا۔

۴۔ احمد دین کی مذکورہ کتاب اقبال اکادمی، لاہور سے ۲۰۰۶ء ہی میں شائع ہو گئی ہے۔

۵۔ عبدالرحمٰن بزمی کا ذکر خط ۱۲۴ کے حاشیہ ۲ میں آ چکا ہے۔ ان دنوں وہ بیمار تھے۔ کچھ عرصہ پہلے ان کا ایک آپریشن ہوا تھا۔ افسوس ہے ۱۴ر نومبر ۲۰۰۵ء کو وہ چل بسے۔ خدا ان کی مغفرت کرے، آمین۔

۶۔ افسوس ہے کہ خواجہ صاحب ابن فرید کے خطوں کے عکس نہ بھجوا سکے۔

۱۴۱

براد رِعزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کا خوب صورت عید کارڈ ملا، دلی شکریہ ادا کرتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ آپ کو اور آپ کے متعلقین کو آنے والی بے شمار عیدوں کی خوشیاں حاصل ہوں۔

آپ کی صحت کی طرف سے تشویش رہتی ہے۔ ایک تو آپ اپنا علاج خود کرتے ہیں اور وہ بھی ہومیو پیتھی کے ذریعے، دوسرے بیماری کو آپ نے بطور شغل اختیار کر رکھا ہے، ہر دوسرے تیسرے مہینے آپ کی ناسازیِ طبع کی اطلاع ملتی ہے۔ بہر حال صورتِ حال کچھ بھی ہو، آپ کی صحت و شادمانی کے لیے روز دُعا کرتا ہوں کہ آپ کی صحت دراصل میری صحت ہے۔

خدا کے فضل سے مَیں اپنے کاموں میں مصروف ہوں۔ علاج کر رہا ہوں، پرہیز پر سختی سے کاربند ہوں، مگر ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے اندر ہی اندر کچھ ہو رہا ہے۔ میز پر بیٹھ کر گھنٹوں کام کرتا ہوں، مگر تھکن نہیں ہوتی۔ دو قدم پیدل چلتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے برسوں کی تھکن نے میرے قدم ساکن کر دیے ہیں۔ بہر حال دعا کیجیے کہ مَیں پہلے کی طرح روزانہ ایک آدھ میل پیدل چلنے کے قابل ہو جاؤں۔

آپ کا ایک خط ملا تھا اور اُس کا مفصل جواب مَیں نے لکھا تھا۔ اس جواب کی دو باتیں مجھے اب تک یاد ہیں:

۱۔ مَیں نے آپ کے استفسار پر عرض کیا تھا کہ ابن فرید مرحوم کے چالیس کے قریب خط دستیاب ہوئے ہیں۔ ممکن ہے، غیر مرتب کاغذات میں بھی کچھ خطوط مل جائیں۔ اگر آپ فرمائیں تو ان خطوں کے عکس بھیج دوں۔

۲۔ سہیل عمر صاحب سے بات ہوئی ہے کہ وہ اقبال از احمد دین کو اقبال اکیڈمی کی طرف سے شائع کر دیں گے۔ اب اس تجویز کو عمل میں لانا آپ کے ذمے ہے۔ آپ اُن سے بات کریں اور جلد طباعت کی صورت نکالیں۔ میرے مقدمے میں اگر کچھ غلطیاں نظر آئیں تو آپ 'پس نوشت' کے عنوان سے ایک نوٹ لکھ دیجیے، جو آپ ہی کے نام سے شامل کتاب ہو جائے گا۔[1]

ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے بتایا کہ عید کے روز آپ اُن سے ملنے گئے تھے۔ گاہے گاہے

۱۔ اس پیراگراف کے بالمقابل دائیں طرف لفظ 'ضروری' درج ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے پاس احباب کو جاتے رہنا چاہیے، تا کہ اُن کا دل بہلتا رہے۔

ڈاکٹر عبدالغنی فاروق اور پروفیسر حجازی صاحب سے میرا سلام کہیے۔

آپ کا

مشفق خواجہ

۱۹-۱۱-۲۰۰۴ء

....

۱۴۲

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

بے حد معذرت خواہ ہوں کہ آپ کے خط کا جواب تاخیر سے دے رہا ہوں۔ آج کل مہمانوں کا ایک سیلاب آیا ہوا ہے۔ کچھ خاندان کے افراد بیرونِ ملک سے آئے ہیں اور کچھ ادبی دوست۔ ڈاکٹر خلیق انجم اور ڈاکٹر انور معظم آج کل کراچی میں ہیں۔ خلیق انجم تو خیر ایک ہی دن کئی گھنٹے میرے ساتھ رہے، البتہ انور معظم روزانہ آتے ہیں، کیوں کہ اُن سے میرے خصوصی مراسم ہیں اور وہ مجھ پر بہت مہربان ہیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ اور اُن کی بیگم صاحبہ، جیلانی بانو، اُٹھ کر گئے ہیں۔ کل ڈاکٹر سلیم اختر بھی آجائیں گے، نگار کے جلسے میں۔ ایک دن اُن کے ساتھ گزرے گا (یہ ہر سال ہوتا ہے، وہ کراچی آتے ہیں، نگار کے جلسے میں تو ایک دن میرے ساتھ گزارتے ہیں)۔ کل اور پرسوں ڈاک خانہ ۲۵ر دسمبر اور اتوار کی وجہ سے بند رہے گا۔ مَیں یہ خط آج ہفتے کے روز لکھ کر رکھ دوں گا، تا کہ کل اور پرسوں کی مصروفیت میں یہ کام رہ نہ جائے۔ پیر کے روز پوسٹ کروں گا۔

رشید حسن خاں صاحب کا خط ملا۔ 'لفظیاتِ اقبال' کا جو خاکہ اُنھوں نے بھیجا ہے، وہ مَیں نے بغور پڑھا[۱]۔ میری رائے میں یہ نہایت اہم اور ضروری کام ہے اور ضرور ہونا چاہیے۔ آپ سہیل عمر صاحب سے بات کیجیے اور کام شروع کرا دیجیے، لیکن اس سے پہلے معاوضے کا تعین ہونا چاہیے اور معاوضے کا ایک حصہ اُنھیں پیشگی ادا کر دینا چاہیے۔ خان صاحب کے مالی حالات ایسے نہیں ہیں کہ محض مستقبل کی امید پر کام شروع کر دیں۔ رقم کی ادائی کے سلسلے میں سہیل عمر صاحب

۱۔ اس موضوع پر رشید حسن خاں کا مکتوب بنام مرتب مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۲۰۰۴ء، ضمیمے میں دیا جا رہا ہے، جس سے خاں صاحب کے مجوزہ خاکے کی نوعیت اور پوری سکیم کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

بہتر طور پر کوئی راستہ نکال سکتے ہیں۔

آپ کے خط کی موصولی کے بعد، ایک روز مَیں نے رشید حسن خاں صاحب کو فون کیا تھا اور آپ کے خط کا ذکر کیا تھا۔ وہ بیماری اور دیگر پریشانیوں کے باوجود اس کام کو انجام دینے کے خواہاں ہیں، لہٰذا آپ کوئی ایسی صورت نکالیے کہ وہ جلد از جلد کام شروع کر دیں۔ خاں صاحب نے کام کا جو خاکہ بھیجا ہے، وہ نہایت مناسب ہے۔ اس میں کسی ترمیم یا تبدیلی کی ضرورت نہیں، کام اسی خاکے کے مطابق ہونا چاہیے[۲]۔

عبدالوہاب خاں سلیم صاحب[۳] کی عنایت کردہ دونوں کتابیں مل گئی ہیں، اُن کا شکریہ فون پر ادا کر چکا ہوں اور آپ کا اب ادا کرتا ہوں۔ آپ نے ان کتابوں کے بھیجنے میں بہت زحمت اُٹھائی۔ یہ عبدالوہاب خاں صاحب، انسان نہیں، فرشتہ معلوم ہوتے ہیں۔ اتنی دور بیٹھ کر اتنا خیال رکھنا، ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ اور یہ سلوک دو چار افراد کے ساتھ نہیں، بے شمار لوگوں کے ساتھ ہے۔ معلوم نہیں، اُنھیں کیسے یہ علم ہو گیا کہ میری تاریخ پیدائش ۱۹ر دسمبر ہے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ۱۹ کی صبح کو میرے گھر ایک گل دستہ ایک کورئیر سروس کے ذریعے آ گیا، ساتھ ہی مبارک باد کا کارڈ بھی تھا۔ شام کو مبارک باد کا فون بھی آیا۔ بتائیے کون یہ کھکیڑ اُٹھائے گا!

ابن فرید مرحوم کے خطوط مَیں نے نکال لیے ہیں۔ جلد ہی ان کے عکس بنوا کر ارسال

۲۔ ناظم اقبال اکادمی سہیل عمر صاحب نے کہا: لفظ شماری کا یہ کام ہم کمپیوٹر کے ذریعے کروا چکے ہیں اور یہ کمپیوٹر میں محفوظ ہے۔ بہر حال افسوس ہے کہ سہیل صاحب کی عدم رضامندی کے سبب یہ علمی منصوبہ بروے کار نہ آ سکا۔ ورنہ یہ مرحوم کا آخری یادگار کام ہوتا۔ سال بھر میں پورا یا اس کا معتد بہ حصہ انجام پا جاتا اور چھپ بھی جاتا۔ کمپیوٹر والا کام اس پائے کا نہیں ہو سکتا اور یوں بھی وہ تو 'لوحِ محفوظ' کی طرح ہے۔

۳۔ عبدالوہاب خاں سلیم (پ: ۶ر فروری ۱۹۳۹ء، دریاباد، ضلع بارہ بنکی، یوپی) ۱۹۵۹ء سے ۱۹۷۳ء تک پنجاب یونی ورسٹی، لاہور میں کتاب دار رہے۔ ۱۹۷۳ء سے تاحال امریکا میں مقیم ہیں۔ اردو دنیا کے حوالے سے ان کے حلقہ احباب میں راقم جیسے گوشہ نشین شخص سے لے کر بھارت اور پاکستان کے کئی نامور ادیب اور شاعر شامل ہیں۔ کتابوں کے نہایت شائق۔ بیسیوں علمی و ادبی کتابوں کی اشاعت میں ان کی مالی اعانت شامل رہی ہے۔ وہ احباب کو اپنی پسند کی کتابوں کے تحفے بھجوانے کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ بھارت اور پاکستان سے اپنی پسند کی کتابیں برابر خرید خرید کر منگاتے رہتے ہیں۔ آپ بیتی اور سفرناموں (بطور خاص حج و عمرہ کے سفرناموں) کا ایسا بڑا ذخیرہ، بلا مبالغہ دنیا میں کہیں نہیں ہوگا۔ اگر کسی جائزے میں ان کا کتب خانہ امریکہ میں اردو کا سب سے بڑا کتب خانہ قرار دیا جائے تو تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ جن لوگوں کو سلیم صاحب سے علاقہ رہا، وہ ان کے خلوص و محبت، نیک نفسی اور دین داری کی شہادت دیں گے۔

خدمت کروں گا۔فوٹو اسٹیٹ کا کام ملازم سے کراتا ہوں، ایک ساتھ سارے خط نہیں دوں گا، تھوڑے تھوڑے کر کے عکس بنواؤں گا؛ اس لیے ممکن ہے، اس کام میں کچھ تاخیر ہو جائے۔

اقبال از احمد دین کو اقبال اکیڈمی سے ضرور چھپوا دیجیے۔ یہ کتاب کم از کم اُن کتابوں سے بدرجہا بہتر ہے، جو آج کل اکیڈمی کی طرف سے شائع کی جا رہی ہیں۔آج ہی اکیڈمی کی کچھ نئی مطبوعات موصول ہوئی ہیں، ان میں ایک کتاب وارث علامہ بھی ہے[۴]۔...... جاوید اقبال کے ذکر پر یاد آیا، کیا آپ کی نظر سے گریباں چاک کے بارے میں معاصر میں میرا خط آپ کی نظر [کذا] سے گزرا ہے[۵]؟ مجھے تو یہ آپ بیتی فرزندِ اقبال کے شایانِ شان نظر نہیں آتی۔

......میری نظر سے گزر چکی ہے، بلکہ اس کے بعد اس کے مصنف بھی دو تین بار نظر سے گزر چکے ہیں۔ایک ذریعے سے مجھ تک یہ پیغام بھی پہنچا ہے کہ وہ اپنے لکھے پر نادم ہیں۔گزشتہ اگست میں مَیں اسلام آباد گیا تھا تو تمنا صاحب سے دو مرتبہ ملاقات ہوئی تھی، بہت محبت سے ملے تھے۔ دراصل قصہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں ہر ادیب اپنے آپ کو 'کمالِ فن' انعام کا مستحق سمجھتا ہے اور ہر سال وہ یہ سمجھتا ہے کہ اُس کی حق تلفی ہوئی ہے۔انعام ایک ہے اور مستحقین کی تعداد سوڈیڑھ سو سے کم نہیں، لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ سب کو خوش کیا جا سکے۔تمنا بے تاب پوری نے جو کچھ لکھا ہے، وہ صد فی صد جھوٹ ہے۔میرے ساتھ ہر مرتبہ چار پانچ چوٹی کے ادیب جج ہوتے ہیں، جنھیں مَیں قائل کر سکتا ہوں نہ مجبور۔قاسمی صاحب پر بھی جھوٹا الزام لگایا جا رہا ہے۔مَیں نے گزشتہ سال اخبارِ اردو میں وضاحت کی تھی کہ قاسمی صاحب ہرگز اُس کمیٹی کے رکن نہیں تھے، جس نے اُنھیں کمالِ فن ایوارڈ دیا تھا۔ یہ خط آپ کی نظر سے ضرور گزرا ہوگا[۶]۔اَوروں کا تو ذکر چھوڑیے، ڈاکٹر وزیر آغا تک مجھ سے ناراض ہیں کہ قاسمی صاحب کے بعد اُنھیں کمالِ فن ایوارڈ کیوں نہیں ملا اور یہ بات اُنھوں نے خود مجھ سے کہی۔چالیس برسوں کے تعلقات اُنھوں نے ختم کر لیے۔مزے کی بات یہ ہے کہ جس کمیٹی نے اُنھیں کمالِ فن نہیں دیا، اُسی کمیٹی نے اُن کی ایک کتاب پر ایک لاکھ روپے کا انعام دیا۔وہ اُنھوں نے وصول کر لیا۔مزہ تو جب تھا کہ وہ یہ انعام لینے سے انکار کر دیتے۔مَیں ہر سال اس لیے جج ہوتا ہوں کہ اکثر سینئر ادیب جج بننے سے انکار کر دیتے ہیں، اس بنا پر کہ اُن کا نام

۴۔ وارثِ علامہ سیف الدین اکرم زادہ تودہ ای (تاجکستان) کا منظوم سفرنامہ پاکستان ہے۔اردو ترجمے کے ساتھ ۲۰۰۲ء میں اقبال اکادمی سے شائع ہوا۔

۵۔ معاصر لاہور، اپریل تا دسمبر ۲۰۰۴ء۔جلد ۴، شمارہ ۲ تا ۴۔مدیر: عطاء الحق قاسمی (پ: یکم فروری ۱۹۴۳ء)

۶۔ اخبار اردو اسلام آباد، اکتوبر ۲۰۰۳ء

تو انعام کے لیے زیرِ غور آنا چاہیے۔

جی ہاں، الحمرا نظر سے گزرتا ہے [۷]۔ ڈاکٹر صدیق جاوید نے اسی رسالے میں م۔ز کا خط پڑھ کر اُس کے بارے میں پوری ایک کتاب لکھ دی ہے۔ کتاب کا مسودہ مَیں نے دیکھا ہے۔ مختصر سی رائے بھی مَیں نے لکھ دی ہے۔ یہ کتاب میری رائے کے ساتھ بہت جلد شائع ہو رہی ہے [۸]۔

والد صاحب کا روزنامچہ تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔ اِن شاء اللہ جلد ہی یہ پریس بھیج دیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ایک دو اَور منصوبوں پر بھی کام جاری ہے۔ دُعا فرمایئے کہ مَیں انھیں مکمل کر سکوں۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۴۔۱۲۔۲۰۰۴ء

....

۱۴۴

برادرِ عزیز و مکرم، سلام مسنون

دو تین روز قبل ایک خط لکھا تھا۔ اُمید ہے، ملا ہو گا۔ آج کی ڈاک سے رشید حسن خاں صاحب محترم کا خط ملا ہے، اس کا عکس آپ کے ملاحظے کے لیے ارسال ہے۔

اس کام کے سلسلے میں جلد فیصلہ ہو جانا چاہیے۔ سہیل عمر صاحب سے آپ فوراً بات کیجیے [۱]۔

۷۔ الحمرا مولانا حامد علی خاں (۱۴ر جنوری ۱۹۰۱ء۔۵ر اکتوبر ۱۹۹۵ء) نے جاری کیا تھا۔ ۱۹۹۵ء میں بند ہو گیا۔ جنوری ۲۰۰۱ء میں مولانا حامد علی خاں کے سوویں سال ولادت پر ان کے لائق فرزند جناب شاہد علی خاں (پ: ۲۵ر ستمبر ۱۹۴۱ء) نے اسے دوبارہ جاری کیا۔ شاہد صاحب کی عمر بنک کاری میں گزری ہے۔ ماہ نامہ الحمرا کو وہ کمال باقاعدگی اور پابندیِ وقت کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ پتا: ۱۴۴ جے 'المروت'، ماڈل ٹاؤن لاہور۔

۸۔ مذکورہ کتاب ڈاکٹر معین الرحمن: تحقیق کے چراغ تلے کے نام سے مثال پبلشرز، فیصل آباد نے شائع کی ہے (مئی ۲۰۰۵ء) اس پر خواجہ صاحب کی رائے انھی کے عکسِ تحریر میں شامل ہے۔ صدیق جاوید (پ: ۱۹۳۹ء) [سرکاری کاغذات میں ۱۹۳۶ء درج ہے، جو درست نہیں۔]

(۱۴۴)

۱۔ جیسا اوپر ذکر آ چکا ہے، ناظم اکادمی نے اسے منظور نہیں کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم یہ کام کمپیوٹر میں کر چکے ہیں۔ مَیں نے خواجہ صاحب کو اس امر کی اطلاع دے دی تھی کہ سہیل کہتے ہیں، اس طرح کا کام ہم کر چکے ہیں۔ رشید حسن خاں صاحب کو سہیل عمر صاحب کی طرف سے معذرت کا خط چلا گیا تھا۔

خط کی آخری سطر میں جس جن کا ذکر ہے، اُس سے مراد ڈاکٹر خلیق انجم ہیں، جو گنجینۂ معنی کا طلسم کی اشاعت میں سست رفتاری کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اُن سے مَیں نے یہ کام جلد انجام دینے کی گزارش کی ہے۔

رشید حسن خاں صاحب کے خط میں جو الفاظ سرخ روشنائی سے لکھے تھے، مَیں نے اُن کے نیچے سرخ لکیر کھینچ دی ہے۔

رات خاصی بارش ہوئی تھی۔ آج لاہور والی سردی پڑ رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قلم میں روشنائی بھی یخ بستہ ہو رہی ہے، لہٰذا باقی آیندہ۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۰۰۴ء کا آخری دن

....

تصریحات

☐ بہ سلسلہ خط ۶، حاشیہ ۱:

خواجہ عبدالرحمٰن طارق صاحب نے راقم کے استفسار پر، ۲۲ راپریل ۲۰۰۶ء کے خط میں، ان حادثات کے بارے میں حسب ذیل معلومات مہیا کیں:

ظفر صدیقی مرحوم، آمنہ بھابی (بیگم آمنہ مشفق) کے برادر بزرگ تھے۔ کئی برس وزارت تجارت میں اسسٹنٹ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ اُسی زمانے میں جناب جمیل الدین عالی صاحب بھی مذکورہ وزارت میں اسسٹنٹ ہی کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ یہیں دونوں کے درمیان دوستانہ تعلق قائم ہوا جو تا حیات استوار رہا۔ شنید ہے کہ مشفق بھائی کی شادی میں بھی عالی صاحب نے نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ (انھوں نے خود بھی اپنے ایک کالم میں اس بات کا ذکر کیا ہے۔) ملازمت سے سبک دوشی کے بعد ظفر مرحوم نے عمارت سازی کے میدان میں قدم رکھا اور کامیاب ہوئے۔ مرحوم نہایت مہذب، شائستہ اور خدا ترس انسان تھے۔ مَیں نے زندگی میں ایسے نفیس اور نستعلیق انسان کم ہی دیکھے ہیں۔ لکھنؤ کی پرانی ثقافت کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ طویل علالت کے بعد ۲۳ رمارچ ۱۹۸۷ء کو کراچی میں انتقال ہوا۔ پاپوش نگر کے قبرستان میں آسودۂ خاک ہیں۔

پروفیسر آصفہ صدیقی، آمنہ بھابی کی چھوٹی بہن تھیں۔ برس ہا برس سے بیمار تھیں۔ موصوفہ ایک باہمت، حوصلہ منداور پاکیزہ کردار خاتون تھیں۔ علالت کے باوجود ریٹائرمنٹ تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اپنے پیشے سے ان کی لگن اور حوصلہ مندی کے اعتراف کے طور پر متعلقہ کالج نے انھیں گولڈ میڈل سے نوازا۔

آمنہ بھابی کی والدہ مرحومہ ایک نیک اور پابند صوم وصلوٰۃ گھریلو خاتون تھیں۔ وہ ایک بہت اچھی ماں بھی تھیں۔

آمنہ بھابی نے نہانے کے لیے پانی گرم کیا۔ جب اُبلتے ہوئے پانی سے لبالب بھری ہوئی دیگچی اٹھائی تو ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اُبلتا ہوا پانی گرنے سے ٹانگ بُری طرح جھلس گئی اور وہ بہت دنوں تک صاحبِ فراش رہیں۔

☐ بہ سلسلہ خط ۶، حاشیہ ۲:

مشفق خواجہ کو اپنے والد اپنے عبدالوحید سے جو غیر معمولی تعلقِ خاطر تھا، اس کا اندازہ ذیل کے اقتباس سے ہوتا ہے۔ ان کی وفات پر محمد عالم مختارِ حق کو ۱۳ر جنوری ۱۹۸۰ء کے خط میں لکھتے ہیں:

وہ میرے والد ہی نہیں، زندگی کے ہر معاملے میں میرے راہنما تھے، اُن کے بغیر ہر طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے۔ میں جو بھی کام کرتا تھا، سب سے پہلے انھی کی خدمت میں پیش کرتا تھا، ان کی شفقت میری زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ تھی اور اب میں اس نعمت سے محروم ہو گیا ہوں۔ (مشفق نامے، ص ۵۲)

☐ بہ سلسلہ خط ۵۳، حاشیہ ۳:

سہ ماہی مفیض، گوجرانوالہ (دسمبر ۱۹۹۲ء) میں مطبوعہ اس مضمون میں عروجِ اقبال کے 'نقائص' کو، احمقانہ انداز و اسلوب میں بیان کیا گیا تھا۔ شازیہ اختر کے مطابق افتخار احمد صدیقی صاحب میں 'قوتِ فیصلہ کی کمی تھی'، وہ 'تن آسان' تھے اور 'موضوع کا حق ادا نہیں کر سکے'...... وغیرہ وغیرہ۔

❖❖❖

ضمیمہ

☆ مکاتیبِ مشفق خواجہ بنام:

☆ مکتوبِ رشید حسن خاں بنام:

۱

بنام: رجسٹرار، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

شمار 1967

۳۱ رجنوری ۱۹۶۸ء

محترمی، تسلیم

اس مکتوب کے ساتھ مبلغ ایک ہزار روپے کا چیک (نمبر ۱۸۲۹۶۷۔اے یونیشنل بنک) ارسال خدمت ہے۔ یہ مندرجہ ذیل دو طالب علموں کے لیے ہے:

۱۔ رفیع الدین ہاشمی صاحب، جنھوں نے ۱۹۶۶ء میں ایم اے اردو میں اوّل بدرجہ اوّل کامیابی حاصل کی تھی۔

۲۔ انور الدین سدید صاحب، جنھوں نے ۱۹۶۷ء میں ایم اے اردو میں اوّل بدرجہ اوّل کامیابی حاصل کی ہے۔

ازراہِ کرم ان دونوں طالب علموں کو پانچ پانچ سو روپے کی رقم یونی ورسٹی کے آیندہ جلسۂ تقسیم اسناد میں انجمن کی طرف سے پیش کر دی جائے۔ ان دونوں کو انجمن کی طرف سے 'تمغہ بابائے اردو' بھی پیش کیا جائے گا۔ رفیع الدین ہاشمی صاحب کے لیے تمغہ ۱۰ جنوری کو بھیجا جا چکا ہے، دوسرے طالب علم کے لیے تمغہ تیار ہو رہا ہے، جو اگلے ہفتے تک بھیج دیا جائے گا۔

ازراہِ کرم چیک کی رسید بھیج دیں۔

مخلص

مشفق خواجہ

مددگار معتمد

بخدمتِ گرامی

جناب رجسٹرار صاحب

پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

۲

بنام: مدیر شام و سحر

محترمی و مکرمی، آداب

گزشتہ چند مہینوں سے شام و سحر باقاعدگی سے مل رہا ہے، اس عنایت کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ اس مختصر اور سادہ سے رسالے میں ادب سے دلچسپی لینے والوں کے لیے بہت کچھ ہوتا ہے۔

ادبی رسالوں کی بڑی تعداد عموماً اعزازی طور پر تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ مَیں ذاتی طور پر یہ پسند کرتا ہوں کہ رسالے خرید کر پڑھوں، اس لیے دو سال کا زر سالانہ (بصورت چیک) ارسال کر رہا ہوں۔ جب یہ رقم ختم ہو جائے تو اگلا شمارہ بذریعہ وی پی بھجوا دیا جائے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

خیر اندیش
مشفق خواجہ
۱۷۔۱۰۔۸۸ء

۳

بنام: ڈاکٹر عارف نوشاہی

برادر عزیز و مکرم، سلام مسنون

آپ کا خط ملا، یاد فرمائی کے لیے ممنون ہوں۔ ڈاکٹر سلیم اختر صاحب سے یہ طے ہوا تھا کہ وہ غریب خانے پر تشریف لائیں گے۔ سو وہ آ گئے اور اُن کے ساتھ طویل نشست رہی۔ آپ سے ملاقات نہ ہونے کا افسوس ہے۔ شاید اس کی تلافی کی صورت نکل آئے۔ اس ماہ کے آخر میں لاہور جاؤں گا۔ ممکن ہے، اسلام آباد جانے کی گنجایش بھی نکل آئے۔

آپ نے جو مضامین رد کیے ہیں، اُن کے سلسلے میں گزارش ہے کہ مضامین کے انتخابات

میں کئی باتوں کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے۔ اعلیٰ علمی معیار تو بنیادی شرط ہے، لیکن لکھنے والے کا نام بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا کا مضمون اس لیے شامل ہونا چاہیے کہ وہ ہمارے ادب کا ایک اہم نام ہیں۔ دوسرے اُن کا مضمون ایک اہم ادبی و تنقیدی موضوع پر ہے۔ چونکہ ہم لوگ (مَیں، آپ اور دیگر......) بنیادی طور پر تحقیق کے آدمی ہیں، اس لیے ذرا تنقیدی مضامین پر نظر کم ٹھہرتی ہے۔ کتاب میں کسی مضمون کی شمولیت کا ایک معیار یہ بھی ہے کہ مضمون کے موضوع سے اُس شخصیت کا تعلق ہو، جس کی خدمت میں ارمغان پیش کیا جارہا ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی کی، نفسیات اور اس حوالے سے فلسفے سے وابستگی رہی ہے۔ وہ نفسیاتی دبستانِ تنقید سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس بنا پر قاضی قیصر الاسلام کا مضمون کتاب میں شامل ہونے کے لائق ہے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ اُن کی کتاب کا ایک باب ہے، مگر کتاب شائع نہیں ہوئی۔ دوسرے یہ مضمون اپنی جگہ مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ اگر مضمون کے آخر میں کتاب کا حوالہ ہے تو اسے حذف کردیجیے۔ کتاب میں کسی مضمون کی شمولیت کا ایک معیار یہ بھی ہے کہ ہم نے جن لوگوں کو مضمون لکھنے کی دعوت دی، یہ سوچ کر دی کہ وہ اس کتاب کے لیے مضمون لکھنے کے اہل ہیں۔ عبدالقوی، دیسوی اور ابوالکلام قاسمی سے فرمائش کر کے مضامین منگوائے گئے تھے۔ اب جب یہ مضامین ارمغان میں شامل نہ ہوں گے تو اُنھیں افسوس ہوگا۔ میری ان گزارشات پر غور فرمالیجیے۔

جو مضامین اس دوران میں چھپ چکے ہیں، اُن کے رد کیے جانے سے مجھے اتفاق ہے، لیکن ان کی اشاعت کا سبب ارمغان کا ایک طویل مدت تک معرضِ التوا میں رہنا ہے۔ اسی التوا کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ ہمارے تین مضمون نگار مفتی محمد رضا فرنگی محلی، شانتی رنجن بھٹاچاریہ اور ڈاکٹر سہیل بخاری چل بسے۔ خدا باقی مضمون نگاروں کو سلامت رکھے۔ مطبوعہ مضامین میں سے رشید حسن خاں اور علی جواد زیدی کے مضامین کے لیے مَیں سفارش کروں گا کہ ان دونوں کو ضرور شامل کیا جائے۔ یہ ادب کے بڑے نام ہیں اور ان سے مجموعے کی ادبی و علمی حیثیت میں اضافہ ہوگا۔

اس خط کے ساتھ میں مندرجہ ذیل تین مضامین بھیج رہا ہوں۔

۱۔ تفہیم غالب: شان الحق حقی

۲۔ شالامار: اکبر حیدری کاشمیری

۳۔ ممتاز حسن کے خطوط: شعلہ کے نام۔ مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین احمد

ڈاکٹر مختار الدین احمد کا مضمون کاغذ کی بوسیدگی کی وجہ سے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، اس

لیے کمپوزنگ کے لیے یہ مسودہ نہ دیجیے گا۔ اس کا فوٹو اسٹیٹ بنوا لیجیے۔

ڈاکٹر گوہر نوشاہی کو تقاضے کا خط لکھ رہا ہوں۔

اپنے وہ مضامین، جن کو آپ مجھ سے چھپانا چاہتے ہیں، مَیں اُنھیں ضرور دیکھنا چاہوں گا، اس لیے آپ بلا تامّل بھیج دیجیے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیراندیش

مشفق خواجہ

۱۷۔۱۰۔۹۶ء

بخدمتِ گرامی:

ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب

اسلام آباد

پس نوشت:

یہ امر ملحوظِ خاطر رہے کہ کتاب کے کچھ نسخے ہندوستانی کتب خانوں اور اہل علم کو بھی تحفۃً دینے ہوں گے نیز ایک ایک نسخہ اُن حضرات کو بھی دینا ہوگا جن کے نام مجلس مشاورت میں شامل ہیں۔ اخبارات ورسائل میں تبصروں کے لیے بھی چند نسخے درکار ہوں گے۔

۴

بنام: رشید حسن خاں

خان صاحب مکرم ومحترم، سلام مسنون

جولائی کے تیسرے ہفتے میں ایک ہی دن میں دو مرتبہ فون آیا، لیکن کٹ گیا۔ مَیں نے دونوں مرتبہ آپ کی آواز سُنی، مگر میری آواز آپ تک نہ پہنچی۔ افسوس کہ میرا فون ڈائریکٹ نہیں ہے، بکنگ کرانی پڑتی ہے اور پھر آٹھ آٹھ دس دس گھنٹے گھر میں قیدرہ کر انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اگر ڈائریکٹ ڈائلنگ کی سہولت حاصل ہوتی تو جنتِ نگاہ کے نہ سہی، فردوس گوش کے مزے تو اکثر

لوٹتا۔ خدا بھلا کرے جناب عبدالوہاب سلیم کا، وہ کبھی میری فرمایش پر اور کبھی ازخود آپ کو فون کرکے آپ کی خیریت سے مطلع فرما دیتے ہیں۔

کلاسیکی ادب کی فرہنگ ملتے ہی میں نے آپ کو خط لکھا تھا۔ افسوس کہ میرا یہ خط آپ کو نہیں ملا۔ اس عظیم کام یعنی کارنامے نے میری کتنی مشکلیں آسان کیں، یہ میں ہی جانتا ہوں۔ آج کل فرمانِ سلیمانی کی فرہنگ بنا رہا ہوں۔ اُس میں قدم قدم پر اس سے مدد ملی ہے۔ میں نے خط میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ حسبِ سابق اس کی کتابت عنایت فرمایئے، تاکہ پاکستانی ایڈیشن بھی فوراً شائع کیا جاسکے۔ گنجینۂ معنی کا طلسم کے لیے بھی یہی درخواست ہے۔ آپ کی ہمت کی داد اس طرح دیتا ہوں کہ آپ کی صحت و سلامتی کے لیے دعا کرتا رہتا ہوں۔

کلیاتِ جعفر زٹلی کو دیکھنے کا جتنا انتظار مجھے ہے، کسی دوسرے کو نہ ہوگا۔ ایک چوتھائی مسودے کی صورت میں دیکھ چکا ہوں۔ باقی تین چوتھائی کو آپ مجھ سے کیوں چھپانا چاہتے ہیں۔ جعفر کی بری باتوں کو آپ کے توسط سے سنوں گا تو میرا نامۂ اعمال خراب ہوگا، نہ آپ گناہ گار ہوں گے۔ آپ اسے لسانی و ادبی خدمت کے طور پر مرتب کر رہے ہیں اور میں عبرت کے لیے پڑھوں گا کہ اب اس عمر میں عبرت حاصل کرنے ہی کے لائق رہ گیا۔ ترغیب و تشویش کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ میں نے تو عبدالوہاب سلیم صاحب سے کہا ہے کہ اس کے کم از کم پچاس نسخے میرے لیے حاصل کر کے بھیجیں، تاکہ اُن سب لوگوں کے لیے عبرت کا سامان مہیا کرسکوں، جنھوں نے جعفر کا غلط متن پڑھ کر اپنا اخلاق اور کردار خراب کیا ہے۔

ہاں جناب، کلیاتِ یگانہ کی رسید آپ نے نہیں بھیجی۔ یہ کتاب آپ کو بھیجتے ہوئے مجھے خوف آ رہا تھا، لیکن پھر خیال آیا کہ غلطیوں کی نشان دہی تو آپ ہی کریں گے؛ اور کون ہے، جو میری رہنمائی کرسکتا ہے۔ اور یہ کام بھی تو آپ کی عنایات کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا تھا۔

دہلی کے ایک بدبخت ناشر ایجوکیشنل نے کلیاتِ یگانہ شائع کیا ہے۔ اس میں میرے حواشی حذف کر دیے ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ دیباچے میں حواشی کے جتنے حوالے موجود ہیں، وہ رہنے دیے ہیں۔

مولانا ابوسلمان شاہ جہان پوری صاحب خیریت سے ہیں۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اُنھوں نے دو کام بہت اچھے کیے ہیں۔ ایک تو نیا مکان بنایا ہے، جو خاصا کشادہ ہے

اور پوری ایک منزل لائبریری کے لیے وقف کی ہے۔ دوسرا کام یہ کہ انھو
سعادت حاصل کر لی ہے، مگر بیٹے کی طرف سے دُکھی ہیں کہ وہ نافرمان
ملاقات کم ہوتی ہے۔ اُن کا مکان میرے مکان سے بہت فاصلے پر ہے اور پھر را
مخدوش، اس لیے میرے لیے اس راستے پر گاڑی چلانا ناممکن ہے۔ نئے مکان میں ایک ہی مرتبہ
گیا ہوں، مکان کی مبارک باد دینے۔ حج کی مبارک باد فون پر ہی دے دی تھی اور کہا تھا: 'مولانا،
اب گناہ سے بالکل دامن چھڑا لیجیے۔ کہنے لگے: 'وہ کس طرح؟' مَیں نے کہا: 'مولانا ابوالکلام پر
کتابیں لکھنا چھوڑ دیجیے'۔

اس خط کے ساتھ معربات رشیدی بھیج رہا ہوں اور داد کا طالب ہوں۔ دیکھیے، منتشر
کاغذات سے کیسی خوبصورت کتاب وجود میں آئی ہے۔ مظہر محمود شیرانی نے تدوینِ نو کا حق ادا
کر دیا ہے۔ اب میری خواہش ہے کہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے مضامین بھی شائع کر دیے
جائیں۔ مطبوعہ نسخہ (جلد اوّل) تو میرے پاس ہے۔ جلد دوم کسی طرح سے مکتبہ جامعہ والوں سے
حاصل کر کے بھیج دیجیے۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے خطوط کا مجموعہ چھاپنا ضروری ہے۔ اس
سلسلے میں آپ کی رہنمائی کا طالب ہوں۔

ڈاکٹر صدیقی کے پوتے سہیل صدیقی ہندوستان سے اپنے دادا کے کاغذات لائے تھے۔
معربات سے متعلق کچھ چیزیں اُن سے ملی ہیں۔ مَیں نے اُن سے کہا ہے کہ اُن کے پاس جو کچھ
ہے، وہ مجھے دکھائیں۔ شاید چھاپنے کے لائق چیزیں نکل آئیں۔

اوپر مَیں نے فرمان سلیمانی کا ذکر کیا ہے، معلوم نہیں اس کے بارے میں نے آپ کو
کبھی کچھ لکھا یا نہیں۔ یہ کام کئی سال پہلے مکمل کر کے ایک طرف ڈال دیا تھا۔ (ایسے اور بھی کئی کام
ہیں)۔ اب سوچ رہا ہوں کہ اسے شائع کر دوں، لہٰذا آج کل اس پر نظرِ ثانی کر رہا ہوں۔ یہ واجد
علی شاہ کے چھوٹے بھائی مرزا سلیمان قدر کا روزنامچہ ہے، جسے امانت لکھنوی کے بیٹے لطافت نے
لکھا ہے۔ لطافت اُن کے مصاحب تھے۔ روزنامچہ روز کے روز لکھا جاتا تھا اور میرے پیشِ نظر
اس کا اصل مسوّدہ ہے۔ یہ ۸۰ دنوں کا روزنامچہ ہے، بہت دلچسپ اور معلوماتی۔ اس کے بارے
میں ایک تعارفی مضمون نذرِ حمید میں شامل ہے۔ اسی کو ردّ و بدل کے بعد مقدمہ بنا دیا ہے۔
اس کے بعد شاہ قدرت کے دونوں دیوان مرتب کروں گا۔ اس سلسلے میں بھی کام تقریباً مکمل ہے۔
آپ کی صحت کا حال سنتا ہوں اور پھر آپ کے کاموں پر نظر ڈالتا ہوں تو خدا کا شکر ادا کرتا

ہوں کہ آپ اُن لوگوں سے کہیں زیادہ اور بہتر، بلکہ لاثانی کام کر رہے ہیں، جن کی صحت قابلِ رشک ہے۔ میرا حال بھی کچھ اچھا نہیں ہے۔ ۶۰ برس کی عمر تک تو کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی، یہاں تک کہ ذیابیطس بھی میرا کچھ نہ بگاڑ سکی، مگر ۶۱ سال میں قدم رکھتے ہی جسمانی عوارض دامن کش ہونے لگے۔

نوبت بایں جا رسید کہ گزشتہ برس گردوں کی کارکردگی متاثر ہوئی۔ ذیابیطس کی دواؤں نے گردوں کو خراب کیا۔ اب یہ صرف ۳۰ فی صد کام کر رہے ہیں۔ دوائیں چھوڑ کر انسولین شروع کی ہے۔ امید ہے کہ اس کے مثبت اثرات ہوں گے۔ فی الحال تو یہ عالم ہے کہ دو قدم چلتا ہوں تو تھک جاتا ہوں۔ بیماری کا ایک دلچسپ نتیجہ یہ ہے کہ ۶۸ برس کا ہوں، لیکن ۱۶۸ برس کا نظر آتا ہوں۔ میز پر بیٹھ کر البتہ کمزوری کا احساس نہیں ہوتا۔ روزانہ دس بارہ گھنٹے لکھنے پڑھنے کا کام کرتا ہوں۔ بس بیماری کا یہی پہلو اطمینان بخش ہے کہ اس نے میرا حوصلہ نہیں چھینا۔ آمنہ آپ کو سلام لکھوا رہی ہیں اور ہمیشہ آپ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھتی ہیں۔

ادارۂ یادگارِ غالب سے ہم لوگوں نے خاصی کتابیں چھاپی ہیں۔ فہرست بھیج رہا ہوں۔ آپ کی دلچسپی کی جو کتابیں ہوں، وہ بھجوائی جا سکتی ہیں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ
۸۔۸۔۰۳ء

بخدمتِ گرامی
محترم رشید حسن خاں صاحب
شاہ جہانپور

۵

بنام: ڈاکٹر فصیح احمد صدیقی

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

ابھی تو یادوں کی مہک کی پہلی جلد سے ہی کمرہ مہک رہا تھا کہ دوسری جلد بھی موصول ہو گئی۔ اسے پڑھا تو دل و دماغ بھی مہکنے لگے۔ آپ کے مضامین، آپ کے بارے میں تحریریں

اور پوری ایک منزل لائبریری کے لیے وقف کی ہے۔ دوسرا کام یہ کہ انھوں نے اس سال حج کی سعادت حاصل کر لی ہے، مگر بیٹے کی طرف سے دُکھی ہیں کہ وہ نافرمان نکلا۔ اب مولانا سے ملاقات کم ہوتی ہے۔ اُن کا مکان میرے مکان سے بہت فاصلے پر ہے اور پھر راستہ بھی بے حد مخدوش، اس لیے میرے لیے اس راستے پر گاڑی چلانا ناممکن ہے۔ نئے مکان میں ایک ہی مرتبہ گیا ہوں، مکان کی مبارک باد دینے۔ حج کی مبارک باد فون پر ہی دے دی تھی اور کہا تھا: 'مولانا، اب گناہ سے بالکل دامن چھڑا لیجیے۔ کہنے لگے: 'وہ کس طرح؟' مَیں نے کہا: 'مولانا ابوالکلام پر کتابیں لکھنا چھوڑ دیجیے'۔

اس خط کے ساتھ معربات رشیدی بھیج رہا ہوں اور داد کا طالب ہوں۔ دیکھیے، منتشر کاغذات سے کیسی خوبصورت کتاب وجود میں آئی ہے۔ مظہر محمود شیرانی نے تدوینِ نو کا حق ادا کر دیا ہے۔ اب میری خواہش ہے کہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے مضامین بھی شائع کر دیے جائیں۔ مطبوعہ نسخہ (جلد اوّل) تو میرے پاس ہے۔ جلد دوم کسی طرح سے مکتبۂ جامعہ والوں سے حاصل کر کے بھیج دیجیے۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے خطوط کا مجموعہ چھاپنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں آپ کی رہنمائی کا طالب ہوں۔

ڈاکٹر صدیقی کے پوتے سہیل صدیقی ہندوستان سے اپنے دادا کے کاغذات لائے تھے۔ معربات سے متعلق کچھ چیزیں اُن سے ملی ہیں۔ مَیں نے اُن سے کہا ہے کہ اُن کے پاس جو کچھ ہے، وہ مجھے دکھائیں۔ شاید چھاپنے کے لائق چیزیں نکل آئیں۔

اوپر مَیں نے فرمان سلیمانی کا ذکر کیا ہے، معلوم نہیں اس کے بارے مَیں نے آپ کو کبھی کچھ لکھا یا نہیں۔ یہ کام کئی سال پہلے مکمل کر کے ایک طرف ڈال دیا تھا۔ (ایسے اور بھی کئی کام ہیں)۔ اب سوچ رہا ہوں کہ اسے شائع کر دوں، لہٰذا آج کل اس پر نظر ثانی کر رہا ہوں۔ یہ واجد علی شاہ کے چھوٹے بھائی مرزا سلیمان قدر کا روزنامچہ ہے، جسے امانت لکھنوی کے بیٹے لطافت نے لکھا ہے۔ لطافت اُن کے مصاحب تھے۔ روزنامچہ روز کے روز لکھا جاتا تھا اور میرے پیشِ نظر اس کا اصل مسوّدہ ہے۔ یہ ۸۰ دنوں کا روزنامچہ ہے، بہت دلچسپ اور معلوماتی۔ اس کے بارے میں ایک تعارفی مضمون نذرِ حمید میں شامل ہے۔ اسی کو رد و بدل کے بعد مقدمہ بنا دیا ہے۔ اس کے بعد شاہ قدرت کے دونوں دیوان مرتب کروں گا۔ اس سلسلے میں بھی کام تقریباً مکمل ہے۔

آپ کی صحت کا حال سنتا ہوں اور پھر آپ کے کاموں پر نظر ڈالتا ہوں تو خدا کا شکر ادا کرتا

ہوں کہ آپ اُن لوگوں سے کہیں زیادہ اور بہتر، بلکہ لاثانی کام کر رہے ہیں، جن کی صحت قابلِ رشک ہے۔ میرا حال بھی کچھ اچھا نہیں ہے۔ ۶۰ برس کی عمر تک تو کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی، یہاں تک کہ ذیابیطس بھی میرا کچھ نہ بگاڑ سکی، مگر ۶۱ سال میں قدم رکھتے ہی جسمانی عوارض دامن کش ہونے لگے۔

نوبت بایں جا رسید کہ گزشتہ برس گردوں کی کارکردگی متاثر ہوئی۔ ذیابیطس کی دواؤں نے گردوں کو خراب کیا۔ اب یہ صرف ۳۰ فی صد کام کر رہے ہیں۔ دوائیں چھوڑ کر انسولین شروع کی ہے۔ امید ہے کہ اس کے مثبت اثرات ہوں گے۔ فی الحال تو یہ عالم ہے کہ دو قدم چلتا ہوں تو تھک جاتا ہوں۔ بیماری کا ایک دلچسپ نتیجہ یہ ہے کہ ۶۸ برس کا ہوں، لیکن ۱۶۸ برس کا نظر آتا ہوں۔ میز پر بیٹھ کر البتہ کمزوری کا احساس نہیں ہوتا۔ روزانہ دس بارہ گھنٹے لکھنے پڑھنے کا کام کرتا ہوں۔ بس بیماری کا یہی پہلو اطمینان بخش ہے کہ اس نے میرا حوصلہ نہیں چھینا۔ آمنہ آپ کو سلام لکھوا رہی ہیں اور ہمیشہ آپ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھتی ہیں۔

ادارۂ یادگارِ غالب سے ہم لوگوں نے خاصی کتابیں چھاپی ہیں۔ فہرست بھیج رہا ہوں۔ آپ کی دلچسپی کی جو کتابیں ہوں، وہ بھجوائی جا سکتی ہیں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ
۸۔۸۔۰۳ء

بخدمتِ گرامی
محترم رشید حسن خاں صاحب
شاہ جہانپور

۵

بنام: ڈاکٹر فصیح احمد صدیقی

محترمی و مکرمی، سلام مسنون

ابھی تو یادوں کی مہک کی پہلی جلد سے ہی کمرہ مہک رہا تھا کہ دوسری جلد بھی موصول ہو گئی۔ اسے پڑھا تو دل و دماغ بھی مہکنے لگے۔ آپ کے مضامین، آپ کے بارے میں تحریریں

اور بہت سے خطوط، ان سب نے مل کر کتاب کو سہ آتشہ بنا دیا ہے۔ بات رشید صاحب کے تذکرے سے شروع ہوئی تھی۔ اس ایک چراغ سے کتنے ہی چراغ جل اُٹھے۔ گویا، آپ نے کتاب نہیں لکھی، چراغاں کر دیا ہے۔ محترم مختار مسعود کا اس میں ذکر کئی جگہ ہے۔ حُسن اتفاق کہ جن دنوں آپ کی کتاب موصول ہوئی، اُنھیں دنوں مختار مسعود صاحب کراچی تشریف لائے (جولائی کا آخری ہفتہ تھا)۔

مشتاق احمد یوسفی صاحب نے اُن کے کچھ مداحوں کو اپنے گھر پر جمع کیا۔ وہاں مختار مسعود صاحب سے دیر تک آپ کا ذکر خیر رہا۔ گویا اس طرح آپ بھی شریک محفل رہے۔

مجھے معلوم نہیں، آپ علی گڑھ میں ہیں یا امریکہ میں۔ مَیں تو یہ خط حکیم سید ظل الرحمٰن صاحب کے حوالے کر رہا ہوں۔ حکیم صاحب کا کرم ہے کہ وہ یہ خط آپ تک پہنچا دیں گے۔

آخر میں اس کی معذرت کہ کتاب کی رسید اتنی تاخیر سے بھیج رہا ہوں۔ باعثِ تاخیر وہ عوارض ہیں، جن سے اس عمر میں واسطہ پڑتا رہتا ہے۔

خدا کرے، آپ خیریت سے ہوں۔

خیر اندیش
مشفق خواجہ
۲۳-۱۰-۲۰۰۴ء

بخدمت گرامی
محترم فصیح احمد صدیقی صاحب
علی گڑھ

۶

مکتوب رشید حسن خاں بنام: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

شاہ جہاں پور
۳۱ر اکتوبر ۲۰۰۴ء

محبّ گرامی!

۲۷ر ستمبر کا خط ملا تھا، آپ کی بیماری کا احوال پڑھ کر جی بہت کڑھا، پھر یہ پڑھ کر کچھ تسکین

ہوئی کہ اب آپ پہلے سے بہتر ہیں۔ توقع کرتا ہوں کہ اب تک پوری طرح صحت یاب ہو چکے ہوں گے۔

میرا احوال وہی ہے کہ جو تھا۔ بہ ہر طور قلم تو چلتا ہی رہتا ہے، یوں بیماری کا احساس کم ہو جاتا ہے۔ غالب والے کام کا حال آپ نے پوچھا ہے؛ وہ کام مکمل ہو گیا ہے۔ اب نظر ثانی کا کام ہو رہا ہے۔ غالباً دو ماہ میں یہ بھی تکمیل کو پہنچے گا۔ لفظیاتِ اقبال کا کام میں خود بھی کرنا چاہتا تھا [یوں بھی کہ کوئی دوسرا شاید ہی ایسے "غیر ضروری" کام کرنے پر آمادہ ہو سکے]۔

اب آپ کی فرمایش نے اسے واجب کا درجہ بخش دیا۔ اس کام کو ضرور کروں گا؛ مگر اس باب میں پہلے چند باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔

اردو میں اب تک اس سلسلے کا کوئی کام ہوا ہی نہیں، یوں کوئی نمونہ موجود نہیں، جس کو بہ طور سر مشق سامنے رکھا جا سکے۔ اس لحاظ سے طریقِ کار کا تعین ضروری ہے۔ غالب کی لفظیات کا رُخ دوسرا تھا، معنی آفرینی کے نقطۂ نظر سے، اقبال کے یہاں وہ بات اُس طرح نہیں پائی جاتی، یوں کہ اقبال اصلاً نظم کے شاعر ہیں اور غالب غزل گو ہیں۔ یوں طریقِ کار کا معاملہ اہمیت رکھتا ہے۔

مَیں نے 'گنجینۂ معنی کا طلسم' کی رعایت سے الفاظ کو مفرد اور مرکب کی مناسبت سے سامنے رکھا تھا اور ہر لفظ سے متعلق شعر کو الفاظ کے سامنے لکھا تھا، تاکہ بہ یک نظر لفظ کے طریقِ استعمال اور اُس کی معنویت کی آئینہ داری ہو جائے۔ اصل دیوان کی ورق گردانی نہ کرنا پڑے اور یہ بھی سامنے آ جائے کہ وہ کون سے الفاظ ہیں، جو بار بار آئے ہیں اور کن کن معنوی رعایتوں کے ساتھ آئے ہیں۔ حاشیے میں ہر لفظ کی تعداد اور مرکب و مفرد کی وضاحت بھی کی تھی کہ فلاں لفظ اتنی بار آیا ہے؛ مفرد اتنی بار اور مرکب اتنی بار ___ اقبال کے سلسلے میں کیا طریقۂ کار اختیار کیا جائے؟ مَیں اسی لفافے میں غالب سے متعلق ایک صفحہ رکھے دے رہا ہوں (یہ تلخیص ہے)، اس سے آپ اچھی طرح اندازہ کر سکیں گے۔ مَیں نے الفاظ کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے: (۱) مفرد...... (۲) مرکب، جن میں متعلقہ لفظ درمیانِ ترکیب میں یا آخر میں آیا ہو۔ (۳) وہ مرکبات، جن میں متعلقہ لفظ شروع میں آیا ہے، مثلاً: ایک لفظ ہے: آتش۔ (۱) 'آتش' مفرد...... (۲) رنگِ کاغذِ آتش زدہ۔ یہ دوسرے حصے میں آئے گا۔ (۳) آتشِ رنگِ رُخِ ہر گل ...... یہ تیسرے حصے میں آئے گا۔ یوں کہ ایک حصے میں ان کو درج نہیں کیا جا سکتا۔

اس لحاظ سے مثلاً اسی مصرعے کو دیکھیے: اے ہمالہ! اے فصیلِ کشورِ ہندوستاں!۔

اس کے اندراجات چار جگہ ہوں گے: ہ، ف، ک، ہ کے تحت۔ اسی طرح:

ہمالہ☆	اے ہمالہ! اے فصیلِ کشورِ ہندوستاں!	
فصیلِ کشورِ ہندوستاں	اے ہمالہ! اے فصیلِ کشورِ ہندوستاں!	
کشورِ ہندوستاں	فصیلِ کشورِ ہندوستاں!	
ہندوستاں	فصیلِ کشورِ ہندوستاں!	

سرخ روشنائی سے لکھے ہوئے جملہ الفاظ جلی کمپوز ہوں گے، باقی سب خفی۔ اس طرح شمار میں صرف جلی الفاظ آئیں گے اور معنویت کے لحاظ سے ساری ترکیبی صورتیں بہ یک وقت قاری کی نظر کے سامنے آجائیں گی اور مفردات بھی۔ یعنی شمارِ الفاظ کے ساتھ کلامِ اقبال میں الفاظ کی معنویت کے پہلو بھی نمایاں رہیں گے۔ صرف شمارِ الفاظ نہیں، شمارِ الفاظ مع اظہارِ معنویت۔ اسی طرح ہر لفظ کے تحت حاشیے میں دو وضاحتیں مرقوم ہوں گی: (۱) یہ لفظ کُل کتنی بار آیا ہے۔ (۲) مفرد طور پر کتنی بار اور مرکب صورت میں کتنی بار آیا ہے۔ جہاں مکمل مصرع یا شعر لکھا جائے [جیسے پہلے دو اندراجات کے تحت] تو اُس کے آخر میں اُس مجموعے کا صفحہ نمبر لکھا جائے گا، جس سے وہ ماخوذ ہوگا۔

اگر اس طریقِ کار سے مختلف کوئی طریقۂ کار اختیار کیا جانا چاہیے تو اس کی وضاحت ہونا چاہیے اور ظاہر ہے کہ یہ وضاحت آپ کریں گے یا پھر ناشر صاحبان۔

ان سب سے پہلے اُس مجموعے کا تعین کرنا ہوگا (اور یہ آپ کریں گے)، جس سے الفاظ ماخوذ ہوں گے اور جس کے صفحات کا حوالہ دیا جائے گا...... یہ بھی لازم ہوگا کہ اُس مجموعے کی جملہ اغلاط کی تصحیح آپ کے قلم سے ہو چکی ہو، تاکہ اعتماد کے ساتھ حوالہ دیا جا سکے۔ یہ کام یعنی تصحیح، نہ مَیں کر سکتا ہوں نہ کوئی اَور۔ اس کا ذمہ آپ کو لینا ہوگا۔

یہ کتاب وہیں چھپی گی، اُس ادارے کے تحت، جس کی فرمایش پر یہ کام کیا جائے گا، یوں یہ بھی لازم ہوگا کہ کمپوزنگ کا کام وہیں ہو اور کاپیوں کی تصحیح بھی۔ تصحیح کا کام بھی آپ ہی کریں گے۔ کسی اَور کے ذِمے اس کام کو نہیں کیا جا سکتا۔ آخری کاپی بس ایک نظر مَیں دیکھنا چاہوں گا۔

☆ان الفاظ وتراکیب کو خاں صاحب نے اپنے خط میں سُرخ روشنائی سے لکھا ہے اور انھیں جلی لکھنے کی ہدایت کی ہے، مگر ہم یہاں انھیں زیادہ واضح کرنے کے لیے خطِ نسخ میں لکھ رہے ہیں۔

مقدمے میں یہ ساری تفصیلات لکھی جائیں گی۔اب اگر پکڑے جائیں گے تو ہم دونوں ایک ساتھ پکڑے جائیں گے، واہ واہ! سبحان اللہ!

ہاں، صرف اسما شمار میں آئیں گے۔افعال اور حروف (متعلقاتِ فعل) شمار میں شامل نہیں ہوں گے، مثلاً اوپر اقبال کا جو مصرع لکھا گیا ہے، وہ شعر کا پہلا مصرع ہے۔دوسرا مصرع یہ ہے: چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں۔اس کے صرف دو لفظ شمار میں آئیں گے: پیشانی...... آسماں۔دونوں لفظوں کے ساتھ مکمل مصرع درج کیا جائے گا، اس طرح:

پیشانی ☆	چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں	ص
آسماں ☆	چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں	ص

یہ اضافہ کیا جا سکتا ہے (اگر ضروری خیال کیا جائے) کہ ہر مصرعے کے ساتھ صفحہ نمبر کے بعد یہ حوالہ بھی دیا جائے کہ یہ کس نظم کا مصرع ہے۔

غالب کے اشاریے میں مَیں نے ہر جگہ مکمل شعر درج کیا تھا، مگر اقبال کے اشاریے میں میرا خیال ہے کہ صرف ایک مصرع کافی ہوگا۔اب ضرورت سے زیادہ خامہ فرسائی ہو چکی، اسے ختم کرتا ہوں۔اب آپ وہاں مشورہ کر کے مجھے مطلع فرمایئے۔اگر اس کام کو ہونا ہے تو پھر تصحیح شدہ نسخہ آپ جب بھیج دیں گے، آپ کی صواب دید کے مطابق کام شروع کر دیا جائے گا۔کارڈ منگاؤں گا بازار سے، سنا ہے خاصے گراں ہو گئے ہیں۔زیادہ گراں ہوئے تو سادہ کاغذ منگا کر گھر پر اسی سائز کے ٹکڑے بنا لیے جائیں گے۔فالتو پیسے کیوں خرچ ہوں۔یہ احتیاط بھی ہے اور ضرورت بھی، جو خاص مواقع پر مجبُوری کے معنی میں آتا ہے۔

اب کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلے کے؟ بیّنوا وَ توجروا۔

آپ کے خط کی راہ دیکھوں گا۔

رشید حسن خاں

پس نوشت:

۱۵/اکتوبر کا خط مل گیا، تبصرہ بھی، شکر گزار ہوں......میرے اس خط کا جواب ضرور لکھیے گا۔

☆ یہ دونوں لفظ سُرخ روشنائی سے لکھے جائیں گے۔

(تلخیص)

آئینہ	۱	توڑے ہے عجزِ تنک حوصلہ بر روے زمیں	سجدہ تمثال وہ آئینہ، کہیں جس کو جبیں	ص ۷
	۲	خود پرستی سے، رہے باہِدگر نا آشنا	بیکسی میری شریک، آئینہ تیرا آشنا	ص ۱۹
	۳	ہر چند مَیں طوطیِ شیریں سخن، ولے	آئینہ آہ! میرے مقابل نہیں رہا	ص ۲۱
	۴	آئینہ داغ حیرت شکنجِ یاس	سیماب بے قرار و اسد بے قرار تر	ص ۴۱
	۵	نہاں ہے گوہرِ مقصود جیب خود شناسی میں	کہ یھاں غواص ہے تمثال اور آئینہ دریا ہے	ص ۸۴
	۶	لبِ نگار میں، آئینہ، دیکھ آبِ حیات	بہ گوہرِ سکندر ہے محوِ حیرانی	ص ۹۶
	۷	کس کا سراغ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا!	آئینہ فرشِ شش جہتِ انتظار ہے	ص ۲۱۷
	۸	تمثال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بہ صد ذوق	آئینہ بہ اندازِ گل آغوش کشا ہے	ص ۲۱۹

دیکھیے ______ (۹) آبِ چشمۂ آئینہ۔ (۱۰) پشت و رُخِ آئینہ۔

(۱۱) چمن چمن گلِ آئینہ۔ (۱۲) حبابِ چشمۂ آئینہ۔ (۱۳) حیرتِ آئینہ۔

(۱۴) دامِ جوہرِ آئینہ۔ (۱۵) کشورِ آئینہ۔ (۱۶) ہوسِ گستاخیِ آئینہ۔

آئینہ بندِ خلوت و محفل	ہم زانوے تامل و ہم جلوہ گاہِ گل	آئینہ بندِ خلوت و محفل ہے آئنہ	ص ۶۹
آئینہ دار آہِ بے تاثیر	دلِ آگاہ تسکیں خیز بیدردی نہ ہو یا رب	نفس آئینہ دارِ آہ و تاثیر بہتر ہے	ص ۱۰۸
آئینہ داری	تماشا کہ اے محوِ آئینہ داری	تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں	۱۷۹
آئینۂ اخلاقِ بہار	لالہ و گل بہم، آئینۂ اخلاقِ بہار	ہوں مَیں وہ داغ کہ پھولوں میں بسایا ہے مجھے	ص ۱۰۸
آئینۂ تصویر نما	معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ	تیغِ ستم آئینۂ تصویر نما ہے	ص ۲۱۹
آئینۂ تکرارِ تمنا	دیر و حرم آئینۂ تکرارِ تمنا	واماندگیِ شوق تراشے ہے پناہیں	ص ۵۹

۱۔ آئینہ...... : بائیس بار

[مفرد: آٹھ بار...... مرکب: چودہ بار]۔

☆ خطِ نسخ میں کتابت شدہ الفاظ و تراکیب اصل مخط میں سُرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔

اشاریہ

مرتب

ڈاکٹر خالد ندیم

- یہ اشاریہ صفحہ ۱۴ سے صفحہ ۲۹۲ کو محیط ہے۔
- اشاریے میں رجال، اماکن، کتب، رسائل، اخبارات اور علمی و ادبی اور اشاعتی اداروں کے حوالے شامل کیے گئے ہیں۔
- مکتوب نویس (مشفق خواجہ) اور مکتوب الیہ (رفیع الدین ہاشمی) کے اسما؛ مکاتیب کے متن اور حواشی میں تقریباً ہر صفحے پر آ رہے ہیں، اس لیے ان اسما کے حوالے اشاریے میں شامل نہیں کیے گئے۔
- خطوطِ مشفق خواجہ کے عکوس والے صفحوں کے حوالے اشاریے میں شامل نہیں کیے جا رہے، البتہ مکاتیبِ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے عکوس کے حوالے شاملِ اشاریہ ہیں۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀

مولف کی دیگر تصانیف و تالیفات

۱۔اقبال کی طویل نظمیں	لاہور۔۱۹۷۴ء۔لاہور۔۱۹۸۱ء۔ ۱۹۸۵ء۔۱۹۹۳ء۔۱۹۹۸ء۔۲۰۰۴ء
۲۔شرح مرقع ادب	لاہور۔۱۹۷۴ء
۳۔کتب اقبالیات (مختصر بلوگرافی)	لاہور۔۱۹۷۵ء
۴۔سروراور فسانہ عجائب (تحقیق وتنقید)	لاہور۔۱۹۷۵ء۔۱۹۷۹ء۔۱۹۸۳ء۔۱۹۹۱ء
۵۔اصنافِ ادب (تاریخ ادب اردو)	لاہور۔۱۹۷۶ء۔۱۹۷۹ء۔۱۹۸۳ء۔ ۱۹۹۱ء۔۔۲۰۰۷ء
۶۔خطوط اقبال (تدوین،حواشی وتعلیقات)	لاہور۔۱۹۷۶ء۔دہلی۔۱۹۷۷ء
۷۔اقبال بحیثیت شاعر (انتخاب وترتیب)	لاہور۔۱۹۷۷ء۔:۲۰۰۷ء۔ علی گڑھ۔۱۹۸۲ء۔۱۹۹۶ء۔
۸۔کتابیاتِ اقبال (مفصل بلوگرافی)	لاہور۔۱۹۷۷ء۔
۹۔تصانیفِ اقبال کا تحقیقی وتوضیحی مطالعہ (تحقیق)	لاہور۔۱۹۸۲ء،۲۰۰۱ء
۱۰۔خطوطِ مودودی 'اول (شریک مولف)	لاہور۔۱۹۸۳ء
۱۱۔۱۹۸۵ء کا اقبالیاتی ادب (جائزہ اقبالیات)	لاہور۔۱۹۸۶ء
۱۲۔۱۹۸۶ء کا اقبالیاتی ادب (جائزہ اقبالیات)	لاہور۔۱۹۸۸ء
۱۳۔اقبال شناسی اور جرنل ریسرچ (انتخاب وترتیب)	لاہور۔۱۹۸۹ء
۱۴۔اقبال شناسی اور محور (انتخاب وترتیب)	لاہور۔۱۹۸۹ء
۱۵۔اقبالیاتی جائزے (تحقیقی وتنقیدی مضامین)	لاہور۔۱۹۹۰ء
۱۶۔علامہ اقبال (منتخب کتابیات)	لاہور۔۱۹۹۳ء
۱۷۔اقبالیاتی ادب کے تین سال (۱۹۸۷ء تا۱۹۹۹ء)	لاہور۔۱۹۹۲ء
۱۸۔علامہ اقبال اور میر حجاز	لاہور۔۱۹۹۴ء

۱۹۔ اقبال: بچوں اور نوجوانوں کے لیے (شریک مصنف) اسلام آباد۔۱۹۹۴ء

۲۰۔ خطوطِ مودودی 'دوم (شریک مؤلف) لاہور۔۱۹۹۵ء

۲۱۔ تفہیم اردو (شریک مصنف) لاہور۔۱۹۹۵ء

۲۲۔ تحقیقِ اقبالیات کے مآخذ لاہور۔۱۹۹۶ء

۲۳۔ اورینٹل کالج کے موجودہ اساتذہ: کوائف اور علمی خدمات لاہور۔۱۹۹۷ء

۲۴۔ ارمغانِ علمی (شریک مولف) لاہور۔۱۹۹۸ء

۲۵۔ خطباتِ رسول ﷺ (مرتب) لاہور۔۱۹۹۹ء۔۲۰۰۳ء

۲۶۔ تصانیفِ مودودی (ایک اشاعتی اور کتابیاتی مطالعہ) لاہور۔۱۹۹۹ء

۲۷۔ مضامینِ فرحت اللہ بیگ (انتخاب وتدوین) لاہور۔۱۹۹۹ء

۲۸۔ تفہیم وتجزیہ (تنقید وتحقیق) لاہور۔۱۹۹۹ء

۲۹۔ پوشیدہ تری خاک میں...... (سفر نامہ اندلس) لاہور۔۲۰۰۲ء

۳۰۔ ارمغانِ شیرانی (بہ اشتراک) لاہور۔۲۰۰۲ء

۳۱۔ اقبالیات کے سو سال (بہ اشتراک) لاہور۔۲۰۰۲ء۔۲۰۰۷ء

۳۲۔ اقبالیات: تفہیم وتجزیہ (تنقید وتحقیق) لاہور۔۲۰۰۵ء

۳۳۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی: ایک علمی وفکری مطالعہ (بہ اشتراک) لاہور۔۲۰۰۶ء

۳۴۔ ..... سورج کو ذرا دیکھ (سفر نامہ جاپان) لاہور۔۲۰۰۷ء

۳۵۔ یادنامہ سید اسعد گیلانی لاہور۔۲۰۰۸ء

۳۶۔ جامعات میں اردو تحقیق (فہرست) زیرِ طبع

۳۷۔ کتابیاتِ علامہ محمد اقبال (ببلوگرافی) زیرِ طبع

✠ ✠ ✠

❖ مشفق خواجہ: [۱۹۳۵ء-۲۰۰۵ء] اردو دُنیا کے نام ور محقق، نقاد، طنز و

انجمن ترقی اردو، پاکستان کے مددگار معتمد، ماہ نامہ قومی زبان ا

کئی برس تک انجمن میں بابائے اردو کے معتمد علیہ معاونِ علمی واد

کے لیے سیکڑوں فیچر لکھے۔ سالہا سال تک روزنامہ جسارت اور

میں ''خامہ بگوش'' کے قلمی نام سے ادبی کالم لکھتے رہے۔ ان کا ایک ا

انھوں نے ہزاروں مکاتیب لکھے ہوں گے۔ ان کے خطوں کے متعد

خطوں کی ایک بڑی تعداد بعض ادبی جرائد میں بھی شائع ہوئی ہے۔

❖ مکاتیبِ مشفق خواجہ بنام رفیع الدین ہاشمی: ۱۴۳ خطوط کا مجموعہ

ضروری حواشی و تعلیقات کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ ابتدا میں مشفق

کی شخصیت اور علمی و ادبی کارنامے کا ایک اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔

❖ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی : [پ: ۱۹۴۰ء] محقق، نقاد اور ادیب

پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج، لاہور میں تقریباً ۳۵ برس تک تدر

۳۸ کتابوں کے مصنف و مولف۔ اقبالیات اور تحقیق و تدوین ا

بین الاقوامی کانفرنسوں میں شریک ہوئے۔ اسپین، ترکی، بھار

فرانس اور سعودی عرب کے سفر کیے۔ اردو دُنیا سے ان کے تعلقات

ڈاکٹر ابنِ فرید، جگن ناتھ آزاد، رشید حسن خاں، سعید اختر درانی اور

کتابت کے علاوہ مشفق خواجہ سے ان کی مراسلت ۳۷ برسوں پر م

اکادمی پاکستان لاہور اور ادارہ معارفِ اسلامی لاہور کے اعزازی ر

شعبہ اقبالیات، پنجاب یونی ورسٹی لاہور سے بطور ''ایچ ای سی ایمی

ادارۂ مطبوعاتِ سُلیمانی

رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاهور • فون: 042-7232788
042-8414546 E-mail: idarasulemani@yahoo.com

مکاتیبِ

مُشفق خواجہ

بنام

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی